نند لال نیرنگ سرحدی کا مجموعۂ کلام

تعمیرِ بقا

تحقیق، تجزیہ، تدوین

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

نیرنگ سرحدی بزمِ ادب میموریل فاؤنڈیشن

تعمیرِ بقا

تحقیق، تجزیہ، تدوین

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی ۲

© جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

TAMEER-E-BAQA

by

Nand Lal Nairang Sarhadi

Compiled and Written by

Dr. Syed Taqi Abedi

Year of Edition 2022

ISBN 978-93-92496-93-6

₹ 1200/-

نام کتاب : تعمیرِ بقا

مصنف : نندلال نیرنگ سرحدی

مصنف/مولف : ڈاکٹر سید تقی عابدی

سنہ اشاعت : ۲۰۲۲ء

قیمت : ۱۲۰۰ روپے

کمپوزنگ : رہبر کمپیوٹرز، دہلی

مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

H.o. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)

B.o. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)

Ph: 45678203, 45678286, 41418204, 23216162

E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com

website: www.ephbooks.com

انتساب

یہ کتاب اُس خاتون کے نام سے انتساب کی جارہی ہے جو اپنے مصمم ارادے کے ساتھ آنے والے کل کی کامیابی کا وژن رکھتی ہے۔

سونیتا نیرنگؔ ہی کی بدولت آج نیرنگؔ سرحدی کا کلام ہمارے پیش نظر ہے۔ نیرنگؔ سرحدی کی بہو جس نے کبھی اپنے خسر کو نہ دیکھا ان کے کلام کی حفاظت کر کے نیرنگؔ سرحدی کو اَمر کر دیا ہے۔

نیرنگؔ سرحدی کی بیگم پشپا نیرنگؔ نے بھی اپنی فدا کاریوں سے ان کی شاعری کے ساتھ ساتھ ان کو اُردو خدمت کرنے کا حوصلہ زندگی کے ہر ہر قدم پر دیا۔

انہی خواتین کی وجہ سے نیرنگؔ سرحدی کے کلام کی وژن کو جس میں انسانی قدریں اور انسانی حقوق شامل ہیں، ان کی پوتی نہانا رنگ ٹھاکر داس آج کی عالمی فضاؤں میں پھیلا رہی ہیں۔

فہرست

تعجب ہے	سید تقی عابدی	9
رو میں ہے رخشِ عمر	سید تقی عابدی	13
شجرہ	نہانا رنگ ٹھاکرداس	16
فیملی فوٹوز		19
زندگی نامہ	سید تقی عابدی	29
منظوم سوانح حیات	نند لال نیرنگؔ سرحدی	35
جدول	سید تقی عابدی	110
تصانیف		111
تصاویر اور ایواراڈ		134
مختصر حالاتِ زندگی	نند لال نیرنگؔ سرحدی	149
میری شاعری	نند لال نیرنگؔ سرحدی	154
مُحسوسات اور قیاسات	نند لال نیرنگؔ سرحدی	159
ایک تھا شاعر: نیرنگؔ سرحدی	نریش نارنگ سلیمؔ	162

''مناجاتِ شاعر'' کا تجزیہ	سید تقی عابدی	164
نیرنگؔ سرحدی کی نعت نگاری	سید تقی عابدی	169
عاشقِ اُردو، شاعرِ شریں بیان نیرنگؔ	سید تقی عابدی	173
نیرنگؔ سرحدی کی شخصیت اور فن کا مختصر تعارف	سید تقی عابدی	182
نیرنگؔ کے قطعات میں سماجی قدریں	سید تقی عابدی	189
نیرنگؔ کی شاعری میں ریواڑی کا تذکرہ	سید تقی عابدی	193
کلام نیرنگؔ میں وطن کے خدمت گزاروں کا خیر مقدم	سید تقی عابدی	198
نیرنگؔ سرحدی اور راؤ موہر سنگھ	سید تقی عابدی	205
نیرنگؔ سرحدی اور وزیر اعلیٰ ہریانہ راؤ بیریندر سنگھ :	سید تقی عابدی	209
مثنوی ساوتری کا تجزیہ	سید تقی عابدی	220
نیرنگؔ کے قطعات میں اخلاق سازی	سید تقی عابدی	226
نیرنگؔ فہمی کا مختصر تعارف	سید تقی عابدی	232
کچھ تعلق نہیں نیرنگؔ کو کسی فرقے سے	سید تقی عابدی	238
فیض احمد فیضؔ اور نیرنگؔ سرحدی	سید تقی عابدی	249
نیرنگؔ سرحدی کامیاب تضمین نگار	سید تقی عابدی	253
نیرنگؔ کی قلبی واردات شعروں کی زبانی	سید تقی عابدی	257
کلامِ نیرنگؔ میں ملک کے آزادخواہوں کی جلوہ گری	سید تقی عابدی	261
نیرنگؔ سرحدی کی فارسی شاعری	سید تقی عابدی	274
نیرنگؔ کے کلام میں آزادی کی خوشبو	سید تقی عابدی	286

بارہ رتن (قطعات نیرنگ سرحدی)	سید تقی عابدی	298
غزل کے منتخب اشعار	سید تقی عابدی	304
''یوں تو ہے ساری زندگی کی زندگی غزل''	سید تقی عابدی	315
نیرنگ کی سہرا اور وداع نگاری	سید تقی عابدی	332
نیرنگ اور تہوار	سید تقی عابدی	335
نیرنگ سرحدی کے ترجمے	سید تقی عابدی	339
عمدہ نثار اور افسانہ نگار: نیرنگ سرحدی	سید تقی عابدی	348
حرفے چند (تعمیر یاس)	جگن ناتھ آزاد	353
پیش لفظ (تعمیر یاس)	کشمیری لال ذاکر	357
عرضِ حال (تعمیر یاس)	نند لال نیرنگ	359
وصیت نامہ	نند لال نیرنگ	360
مُناجات		363
نعتیہ کلام		367
نعتیہ مصرعے		368
غزلیات		369
نظمیں		639
تراجم		829
قطعات و رباعیات		909
سہرے		1023
فارسی کلام		1053

نثری کلام (افسانے اور ڈرامے)	1075
مکان	1079
ڈاک خانہ	1084
کانٹا	1090
دیوان ساون مل کا دربار (ڈرامہ)	1094

سید تقی عابدی

تعجب ہے

مجھے تعجب اور افسوس بھی ہے کیوں کہ میں ایک شاعر کی حیثیت سے جو تقریباً پینتالیس (45) سال سے شاعری کر رہا ہے اور ایک ادیب کی معرفت سے جس کی چھے درجن سے زیادہ تصنیفات اور تالیفات شائع ہو کر آج موجود ہیں بحیثیت ایک اُردو پرستار اور عاشق دوسرے اُردو شاعر، اُردو عاشق کی اُردو عدالت میں وکالت کر رہا ہے کہ نند لال نیرنگؔ کا عمدہ کلام کیوں اتنی تاخیر سے گلستانِ شاعری میں مہک رہا ہے اگرچہ ان کا صرف پندرہ فی صد کلام جو مجموعۂ کلام کے نام سے کسی اُردو اکاڈمی سے پچیس (25) سال قبل شائع ہو کر نایاب ہو گیا ہے، چناں چہ اس عمدہ شریں بیان شاعر کے کلام پر اب تک تنقید کے پانچ چھے صفحات بھی نظر نہیں آتے۔

نند لال نیرنگؔ صاحب سرحدی اُردو اور فارسی کے شاعر اور ادیب تھے۔ خود لکھتے ہیں کہ میں (9) نو زبانوں سے واقف ہوں، وہ شاعر جو فیض احمد فیضؔ، تلوک چند محرومؔ اور عطا اللہ خان کا شاگرد رہا ہو جو تقسیم برصغیر پر پشاور سے مہاجر ہو کر ریواڑی کو اپنا ''وطن ثانی'' بنا چکا ہو، جو اُردو، فارسی اور پنجابی کا معلّم اور ہریانہ منطقہ کے عوام سے درد اور محبت کا رشتہ جوڑ کر کبھی ریواڑی کی کسی بستی میں پانی کا نلکا لگوا رہا ہے تو کبھی بوسیدہ دیوار صاف کر کے خطرے سے بچوں کو بچا رہا ہے، جس نے اپنی شاعری سے حکمراں اور عوام کی تعریف اور ترغیب کی ہو، اس کا کلام جو آزادی اور آزادی خواہوں کے لیے لکھا گیا ہو، اب تک کیوں عوام کے مطالعے کے لیے فراہم نہ کیا گیا؟

نیرنگؔ سرحدی نے اپنے ایک فارسی خط میں جو جملہ لکھا ہے وہ تیر بن کر

ہمارے دل میں پیوست ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''یہ میری بدبختی ہے کہ آج تک میرا کلام شائع نہ ہوسکا اور یہ حسرت میرے دل میں باقی رہ گئی۔'' وہ شاعرِ فطرت جس نے پانچ سو کے قریب غزلیں، نظمیں، قطعات، مثنویات اور رباعیات سے گلستان اُردو کو رنگیں کردیا، جس نے درجنوں آزادی اور آزادی خواہوں انسانیت اور وطن دوستی پر منظومات لکھے وہ کیوں گمنامی اور بے چارگی کی زندگی گزار کر چلا گیا۔ ہم متشاعروں کے کلام کے اشتہار کے انبار تو دیکھتے ہیں لیکن کیوں ایک فطری شاعر کے کلام کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس گئیں اور خود شاعر اس کے کلام کے چھپنے کی آرزو لے کر اس بیداد دُنیا سے چلا گیا۔ سو سال پہلے اُردو ترقی بورڈ بنا اور آج اُردو تحفظ بورڈ کی ضرورت لاحق ہے، کیا اس زوال کی گوناگوں وجوہات میں یہ بھی ایک وجہ نہیں کہ اُردو کے حقدار کو اس کا حق اس کی زندگی میں نہیں دیا گیا اور سچ تو یہ ہے کہ اس کے مرنے کے پچیس سال کے بعد بھی جیسا چاہیے تھا ویسا حق ادا نہیں کیا گیا۔

نیرنگؔ کے اِس کلیات میں فارسی کلام بھی شامل ہے۔ یہاں اگر مہابھارت کی حکایت ''ساوتری'' کی نظم ہے تو مناجات اور نعتیہ کلام بھی موجود ہے۔ اگر شاعر عیدالضحیٰ پر شعر پڑھتا ہے تو ہولی کے تہوار پر بھی اُسی طرح تنقید کرتا ہے جس طرح دیش کے تہوار بسنت پر کیوں کہ وہ غریبوں، ستم کشوں اور مزدوروں کے درد سے واقف ہے۔ نیرنگؔ ایک ترقی پسند، سیکولر وطن دوست، انسانی حقوق کا محافظ، اُردو کا عاشق، شرین سخن، شاعر، ادیب افسانہ نگار اور مترجم ہے۔ نیرنگؔ نے اگر جوان نسل کو مدرسوں میں تعلیم کی ترغیب دی تو ان کی معاشرے کے لیے مثبت قدروں سے بھی تربیت کی۔ ہم نے اس کلیات میں ان کی بیاضوں سے جو ''بزم ادب سرحدی میموریل'' میں محفوظ ہیں، صحیح متن کے ساتھ ان کا کلام سنوار کر قرطاس پر بکھیر دیا ہے۔ سچ ہے۔

ع : چھپ نہیں سکتا ہے شاعر شعر کے چھپنے کے بعد

اب نیرنگؔ جیسا کہ ذوقؔ کہہ چکے ہیں اَمر ہو چکے ہیں۔

؎ : رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے رہے یہی دو پشت چار پشت

ہم نے نیرنگؔ سرحدی پر تقریباً تیس (30) کے قریب تحقیقی، تنقیدی، تشریحی اور تجلیلی تحریریں اس صحیفہ میں ہر عنوان پر لکھ کر رکھ دیں ہیں تا کہ عامی اور عالم دونوں اس سے مستفید ہو سکیں اور اسکالرس اس کو تنقیدی نظر سے پرکھ سکیں۔

یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ نیرنگؔ سرحدی کی بہو سونیتا نارنگؔ جنھوں نے کبھی اپنے خسر سے ملاقات نہ کی، مگر ان کے کلام کو سینے سے لگا کر محفوظ رکھا اور اپنے شریکِ حیات نریش نارنگ اور بیٹی نہا نارنگ ٹھاکر داس کے ساتھ ٹورنٹو میں میموریل بنا کر تقریباً ستر سال قبل بنائی گئی ''بزمِ ادب'' کو زندہ رکھا۔

ہم مطمئن اور خوش ہیں کہ یہ قیمتی سنگین پتھر ہم نے محراب شاعری میں ہمیشہ کے لیے سجا دیا ہے۔

سچ ہے ع : ہر بڑے کام کی تکمیل ہے خود اس کا صلہ

سید تقی عابدی

ٹورنٹو ۲۲/اپریل ۲۰۲۲ء

رو میں ہے رخشِ عمر

نام : سیّد تقی حسن عابدی

ادبی نام : تقی عابدی

تخلص : تقیؔ

والد کا نام : سیّد سبط نبی عابدی (مرحوم)

والدہ کا نام : سنجیدہ بیگم (مرحومہ)

مقام پیدائش : دہلی [انڈیا]

تعلیم : ایم بی بی ایس (حیدر آباد، انڈیا)

ایم ایس (برطانیہ)

ایف سی اے پی (امریکہ)

ایف آر سی پی (کینیڈا)

پیشہ : طبابت

ذوق : شاعری، ادبی تحقیق وتنقید

شریکِ حیات : گیتی

اولاد : دو بیٹیاں (معصوما اور رویا)

دو بیٹے (رضا و مرتضیٰ)

تصانیف : (72) ''شہید'' (1982)، ''جوشِ مودّت''، ''گلشنِ رویا''، ''اقبالؔ کے عرفانی زاویے''، ''انشاء اللہ خاں انشاءؔ''، ''رموزِ شاعری''، ''اظہارِ حق''، ''مجتہدِ نظم مرزا دبیرؔ''، ''طالعِ مہر''، ''سلکِ سلامِ دبیرؔ''، ''تجزیہ یادگارِ انیسؔ''، ''ابواب المصائب''، ''ذکر دُرباران''، ''عروسِ سخن''، ''مصحف فارسی دبیرؔ''، ''مثنویاتِ دبیرؔ''، ''کائناتِ نجمؔ''، ''روپ کنوار کماری''، ''دُربارِ رسالت''، ''فکرِ مطمئنہ''، ''خوشۂ انجم''، ''دُرِ دریائے نجف''، ''تاثیر ماتم''، ''نجمی مایا''، ''روشِ انقلاب''، ''مصحفِ تغزل''، ''ھوالنجم''، ''تعشق لکھنوی''، ''ادبی معجزہ''، ''غالبؔ دیوان نعت و منقبت''، ''چوں مرگ آید''، ''رباعیاتِ دبیرؔ''، ''سبدِ سخن''، ''کلیاتِ غالبؔ فارسی'' [دو جلد، اُردو]، ''دیوانِ غالبؔ دہلوی'' [فارسی، ایران ایڈیشن]، ''فیضؔ فہمی''، ''مطالعہ دبیرؔ کی روایت''، ''اُردو کی دو شاہکار نظمیں''، ''رباعیاتِ رشیدؔ لکھنوی''، ''رباعیاتِ انیسؔ''، ''فیضؔ شناسی''، ''حالیؔ فہمی''، ''مسدس حالیؔ''، ''کلیاتِ حالیؔ''، ''بچوں کے حالیؔ''، ''کلام وسلامِ انیسؔ''، ''کلیاتِ سعید شہیدیؔ''، ''گلزارؔ کی تخلیقی صنف ترویٰنی تشریح و تجزیہ''، ''باقیات و نادرات فیضؔ احمد فیض''، ''برج شرف''، ''منشی بال مکند بے صبرؔ''، ''مطالعۂ رباعیاتِ فراقؔ گورکھپوری''، ''حالیؔ کی نظمیں''، ''حالیؔ کی نعتیہ شاعری''، ''حالیؔ کی غزلیں اور قطعات''، ''گلستان ہند''، ''دیوان فراق گورکھپوری کامل''، ''منشی بال مکند بے صبرؔ''، ''تعمیر بقا''، ''تقی عابدی کے مقالات کا بن''

زیرِ تصنیف : ''حالؔی کے قصیدے اور حالؔی کے شخصی مرثیے''، ''تجزیۂ شکوہ جوابِ شکوہ''، ''فانؔی لافانؔی''، ''اقبالؔ کے چار مصرعے''، ''رباعیات بیدلؔ''، ''رباعیاتِ صادقین''، ''دیوانِ فارسی حالؔی''، ''فراقؔ فہمی''، ''نیرنگؔ سرحدی شخصیت اور فن''

Late Shri Sadhu Ram — Late Mrs. Shri Sadhu Ram

Late Tharu Ram
(Brother)

Late Nand Lal Narang
Birth: February 6th, 1912
Death: February 5th, 1973
+ Late Pushpa Kumari
Birth: July 4th, 1924
Death: December 29th, 1990

Late Manohar Lal
(Brother)

Raj Kumar Narang	Nirmal Kumari	Sushil Kumari	Usha Kumari	Naresh Narang	Adib Narang	Satish Narang	Meena Kumari
1948-2016	1950-2020	Birth : 1952	Birth : 1955	Birth : 1958	Birth : 1961	Birth : 1963	Birth : 1965
+	+	+	+	+	+	+	+
Late Satya Bakshi	Late Subash Chander Dewan	Ved Parkash Saigal	Late Mahesh Mendiratta	Sunita Gulati	Suman Arora	Anju Nanda	Pradeep Sehgal
Married : 1982	Married : 1973	Married : 1975	Married : 1981	Married : 1983	Married : 1988	Married : 1992	Married : 1992
Jyoti Narang Parul Narang Jatin Narang	Savesh Dewan Swati Popli Ruchi Dewan Puneet Dewan	Leena Arora Mini Mendiratta Reena Verma Prashant Saigal	Himanshu Mendiratta	Neha Thakordas Nihit Narang	Ashank Narang Anushtha Narang	Aarushi Jalota	Yatin Sehgal Vipul Sehgal

"The purpose of life is not to be happy. It is to be useful, to be honorable, to be compassionate, to have it make some difference that you have lived and lived well." Ralph Waldo Emerson

مرحوم شری سادھورام — مرحومہ محترمہ شری سادھورام

مرحوم تھارورام
(بھائی)

مرحوم نندلال نارنگ
پیدائش:6/فروری1912ء وفات:5/فروری1973ء
+ مرحومہ پشپا نارنگ
پیدائش:4/جولائی1924ء وفات:29/دسمبر1990ء

مرحوم منوہرلال
(بھائی)

- راج کمار نارنگ — پیدائش:1948ء-وفات:2016ء
  - + مرحومہ ستیہ بخشی — شادی:1982ء
    - جیوتی نارنگ
      - پارون نارنگ
      - جتن نارنگ
- نرمل کماری — پیدائش:1950ء-وفات:2020ء
  - + سہاش چندر دیوان — شادی:1973ء
    - ساویش دیوان
      - سواتی پوپلی
      - روچی دیوان
      - پونیت دیوان
- سوشیل کماری — پیدائش:1952ء
  - + وید پرکاش سہگل — شادی:1975ء
    - لینا اروڑہ
      - منی مینڈیرٹا
      - رینا ورما
      - پرشانت سہگل
- اوشا کماری — پیدائش:1955ء
  - + مرحوم مہیش مینڈیرٹا — شادی:1981ء
    - ہمانشو مینڈیرٹا
- نریش نارنگ — پیدائش1958ء
  - + سونیتا گلاٹی — شادی:1983ء
    - نہانا نارنگ ٹھاکرداس
      - نہت نارنگ
- ادیب نارنگ — پیدائش:1961ء
  - + سمن اروڑہ — شادی:1988ء
    - اشنک نارنگ
      - انوشتھا نارنگ
- ستش نارنگ — پیدائش:1963ء
  - + انجونندا — شادی:1992ء
    - آروشی جلوٹا
- مینا کماری — پیدائش:1965ء
  - + پردیپ سہگل — شادی:1992ء
    - یاتن سہگل
      - وپل سہگل



نند لال نیرنگؔ سرحدی



پشپا نیرنگ



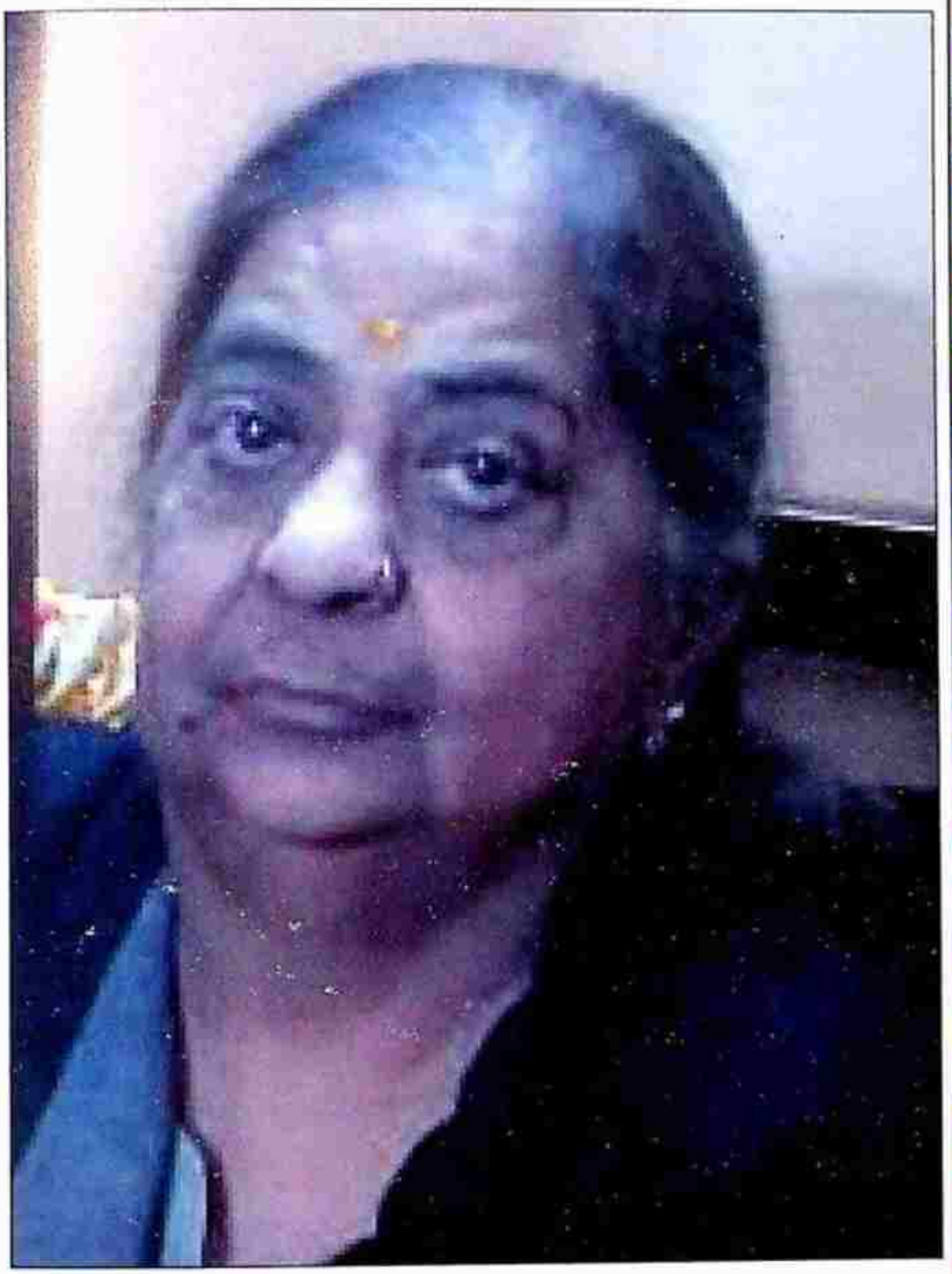
راج کمار خان



نرمل کماری



سوشیل کماری



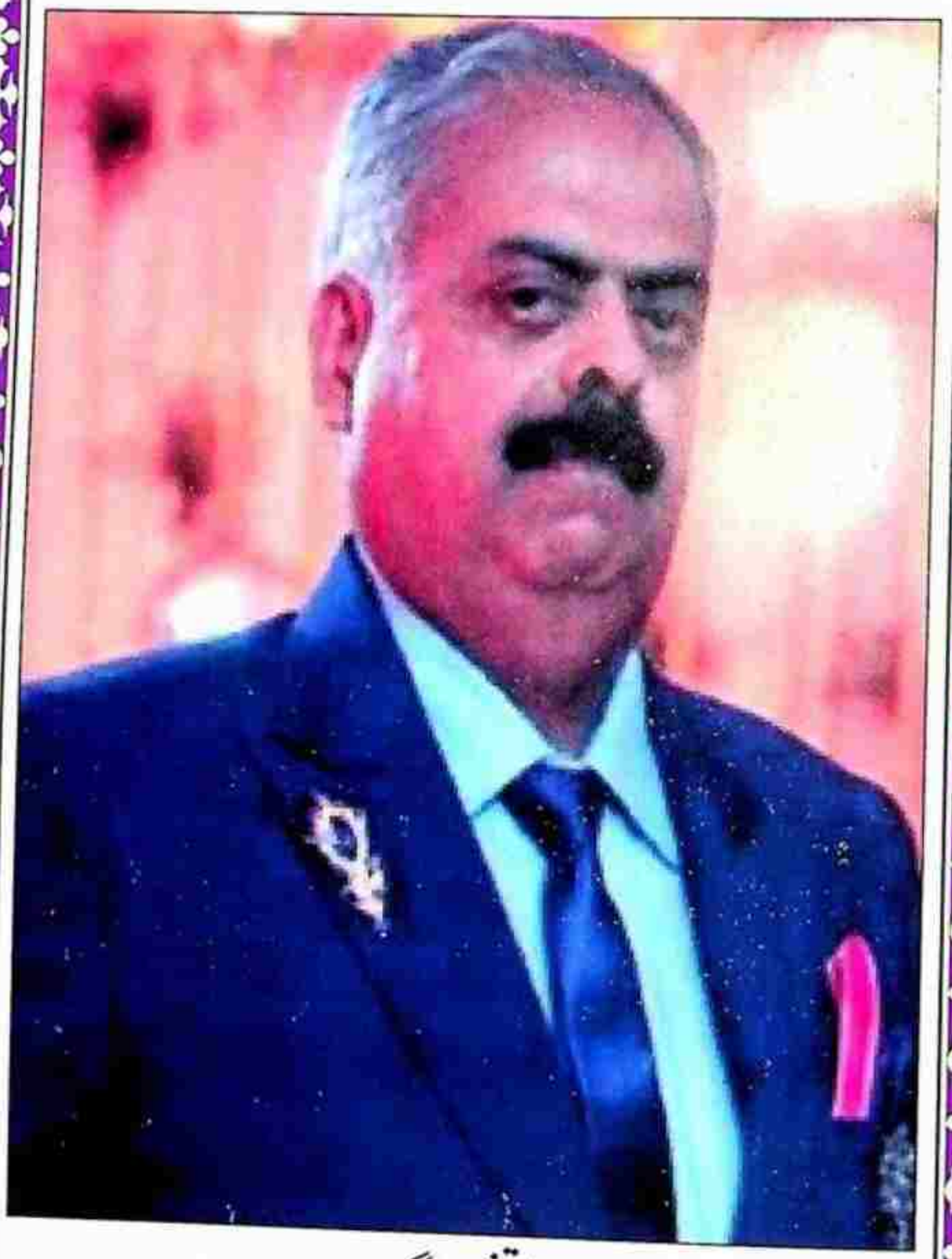
اوشا کماری



نریش نارنگ سلیم



ادیب نارنگ



ستتش نارنگ



مینا کماری

زندگی نامہ

نام : نندلال
تخلص : نیرنگؔ
القاب : سرحدیؔ.....خان
والد : سادھورام
پیدائش : 6/فروری1912ء
مقام : مندھرا (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان)
دادا : کالے رام میونسپل کمیٹی ڈیرہ اسماعیل خان میں داروغہ چونگی تھے۔
شغل : معلّم (خالصہ اسکول ڈیرہ اسماعیل خان، خالصہ اسکول پشاور، اہیر اسکول ریواڑی، ہندو اسکول ریواڑی)
شوق : شاعری، افسانہ نگاری، ڈرامہ نگاری، خوش خطی، مترجم
شادی : پشپا کماری متولد1924ء سے1941ء میں ہوئی۔
اولاد : آٹھ (چار بیٹے اور چار بیٹیاں) تمام اولاد کو تعلیم دلوائی، تمام آٹھ بچے کالج کی ڈگری یافتہ ہیں۔
مذہب : ہندو (خود کہتے ہیں شاعر کسی خاص مذہب کا قایل نہیں ہوتا۔)
تعلیم وتربیت: دادا نے تربیت کی۔

ا۔ 7 سال کی عمر میں پرائمری اسکول میں شرکت ہوئی۔
ب۔ 16 سال کی عمر میں مڈل اسکول پاس کیا۔

ج۔ 19 سال کی عمر میں میٹرک پاس کیا۔

د۔ لاہور گئے اور اورینٹل کالج میں داخلہ لیا، لیکن صحت کی خرابی کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔

ھ۔ 1937ء میں پچیس سال کی عمر میں ادیب عالم اور منشی عالم پاس کیا۔

و۔ 1937ء میں مڈل اسکول میں مدرس ہو گئے۔

مہاجرت : 1947ء میں بیوی کے ساتھ ہوائی جہاز کے ذریعہ دہلی آئے اور چند روز برلا مندر میں قیام کیا۔

زبان : پشتو، اُردو، فارسی، انگریزی اور سنسکرت (خود لکھتے ہیں نو (9) زبانیں جانتا ہوں۔)

مشغولیات : پہلے ریواڑی (گوڑ گاؤں) میں اہیر اسکول میں فارسی ٹیچر ہوئے۔ پھر ہندو ہائی اسکول میں کام شروع کیا اور تمام زندگی اسی میں معلّم رہے۔

شاعری : نویں جماعت سے شاعری کا آغاز ہوا۔ مولانا عطا اللہ خان نے سرپرستی کی۔

* پھر منشی تلوک چند محرومؔ سے سلسلہ آموزش جاری رہا۔
* فیض احمد فیضؔ سے شاگردی کا فیض شامل ہوا۔
* اُردو سبھا کے مشاعرے، محافل اور نشستوں میں نظم، افسانوں اور علوم شاعری سے فایدہ پہنچا۔
* خالصہ ہائی اسکول میں کلام پختہ ہو گیا اور کئی شاگردوں کے استاد ہو گئے۔
* اُردو اور فارسی میں شاعری جاری رہی۔
* 13/اکتوبر 1953ء میں ''بزم ادب'' کا قیام عمل میں آیا جو آج بھی ٹورنٹو میں ''بزمِ ادب سرحدی میموریل'' کے نام سے موجود ہے۔
* ریواڑی میں اس بزم کی جانب سے کئی بڑے پیمانے پر مشاعرے

ہوئے۔ جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ ڈپٹی کمشنر گوڑ گاؤں کی وجہ سے مشاعروں کی رونق میں اضافہ ہوا۔

* نیرنگؔ کا کلام دوردرشن سے نشر کیا گیا۔
* عموماً رات کو شاعری کرتے۔ بعض اوقات گھر کی دیواروں پر جس شعر کی آمد ہوتی لکھ دیتے تھے۔ بعض اوقات شعر بچوں سے پڑھواتے اور محنت کر کے ان کا تلفظ ٹھیک کرواتے تھے۔

پڑھت : تحت اللفظ سے خوب صورت آواز میں پڑھتے تھے۔

تصانیف : زندگی میں کوئی مجموعہ کلام شائع نہ ہوسکا۔ ریواڑی اور دہلی کے بعض اخباروں، جریدوں اور رسالوں میں قطعات، غزلیں اور نظمیں شائع ہوتی رہیں۔ مرنے کے بعد ''تعمیر یاس'' [اُردو]، ''ایک تھا شاعر'' اور ''زندگی کے بعد'' کتابیں ہندی میں شائع ہوئیں۔

پوشاک : اُردو تہذیب کے نقیب تھے۔ کالی شیروانی، شینل کی ٹوپی، سفید پاجامہ، کھیتی کے جوتے اور ہاتھ میں کشمیری باریک چھڑی۔

خوارک : غذا کے شوقین تھے۔ شام کا کھانا گھر والوں کے ساتھ کھاتے تھے۔ (شراب کو عمر بھر ہاتھ تک نہیں لگایا۔)

نظام الاوقات: صبح جلد اُٹھ جاتے اور مسلسل کام کرتے رہتے۔ عموماً رات کے بارہ ایک بجے تک مطالعہ، پڑھائی یا شاعری کرتے رہتے۔

اخلاق و کردار: نستعلیق شخصیت کے حامل تھے۔
بہت مقررہ آداب کے قایل تھے۔
ظاہری طور پر سخت گیر مگر دل سے بہت نرم تھے۔
غریبوں اور دردبھروں کے دوست اور حامی تھے۔
عزتِ نفس کی خاطر کبھی کسی سے کلام چھپوانے کو نہیں کہا۔

آمدنی : تمام زندگی تنگ دستی میں گزاری۔

معلّم کی تنخواہ جو بعد میں کم ہو کر پنشن ہوگئی تھی۔ کچھ اُردو انگریزی کے ٹیوشن پڑھاتے اور کبھی کبھار مشاعروں یا کسی کمیشن یا انعام سے کچھ پیسے ملتے تو سب بیوی بچوں پر خرچ کر دیتے۔

مطالعہ : رات میں اُردو فارسی کتابوں اور شعراء کا مطالعہ جاری رہتا۔ مرزا غالبؔ کے دیوان کے عاشق تھے۔ ان کے گھر میں غالبؔ دہلوی کی بڑے فریم کی تصویر آویزاں تھی۔

مسافرت : افغانستان جوانی کے زمانے میں ٹوریسٹ گائیڈ کی حیثیت سے جایا کرتے تھے اُس وقت ابھی برصغیر تقسیم نہیں ہوا تھا۔
پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان، لاہور، دہلی، پٹیالہ، میرٹھ، لکھنؤ، جالندھر، انبالہ، ہوشیار پور، اجمیر شریف اور کئی دوسرے مقامات پر مشاعروں اور شعری محافل میں شریک ہوتے۔

حکایت (۱) : نیرنگؔ سرحدی اپنی تمام بچوں میں پانچوں بیٹے نریش نارنگ سلیمؔ کو بہت چاہتے تھے اور ہمیشہ جہاں بھی جاتے ساتھ رکھتے تھے۔ ان کے تمام بیٹے نیرنگؔ صاحب کے کلام کو مدرسہ میں ترنم سے پڑھتے تھے۔ نریش نارنگ سلیمؔ اس لیے بھی باپ کے چہیتے تھے کہ وہ تین بیٹیوں کے بعد پیدا ہوئے اور بڑے مطیع بھی تھے۔ نریش نارنگ بیان کرتے ہیں کہ ایک شام کو وہ نیرنگؔ صاحب کے ساتھ اپنے کسی رشتے دار کی شادی میں شریک ہونے کے لیے دہلی گئے۔ نیرنگؔ صاحب ہمیشہ کی طرح شیروانی، پاجامہ اور سر پر شینل کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ شادی کے گھر کے کسی بڑے شخص نے نیرنگؔ صاحب کو شیروانی میں دیکھ کر کہا: ''آپ اگر اپنے کپڑے بدل لیتے تو اچھا تھا۔'' اس پر نیرنگؔ صاحب نے کہا کہ ''ان کپڑوں میں کیا برائی ہے اور ویسے میرے ساتھ دوسرے کپڑے نہیں ہیں۔'' اس کے بعد

نیرنگ صاحب نے نریش سے کہا: ''ہم اب اس رشتے دار کی شادی میں نہیں رہیں گے اور پھر وہ خاموشی سے وہاں سے نکل کر اپنے شاعر دوست رام چندر کے گھر رات کے دس بجے پہنچے اور ان کے دوست نے نیرنگ صاحب اور نریش نارنگ کو رات کا کھانا بنوا کر ضیافت کی۔ ہم اس حکایت میں سکّے کے دونوں رخ یعنی رام چندر جیسے فرشتہ شخص کے ساتھ رشتہ داروں کے بیگانہ رخ کو بھی واضح کر رہے ہیں کسی شاعر نے کہا خوب کہا ہے ؎

عجب سلگتی ہوئی لکڑیاں ہیں رشتہ دار
الگ رہیں تو دھواں دیں ملیں تو جلنے لگیں

حکایت (ب): نیرنگ سرحدی کو کوٹھاری کمیشن سے جو تنخواہ بڑھی تھی اس کی یک مشت رقم سات سو روپے ملی تو نیرنگ صاحب نے بچوں کے جوتے کپڑے خریدے اور اپنی بیگم کے لیے باقی پیسے خرچ کر دیئے لیکن ان کی بیگم نے کہا کہ ''جب تک نیرنگ صاحب خود اپنے لیے کچھ نہ خریدیں وہ کوئی چیز اپنے لیے لینا پسند نہیں کرتیں۔'' نیرنگ صاحب نے ایسی فداکار جیون ساتھی کے لیے خوب صورت نظم لکھی جو اس کلیات میں موجود ہے۔

حکایت (ج): نریش نارنگ کہتے ہیں کہ نیرنگ صاحب اچھی اُردو بولنے کی تاکید کرتے تھے۔ ان کے گھر میں ان کے سب بیٹے بیٹیاں اچھی اُردو بولتے تھے۔ نیرنگ صاحب کے سب سے بڑے بیٹے راج کمار خان جو طنزیہ اور تند مزاج تھے جو نیرنگ کی ایک غزل کا طنزیہ ترجمہ کر کے گا رہے تو یہ نیرنگ صاحب کو اتنا برا لگا کہ تقریباً ایک سال تک بیٹے سے بات نہ کی۔ یہ تھی ان کی اُردو محبت اور تہذیب جو اندورن خانہ ہونے کے باوجود نریش نارنگ کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔

ایوارڈس : ریواڑی میں ان کے نام کی سڑک موجود ہے۔
ہریانہ گورنمنٹ نے انھیں انعام سے نوازا تھا۔
لکھنؤ ادبی انجمن نے انھیں ''محبِ اُردو'' خطاب دیا تھا۔
ان کے اُردو اشعار موہر سنگھ کے بت سنگین کے نیچے کندہ ہیں۔

بیماریاں : معدہ، جگر اور دل کی بیماری کے مریض تھے۔ لیکن پروا نہیں کرتے۔
ان کی ایک نظم ''نیرنگ اسپتال میں'' موجود ہے۔

انتقال : 5/فروری 1973ء شام کے (7) بجے، حرکت قلب بند ہو جانے سے ہوا۔

ع : خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

منظوم سوانحِ حیات

- نیرنگؔ سرحدی نے اُردو اور فارسی میں اپنے خوش خط سے سوانح حیات مسدّس کی شکل میں لکھی ہے جو بحر ہزج مثمن سالم، مفاعیلن (4) بار کی تکرار پر ہے۔ یہ مسدّس چھتیس (36) بندوں پر مشتمل ہے۔ اس کے سرورق پر شاعر نے اپنا فارسی متعارنام ''نورلطیف خان نیرنگؔ سرحدی'' لکھا ہے۔

اس سوانح حیات کا مطلع ہے ؎

وہ سرحد کی زمیں جس پر فضایں ناز کرتی ہیں
گھٹایں بھی جہاں کی، وادیوں سے بچ کے چلتی ہیں

- اس مسدّس کے آٹھویں بند میں نیرنگؔ فیض احمد فیضؔ کی شاگردی پر نازاں ہیں۔ یہ بند پورا فارسی میں ہے۔
- کیوں کہ نیرنگؔ بہت خوش خط تھے ہم نے ''تعمیر بقا'' میں ان ہی کے ہاتھ سے لکھی سوانح حیات رکھ دی ہے۔

زادِ راہ برائے جنت

تعمیرِ پاس

Khurmil Lattif

O

Khurmul Latif

سواخ حیات

Khurmil Latif Khan

O Nairang

نیرنگ سرحدی

۱۲

فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن - فاعلن فاعلن
بحرِ ہزج مثمن سالم

وہ سرحد کی زمیں جس پر فضائیں ناز کرتی ہیں
گھٹائیں بھی جہاں کی وادیوں میں جھک کے چلتی ہیں
جہاں کے حسنِ غریاں سے ہوائیں بھی لرزتی ہیں
جہاں رہنے سے اہلِ دل کی تقدیریں سنورتی ہیں

ندا لم مارزہ است چو گشتم آں بر خیالے را
دلِ خود را مسور ساختہ ام ایں خیالے را

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن (بحر ہزج مثمن سالم)

1

وہ سرحد کی زمیں جس پر فضائیں ناز کرتی ہیں
گھٹائیں بھی جہاں کی وادیوں سے بچ کے چلتی ہیں
جہاں کے حُسنِ غریاں سے ہوائیں بھی لرزتی ہیں
جہاں رہنے سے اہلِ دِل کی تقدیریں سنورتی ہیں

ندانم ماندہ اَست چہ نسبتم آں پر جمالے را
دِل خُود را مُنوّر ساختہ اَم ایں خیالے را

ترجمہ : میں نہیں جانتا اب کیا نسبت باقی ہے اس پر جمالی سے
بس میں نے اپنے دل کو منوّر کیا ہے اس روشن خیالی سے

***

وہ ارضِ پاک کہتے ہیں پٹھانوں کی جسے بستی
جسے اہلِ نظر سمجھا کئے ہیں اپنی خوش بختی
جبل جس کی بلندی سے رہی افلاک کی پستی
اُزل سے جس کو حاصل ہے شباب و حسن کی مستی
ہمیں جا مولد و مسکن شہ امت امیں ہے را
بُدا کردند لبذ از مدتے ایں بدنصیبے را

2

وہ ارضِ پاک کہتے ہیں پٹھانوں کی جسے بستی
جسے اہلِ نظر سمجھا کیے ہیں اپنی خوش بختی
خجل جس کی بلندی سے رہی افلاک کی پستی
ازل سے جس کو حاصل ہے شباب و حُسن کی مستی
ہمیں جا مولد و مسکن شدہ اَست ایں غیرے را
جُدا کردند بعد از مدتے ایں بدنصیبے را

ترجمہ : اُسی جگہ اِس غریب کی پیدائش اور گھر بھی تھا
ایک مدت کے بعد اس بدنصیب کو وہاں سے جدا کیا گیا

***

3

جہاں کے رہنمائے ملک و ملت خان صاحب تھے
جہاں کے مرکزِ اہلِ محبت خان صاحب تھے
جہاں کے محترم فخرِ وزارت خان صاحب تھے
جہاں اسلام کی شانِ شہادت خان صاحب تھے

رہی ہے اُس زمیں سے قدر تو دل بستگی مجھ کو
جہاں کے نام سے ہوتی ہے اب تک تازگی مجھ کو

3

جہاں کے رہنمائے ملک و ملت خاں صاحب تھے
جہاں کے مرکزِ اہلِ محبّت خاں صاحب تھے
جہاں کے محترم فخر وزارت خاں صاحب تھے
جہاں اِسلام کی شانِ شہادت خاں صاحب تھے
رہی ہے اُس زمیں سے مُدتوں دل بستگی مجھ کو
جہاں کے نام سے ہوتی ہے اب تک تازگی مجھ کو

***

4

جہاں پرنازشِ اسلام ہے سرحد کا گاندھی
جہاں مقبول خاص و عام ہے سرحد کا گاندھی
جہاں والوں نے لب پر نام سے سرحد کا گاندھی
ثبوت ہے اسیرِ دام سے سرحدِ کا گاندھی
بدارم اعتقادِ تام آں مردِ بزرگ را
بیادآرم صبحدم نام آں مردِ بزرگ را

4

جہاں پر نازشِ اسلام ہے سرحد کا گاندھی
جہاں مقبولِ خاص و عام ہے سرحد کا گاندھی
جہاں والوں کے لب پر نام ہے سرحد کا گاندھی
تعجب ہے اسیرِ دام ہے سرحد کا گاندھی
بدارم اِعتقادِ تام آں مردِ بزرگے را
بیاد آرم صُبحدم نام آں مردِ بزرگے را

ترجمہ : میں اس عظیم شخص کے نام کا معتقد ہوں
ہر صبح اس عظیم شخص کا نام لیتا ہوں

***

7

5

شنیدہ ام کہ پدر ام دبر خیال صبا بودند
خدا را یاد می کردند کہ مردان خدا بودند
زمینے کاشتند از مزرع اش اہل غنا بودند
ازیں بہتر خدا داند کہ آں دیگر کہ ہا بودند
ازآں مروان کمالے را ہم مرد با تر بودہ
اوتشویق سیاست دوالم ورشتر بودہ

5

شنیدہ اَم کہ پدرانم دبیر خالصا بوُدند
خُدارا یاد می کردند کہ مردان خدا بوُدند
زمینے کاشتند از مرزع اش اہل غنا بوُدند
ازیں بہتر خُداداند کہ آں دیگر گہ ہا بوُدہ
ازآں مردان کالے رام مردِ با ہنر بوُدہ
او تشویقِ سیاحت و دائم در سفر بوُدہ

ترجمہ : میں نے سنا ہے کہ میرے باپ خالصا کے دبیر تھے
وہ ہمیشہ خدا کی یاد میں رہتے اور مردِ خدا تھے
کھیتی کی زمین کے مالک تھے اور خوش حال تھے
وہ اپنے مقام پر دوسروں سے بہتر تھے
کالی رام ان مردوں میں ہنرمند تھے
انھیں سیاحت کا شوق تھا اور ہمیشہ سفر کرتے تھے

***

6

زمینوں میں نہیں دیکھی کوئی ایسی زمیں میں نے۔
کوئی فردوس اس جیسا نہیں دیکھا کہیں میں نے۔
نہیں دیکھی کبھی ایسی عروسِ نازنیں میں نے۔
ابھی تک کر کے دیکھی بھی نہ تھی جس کی تمنا میں نے۔
ابھی کھیلے نہیں پایا تھا باب زندگی اپنا
ادھورا رہ گیا افسوس خواب زندگی اپنا

6

زمینوں میں نہیں دیکھی کوئی ایسی زمیں میں نے
کوئی فردوس اُس جیسا نہیں دیکھا کہیں میں نے
نہیں دیکھی کبھی ایسی عروسِ نازنیں میں نے
ابھی جی بھر کے دیکھی بھی نہ تھی جس کی جبیں میں نے
ابھی کھلنے نہیں پایا تھا بابِ زندگی اپنا
ادھورا رہ گیا افسوس خواب زندگی اپنا

***

7

اُو اوائل زندگی کا جوش تھا۔ اُلفتی جوانی تھی
غرض پر لطف سیر حاصل ہماری زندگانی تھی
ہماری داستاں سیاحت کے عنواں کہلاتی تھی
زباں پر سوز تھی۔ لب پر عجب آتش بیانی تھی
سُخن سنجان سرحد میں لگا ہونے شمار اپنا۔
لگا بڑھنے نگاہِ قدر داناں میں وقار اپنا

7

اوائل زندگی تھی، جوش تھا، اُٹھتی جوانی تھی
غرض پرلُطف، سیر حاصل ہماری زندگانی تھی
ہماری داستاں کیا ایک بے عنواں کہانی تھی
زباں پُر سوز تھی، لب پر عجب آتش بیانی تھی
سخن سنجانِ سرحد میں لگا ہونے شمار اپنا
لگا بڑھنے نگاہِ قدر داناں میں وقار اپنا

***

8

مرا شرف تلمذ شد بہ قدم فیض احمد خاں
بدوزانو نشستہ ام بہ پیش خدمت ایشاں
رجوع خدمتش یک سال کردم با ہمہ یاراں
فنون شاعری آموختہ ام بہ پیش ازو گراں
نمی دانم نہ احسانش چگونہ بزربان آرم
نہ طرز گفتگو دارم کہ آں را درمیان آرم

8

مرا شرفِ تلمذ شُد، بہ قدمِ فیضؔ احمد خاں
بدو زانو نشستہ ام بہ پیشِ خدمتِ ایشاں
رجوع خدمتش یک سال کردم با ہمہ یاراں
فنونِ شاعری آموختہ ام بیش از دگراں
نمی دانم کہ احسانش چگونہ بر زباں آرم
نہ طرزِ گفتگو دارم کہ آں را درمیاں آرم

ترجمہ : مجھے فیض احمد خان سے شاگردی کا شرف ملا
میں نے ان کے سامنے شاگردی کا زانو تہہ کیا
میں ایک سال تک دوستوں کے ہمراہ ان کی خدمت میں جاتا رہا
شاعری کے فن کو دوستوں کی نسبت میں نے اُن سے زیادہ سیکھا
مجھے نہیں معلوم کہ ان کا احسان کو کس طرح سے زبان سے ادا کروں
نہ مجھے وہ گفتگو کرنے کا طریقہ آتا ہے جس سے ان کا احسان ادا کرسکوں

***

۹

بہار زندگی میں ایک خونی انقلاب آیا۔
خدا کا قہر ٹوٹا جب یہ جوشِ شباب آیا۔
نگاہِ دور بیں جب دلمن کا انتخاب آیا۔
تلاشِ ابرو باریں نظر مجھ کو سراب آیا۔
زمیں ایسی پسند آئی ندا جس کی نہیں ملتا
وہ شجرِ گلعشاں دیکھا کہ پھل جس کا نہیں ملتا

9

بہارِ زندگی میں ایک خونی انقلاب آیا
خدا کا قہر ٹوٹا مجھ پہ جب جوشِ شباب آیا
نگاہِ دوربیں میں جب وطن کا انتخاب آیا
تلاشِ اَبر و باراں میں نظر مجھ کو سراب آیا
زمیں ایسی پسند آئی بدل جس کا نہیں ملتا
وہ شجر گُل فشاں دیکھا کہ پھل جس کا نہیں ملتا

***

10

اسی غل تمنا پر بنایا آشیاں اپنا
سمجھ بیٹھا اسی غنچے کو گویا آسماں اپنا
کہاں تک تلملایا روز سے جنت نشاں اپنا
خود اپنے دل پہ لی ہر گونہ ماتم و فغاں اپنا
بہاروں کے فریب لیتا تھا سر خدگی سے
اچانک آ پڑا پنجاب کے ریگ بیاباں میں

10

اِسی نخل تمنا پر بنایا آشیاں اپنا
سمجھ بیٹھا اِسی خطے کو گویا اِک جہاں اپنا
کہا کرتا تھا یاروں سے جسے جنتِ نشاں اپنا
خود اپنے دل پہ ظاہر ہوگیا وہم و گماں اپنا
بہاروں کے مزے لیتا تھا سرحد کے گلستاں میں
اچانک آپڑا پنجاب کے ریگِ بیاباں میں

***

۱۱

نگاہ کردم و یکدم بامرادم دل نشد آنجا
کہ اولادے بچندے در میان شہابل نشد آنجا
برائے مقصدِ من شاید آب و گل نشد آنجا
درختے کاشتم لیکن ثمر حاصل نشد آنجا
بباغ بامرادِ من گل اول شگفتہ نشد
شدہ بیدار بخت اینجا بآں جا بے کہ خفتہ نشد

11

نکاح کردم و لیکن بامرادم دل نشد آنجا
کہ اولادے بچندے درمیاں شامل نشد آنجا
برائے مقصدِ من شاید آب و گل نشد آنجا
درختی کاشتم لیکن ثمر حاصل نشد آنجا
بباغِ بامرادِ من گُل اوّل شگفتہ شد
شدہ بیدار بخت اینجا بآں جائے کہ خفتہ شد

ترجمہ : نکاح تو کیا لیکن دل کی مراد وہاں بر نہ آئی
مجھے وہاں اولاد نصیب نہ ہوئی
شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہاں میرے حصّے کا پانی اور مٹی نہ تھی
میں نے جھاڑ تو بویا لیکن اس کا پھل نہ ملا
میرے مرادوں کے باغ میں میرا پہلا پھول کِھلا
اس مقام پر میرے نصیب جاگے جہاں میری قسمت خراب ہوئی

***

12

مجھے وہ یاد آتی ہے پشاور کی زمیں اب بھی
مجسم صورتِ زیبا وہ نورانی جبیں اب بھی
لبِ شاہ انگیز روشنوں پر گلاب و یاسمیں اب بھی
کہیں صورت میں جنت کی زمیں سے کم نہیں اب بھی
وہ ابرِ نیسانی اب بھی پشاور پر برستے ہیں
یہاں ہم ہیں کہ اک اک بوند پانی کو ترستے ہیں

12

مجھے وہ یاد آتی ہے پشاور کی زمیں اب بھی
مجسم صورتِ زیبا وہ نورانی جبیں اب بھی
نشاط انگیز روشوں پر گُلاب و یاسمیں اب بھی
کسی صورت میں جنت کی زمیں سے کم نہیں اب بھی

وہ ابرِ برشگال اب بھی پشاور پر برستے ہیں
یہاں ہم ہیں کہ اک اک بوند پانی کو ترستے ہیں

***

13

ریوڑی کی زمیں پر لب سیاہ بختی نہیں آتی۔
کبھی پانی نہیں آتا کبھی بجلی نہیں آتی۔
تمہاری آنکھ سے لیکن ذرا طوفانی نہیں آتی
مگر افسوس نل سے بوند پانی کی نہیں آتی۔
یہاں صدیوں سے اب تک صورتِ انسان باقی ہے
کہ جس سے لے زندہ کسی طرح سے جان باقی ہے

13

ریواڑی کی زمیں پر کب سیاہ بختی نہیں آتی
کبھی پانی نہیں آتا، کبھی بجلی نہیں آتی
ہماری آنکھ سے کس روز طوفانی نہیں آتی
مگر افسوس نل سے بوند پانی کی نہیں آتی

یہاں صدیوں سے اب تک صورتِ انسان باقی ہے
تعجب ہے کہ زندہ کس طرح سے جان باقی ہے

***

14

گرانی سے ہماری صورتِ حالات ابتر ہے۔
حقیقت ہے کہ ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔
تغیر کی روانی کیا۔ نمونوں کا ایک لشکر ہے۔
ہمیں کہنے کی حرات یہ تمہارے رخ سے ظاہر ہے۔
بدیں صورت کشمکشِ آرزوئے زندگی خواہد۔
کہ صد ہا ذوقِ نفس از گرانیِ خود کشی خواہد

14

گرانی سے ہماری صورتِ حالات ابتر ہے
حقیقت ہے کہ ایسی زندگی سے موت بہتر ہے
قفس کی زندگانی کیا، غموں کا ایک نشتر ہے
نہیں کہنے کی جرات یہ ہماری رُخ سے ظاہر ہے
بدیں صورت بمشکلِ آرزوئے زندگی خواہند
کہ صدہا ذی نفسِ ازیں گرانی خودکشی خواہند

***

15

ندیدہ اُم تمام عمر ایں چنیں سالے کمی گزرد
بلرزیدہ است ہر مرد و زنے ایں چنیں سالے کمی گزرد
نخوانے ہم نہ دیدہ کس چنیں سالے کمی گزرد
زیاد آید کسے را ایں چنیں سالے کمی گزرد
کمی گوئم چنیں سالے ایں گرانی می نہ ایں جا
خدا داند چہ مشکل زندگانی می نہ ایں جا

15

ندیدہ ام تمام عمر ایں حالے کہ می گزرد
بلرزیدہ است ہر مردو زنی لحظِ کہ می گزرد
بخوابے ہم نہ دیدہ کس چنیں خوابے کہ می گزرد
نہ یاد آید کے از ایں چنیں سالے کہ می گزرد
نمی گویَم چساں طے ایں گرانی می کُنم ایں جا
خدا داند بمشکلِ زندگانی می کُنم ایں جا

***

20

16

ہوا کچھ روز سے حاصل یہی انعام ہر یانہ
بنارس کی صبح سے خوشنما ہے شام ہر یانہ۔
ہولیوں شادماں ہر فرد خاص و عام ہر یانہ۔
گلبورِ باغ بھی لیتے ہیں جب کہ نام ہر یانہ۔
طلوعِ صبح سے پھیلی ہوئی ہے روشنی ہر سُو
دلوں میں ہو گئی پیدا اسی سے تازگی ہر سُو۔

16

ہوا کچھ روز سے حاصل ہمیں انعام ہریانہ
بنارس کی صبح سے خوشنما ہے شام ہریانہ
نہ ہو کیوں شادماں ہر فردِ خاص و عام ہریانہ
طیورِ باغ بھی لیتے ہیں جب کہ نام ہریانہ
طلوع صبح سے پھیلی ہوئی ہے روشنی ہر سُو
دلوں میں ہوگئی پیدا اِسی سے تازگی ہر سُو

***

17

یہاں کے رہنمائے مُلکِ دولت راؤ صاحب ہیں۔
یہاں کے آفتابِ علم و حکمت راؤ صاحب ہیں۔
یہاں کے جلوہ فرمائے وزارت راؤ صاحب ہیں۔
یہاں کے مجسم خیر سخاوت راؤ صاحب ہیں۔
اگر خواہد دلِ شش جہاتِ دولت سرشار ما را۔
بشہنشاہے بگو جانِ اگر خواہد گدائے را۔

17

یہاں کے رہنمائے ملک و ملت راؤ صاحب ہیں
یہاں کے آفتابِ علم و حکمت راؤ صاحب ہیں
یہاں کے جلوہ فرمائے وزارت راؤ صاحب ہیں
یہاں کے منبع بحرِ سخاوت راؤ صاحب ہیں

اگر خواہد دلش، قاروں کند ہر روستائے را
شہنشاہے بگر داند اگر خواہد، گدائے را

ترجمہ : اگر وہ چاہیں تو ہر دیہاتی کو قارون کردیں
وہ اگر چاہیں تو ہر بھکاری کو شہنشاہ بنا دیں ۔

***

22

18

فدائے ملکِ ملت بائی جی شانِ وطن بھی ہے
وہ ممدوحِ ضعیفاں اور نگہبانِ وطن بھی ہے
یہ وہ دل ہے کہ جس میں جوششِ ارمانِ وطن بھی ہے
اُسی کا مدح خواں نیرنگ سخندانِ وطن بھی ہے
گزاری عمر جس نے خدمتِ اردو زباں کرتے
گزر جائیگی باقی بھی یونہی آہ و فغاں کرتے

18

فدائے ملک و ملت بائی جی شانِ وطن بھی ہے
وہ ہمدردِ ضعیفاں اور نگہبانِ وطن ہے
یہ وہ دل ہے کہ جس میں جوش و ارمان وطن بھی ہے
اُسی کا مدح خواں نیرنگ سخندانِ وطن بھی ہے
گزاری عُمر جس نے خدمتِ اُردو زباں کرتے
گزر جائے گی باقی بھی یونہی آہ فغاں کرتے

***

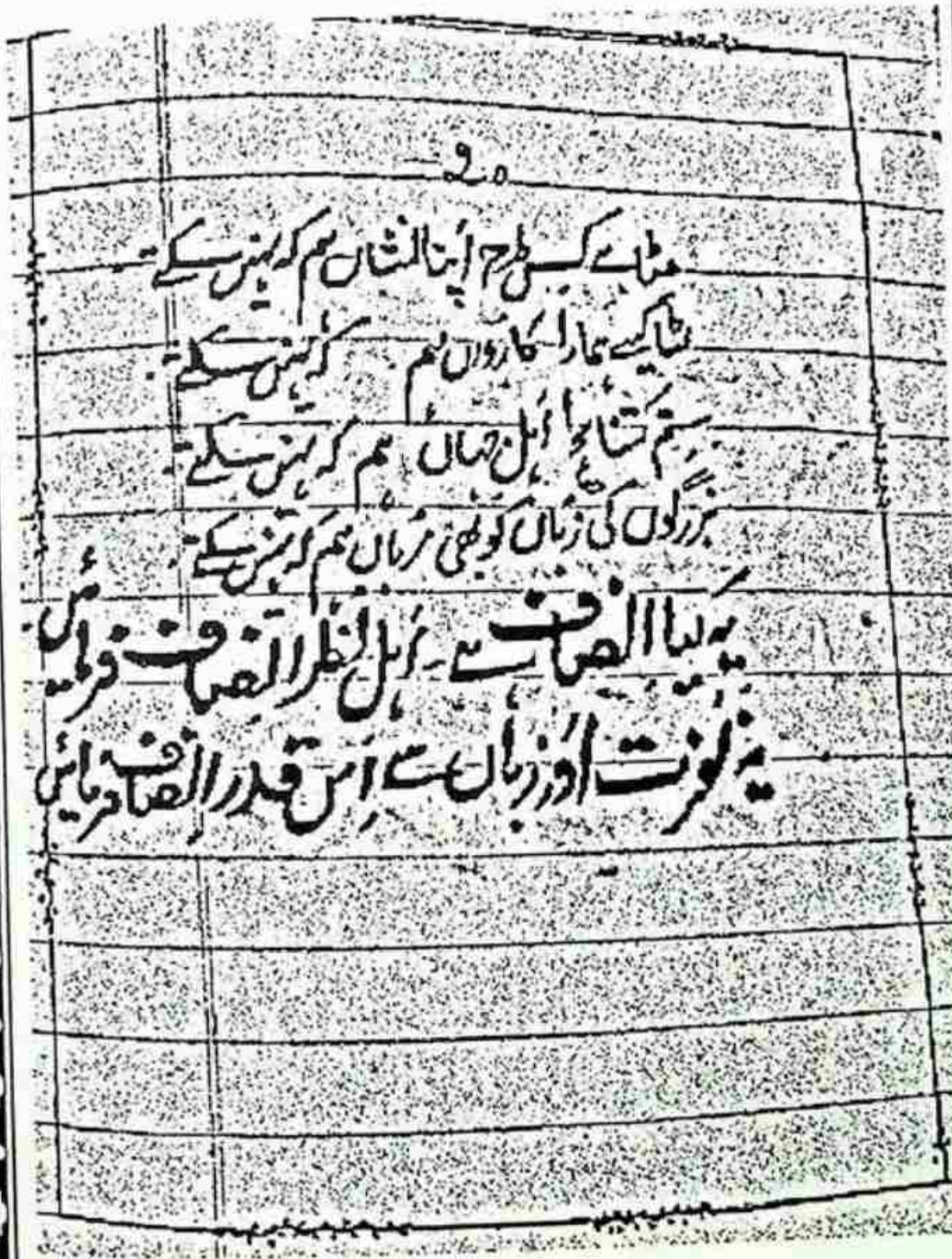
19

تلاطم اس زمیں پہ حضرتِ آدم سے تا زمانہ تھے
وہ اہلِ سیف تھے رزمِ آزما تھے رزم خانہ تھے
وہ مردِ جنگ آجل تھے جلو جانباز عالم تھے
وہ فخرِ خاندان سرمایۂ صد ناز عالم تھے
کیے ثابت نثار ان کے علی انگریز کے آگے
ہیں جھکنے والے اہلِ وطن انگریز کے آگے

19

تلا رام اِس زمیں کے صاحبِ اعجازِ عالم تھے
وہ اہلِ سیف تھے، جنگ آزما تھے، رازِ عالم تھے
وہ ہر ہنگِ اجل تھے، جنگجو، جانبازِ عالم تھے
وہ فخرِ خانداں، سرمایۂ صدِ نازِ عالم تھے
کیے ثابت بزرگوں کے چلن انگریز کے آگے
نہیں جھکنے دئے اہلِ وطن انگریز کے آگے

***



منظوم

مٹائے کس طرح اپنا نشاں ہم کہہ نہیں سکتے
مٹایا ہے ہمارا کارواں ہم کہہ نہیں سکتے
ستم کتنا ہوا اہلِ جہاں ہم کہہ نہیں سکتے
بزرگوں کی زباں کو بھی مرباں ہم کہہ نہیں سکتے
یہ لیا انصاف نے۔ اہلِ نظر انصاف فرمائیں
یہ نوعت اور زباں سے اس قدر انصاف فرمائیں

20

مٹا ہے کس طرح اپنا نشاں ہم کہہ نہیں سکتے
لٹا کیسے ہمارا کارواں ہم کہہ نہیں سکتے
ستم کتنا ہوا اہلِ جہاں ہم کہہ نہیں سکتے
بزرگوں کی زباں کو بھی زباں ہم کہہ نہیں سکتے
یہ کیا انصاف ہے، اہلِ نظر انصاف فرمائیں
یہ نفرت اور زباں سے اِس قدرِ انصاف فرماہیں

***

21

دماغ اہل مدرسہ بعض وکیں سے اب جہاں میں ہوں
طریق گفتگو بھی آتشیں سے اب جہاں میں ہوں
وہاں بھی امتیاز کفر و دیں ہے اب جہاں میں ہوں
وہاں بھی فرقہ داری کم نہیں ہے اب جہاں میں ہوں
بدل الستند مار اکافر مے آن اہل السانے
بدانند کافر این سرزمیں مارا مسلمانے

21

دماغ اہل زر میں بغض و کیں ہے اب جہاں میں ہوں
طریقِ گفتگو بھی آتشیں ہے اب جہاں میں ہوں
وہاں بھی امتیاز کفر و دیں ہے اب جہاں میں ہوں
وہاں بھی فرقہ داری کم نہیں ہے اب جہاں میں ہوں

بدانستند مارا کافرے آں اہلِ ایمانے
بداند کافرِ ایں سر زمیں مارا مسلمانے

***

26

22

جہاں بکھرے ہوئے پھولوں کو بھی چنتا نہیں کوئی
جہاں ٹوٹے ہوئے تاروں کو بھی گنتا نہیں کوئی
جہاں اشعار کو سن کر بھی سر دھنتا نہیں کوئی
جہاں پر شاعروں کی بات تک سنتا نہیں کوئی

زمیں وہ کیا۔ فرشتے بھی اگر آباد ہوں اس میں
وہ دوزخ ہے جسے پروردگار خود شاد ہو اس میں

22

جہاں بکھرے ہوئے پھولوں کو بھی چُنتا نہیں کوئی
جہاں ٹوٹے ہوئے تاروں کو بھی بُنتا نہیں کوئی
جہاں اشعار کو سن کر بھی سر دُھنتا نہیں کوئی
جہاں پر شاعروں کی بات تک سُنتا نہیں کوئی
زمیں وہ کیا، فرشتے بھی اگر آباد ہوں اُس میں
وہ دُوزخ ہے سخن پرور اگر ناشاد ہوں اُس میں

***

23

بجا ہے۔ میں کہ محوِ رنج و غم ہوں اِس زمانے میں
کہ محتاجِ درِ اہلِ کرم ہوں اِس زمانے میں
میں شاید اِس لیئے تحفوں سے کم ہوں اِس زمانے میں
کہ بدبختی سے اک اہلِ قلم ہوں اِس زمانے میں
نحوست کے لیئے رہتے دوا آرام سے مجھ کو
سدا آشفتہ رہنا ہے گردشِ ایام سے مجھ کو

23

بجا ہے، مَیں کہ محوِ درنج و غم ہوں اِس زمانے میں
کہ محتاج درِ اہلِ کرم ہوں اِس زمانے میں
مَیں شاید اِس لیے غیروں سے کم ہوں اِس زمانے میں
کہ بدبختی سے اک اہلِ قلم ہوں اِس زمانے میں

نحوست نے کہاں رہنے دیا آرام سے مجھ کو
سدا شکوہ رہا ہے گردشِ ایام سے مجھ کو

***

۲۷

کوئی محفل میں ایسی ہاں اظہار غم کر لوں
جہاں دل در آنکھوں کی کہانی کو رقم کر لوں
دل و جاں کو ادا سے جانے والی ہم قدم کر لوں
ہر اک مذاہمت کو اگر خاموش کم کر لوں
حسینانِ محل پر ورد القتہ مات دل سے
وہ دل جو زینت محفل تھا گھر آتا ہے محفل سے

24

کوئی محفل نہیں ایسی جہاں اظہارِ غم کرلوں
جہاں دلدوز آہوں کی کہانی کو رقم کرلوں
دل و جاں کو ادب سے جاکے اوقافِ صنم کرلوں
جہاں اشک ندامت کو اگر چاہوں تو کم کرلوں
حسیتانِ جہاں پرور کا نقشہ مٹ گیا دل سے
وہ دل جو زینتِ محفل تھا گھبراتا ہے محفل سے

***

ق ع

میرے اہلِ وطن خود دار ہیں اب بھی جہاں بھی ہیں
مے الفت سے وہ سرشار ہیں اب بھی جہاں بھی ہیں
فقیرِ رزم و غازی کردار ہیں اب بھی جہاں بھی ہیں
بلندی سے برسرِ پیکار ہیں اب بھی جہاں بھی ہیں
وہ ہمارے وطن میں ہیں جذبۂ ایماں رکھتے ہیں
فقیری میں بھی قائم بادشاہی شان رکھتے ہیں

25

مرے اہلِ وطن خود دار ہیں اب بھی جہاں بھی ہیں
مئے اُلفت سے وہ سرشار ہیں اب بھی جہاں بھی ہیں
غیور و غازیِ کردار ہیں اب بھی جہاں بھی ہیں
بدی سے برسرِ پیکار ہیں اب بھی جہاں بھی ہیں
وہ ہمدردِ وطن ہیں جذبۂ ایمان رکھتے ہیں
فقیری میں بھی قائم بادشاہی شان رکھتے ہیں

***

26

اُنہیں ہر مرد سے فاتون سے کتنی محبت ہے
اُنہیں ہر بات کے معنوں سے کتنی محبت ہے
اُنہیں ہر آدمی کے خون سے کتنی محبت ہے
اُنہیں سرحد کے بختوں سے کتنی محبت ہے
اُنہیں اہلِ نظر دولت والے خان کہتے ہیں
اِسی نسبت سے وہ اِک حرفِ تسخر کو خان کہتے ہیں

26

اُنھیں ہر مرد سے خاتون سے کتنی محبّت ہے
اُنھیں ہر بات کے مضمون سے کتنی محبّت ہے
اُنھیں ہر آدمی کے خون سے کتنی محبّت ہے
اُنھیں سرحد کے بھی پختون سے کتنی محبّت ہے
اُنھیں اہلِ نظر دو قالب و یک جان کہتے ہیں
اِسی نسبت سے وہ اِک دوسرے کو خان کہتے ہیں

***

31

27

نہ کایت می کنند اجباب من کہ مشغولم گوئم
سخن گفتن لذیذم نیست آں جا مختصر گوئم
منم مجبور گشتہ از زبان واز دلے گوئم
ہمی دانم نمی آید سخن گفتن دلے گوئم

ثنا از کسے دارد سخن ہرگز نمی خواہم
مرا ذوقیست ایں کہ خدمت بجا آرم

27

شکایت می کُنند احبابِ من کہ مُشکلے گوئم
سخن گفتن کہ لازم نیست آں در محفلے گوئم
منم مجبور گشتہ از زبان و ازدِلے گوئم
ہمی دانم نشاید آں سخن گفتن وَلے گوئم
تمنا از کسے دادِ سخن ہر گز نمی دارم
مرا ذوقیست ایں کہ خدمتِ ملی بجا آرم

ترجمہ : میرے دوستوں کو شکایت ہے کہ میں مشکل شاعری کرتا ہوں
وہ باتیں لکھتا ہوں کہ جو محفل کے لیے ضروری نہیں
میں زبان سے مجبور ہوکر دل سے کہتا ہوں
میں یہی جانتا ہوں کہ شاید یہ نہ کہوں مگر کہتا ہوں
میں کسی سے شاعری کی داد نہیں چاہتا
یہ میرا ذوق ہے کہ اپنی قوم کی خدمت کروں

***

28

نمی دانم کہ اس جلسہ محو فغاں ہوں میں
گذشتہ دور کی اک مختصر سی داستاں ہوں میں
بہار فصل ہا آئی نہ بود و گلستاں ہوں میں
بس اتنا جانتا ہوں شاعرِ اہلِ زباں ہوں میں
زباں بہر زباں آموختہ ام قدرِ آں دانم
اگرچہ نیست قدرِ من میانِ دوستاں دانم

28

کسے معلوم کب سے اِس جگہ محوِ فغاں ہوں میں
گزشتہ دور کی اِک مختصر سی داستاں ہوں میں
جہاں فصل بہار آئی نہ وہ گُلستاں ہوں میں
بس اتنا جانتا ہوں شاعرِ اہلِ زباں ہوں میں

زبانِ بہر زباں آموختہ اَم قدرِ آں دانم
اگرچہ نیست قدر من میانِ دوستاں دانم

ترجمہ : میں نے زبان، ادبی زبان کی طرح سیکھی ہے اس کی قدر جانتا ہوں
اگرچہ کہ میں جانتا ہوں میرے دوستوں میں مری قدر نہیں ہے

***

29

مری قسمت میں یونہی اے خدا تو نے ہجر لکھا تھا
جگر نہ رکھتے تھے جو قابلِ نہ تھے تو نے وہاں لکھ دی۔
ترے گل میں بہارِ لستاں ہیں تو ہیں ہمارے نالوں کی
کہ دیئے ذوقِ گل بوسی میں کانٹوں نے زباں رکھ دی۔
الٰہی! تیری رحمت خانۂ اکسیر ہو برسے۔
انوار و دل کا داغ انوار کو ترسے۔

29

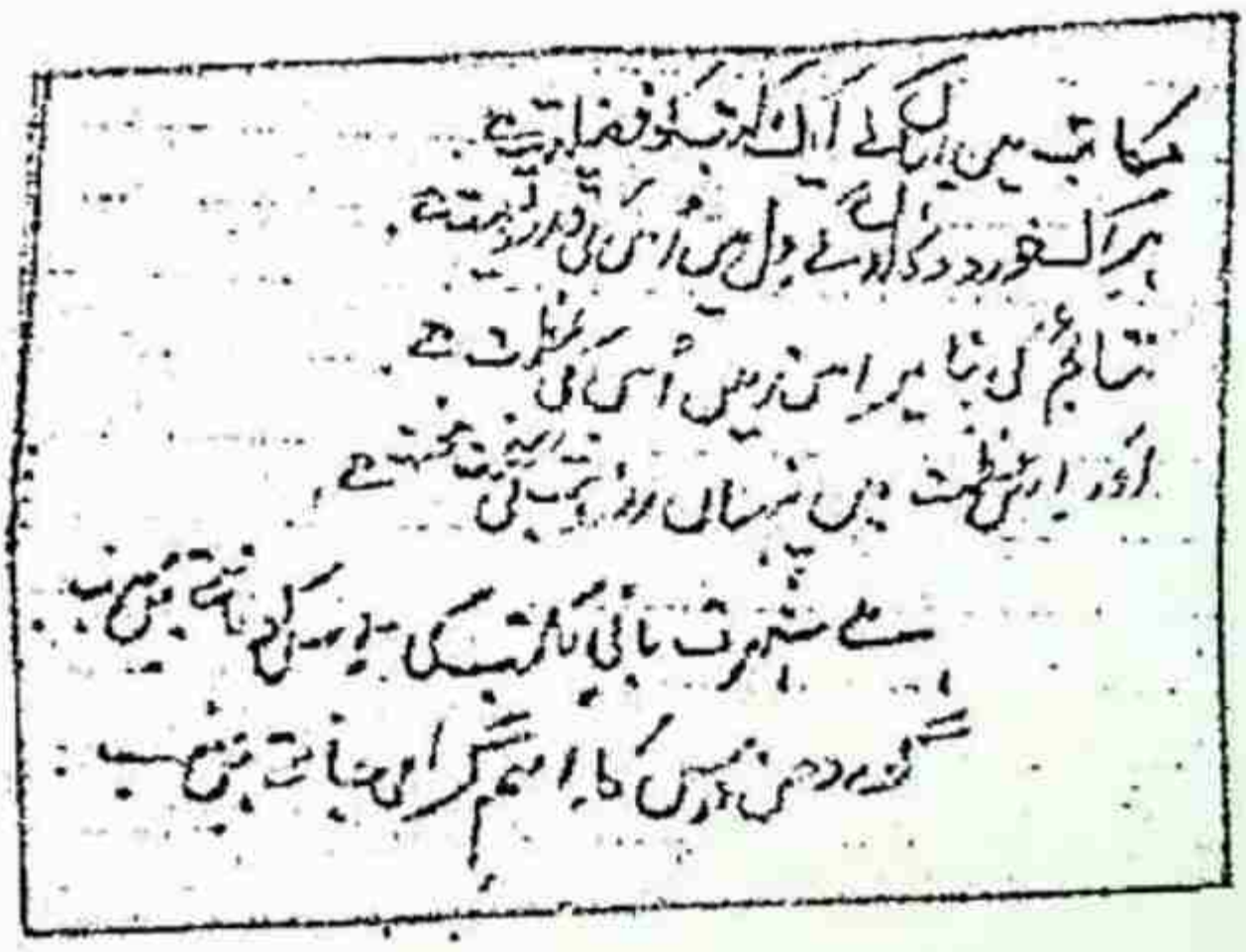
مِری قسمت کی پونجی اے خدا تو نے کہاں رکھ دی
جگہ رکھنے کے جو قابل نہ تھی تو نے وہاں رکھ دی
فریبِ گُل میں ریگستاں میں جانِ ناتواں رکھ دی
"کہ میں نے شوقِ گُل بُوسی میں کانٹوں پر زبان رکھ دی"[1]

الٰہی! تیری رحمت خانۂ اغیار پر برسے
انگوروں کے وطن کا دانۂ انگور کو ترسے

***

[1] سیمابؔ اکبرآبادی

30



30

مکاتب میں یہاں کے ایک مکتب کو فضیلت ہے
ہر اک خورد و کلاں کے دِل میں اُس کی قدر و قیمت ہے
نتائج کی بنا پر اس زمیں پر اُس کی عظمت ہے
اور اِس عظمت میں پنہاں روز و شب کی سخت محنت ہے
ہے شہرت بانیِ مکتب کی، اِس کو مانتے ہیں سب
گوردھن داس کا اِسم گرامی جانتے ہیں سب

***

31

وہ اخلاق تعلیم میں خواتین نرم رکھتے ہیں۔
لب و لہجہ میں یہ دلم لٹکوئے نرم رکھتے ہیں۔
کہ یہی راہِ منزل سخت تر خوشہ نرم رکھتے ہیں۔
ادب ہر در۔ آدابِ فن میں ذوق نرم رکھتے ہیں۔
مراحل زندگی کے بہتر طے کر جاتے ہیں وہ۔
لصدق بی خانی کی ترش لا کر جاتے ہیں۔

31

وہ اخلاقِ مجسّم ہیں خُدا سے شرم رکھتے ہیں
لبِ شیریں پہ دائم گفتگوئے نرم رکھتے ہیں
ہو کیسی راہِ منزل سخت، پختہ عزم رکھتے ہیں
ادب پرور، نقادِ فن ہیں ذوقِ بزم رکھتے ہیں
مراحل زندگی کے بیشتر طے کرچکے ہیں وہ
تصدّق ہستیِ فانی کی ہر شے کرچکے ہیں

***

32

بہت ہم کو ہے مسندِ سیاست میں کی نام آور کہ
میاں دوستاں آعلےٰ و ارفع ہے مقام اُن کا۔
نوٹ کہ بہت میں ہی اعلےٰ ہے انتظام اُن کا
لہٰذا ہے دماغ اہلِ شہر میں بھی خاص طعام اُن کا۔
رہا ہے راقم ناچیز بڑا کرم فرما
لکھا ہے سرمد ایبٹ آباد سے نعم فرما

32

بہت چمکا ہے میدانِ سیاست میں بھی نام اُس کا
میانِ دوستاں اعلیٰ و اَرفع ہے مقام اُن کا
فقط مکتب میں ہی اعلیٰ نہیں ہے اِنتظام اُن کا
کہ ہے اوصاف اہلِ شہر میں بھی خاص و عام اُن کا
رہا ہے راقم ناچیز پر اُن کا کرم برسوں
رہے گا سر مرا بارِ کشِ منت سے خم برسوں

***

33

کسے معلوم نیست اس جگہ معروف ہوں میں۔
گزشتہ دہ اُنی اک مختصری داستاں ہوں میں۔
جہاں فصل بہار آئی نہ ہو گلستاں ہوں میں۔
کس اشنا جا نما ہوں سا سر گل زباں ہوں میں۔
زباں ہم ز زباں شنہ آموختہ ام قدر آں دانم
اگرچہ نسبت قدر من ساں دستاں دانم

33

کسے معلوم کب سے اِس جگہ محوِ فغاں ہوں میں
گزشتہ دُور کی اک مختصر سی داستاں ہوں میں
جہاں فصلِ بہار آئی نہ ہو وہ گلستاں ہوں میں
بس اتنا جانتا ہوں شاعرِ اہلِ زباں ہوں میں

زبان ہر زباں نہ آموختہ ام قدرِ آں دانم
اگرچہ نیست قدرِ من میانِ دوستاں دانم

***

34

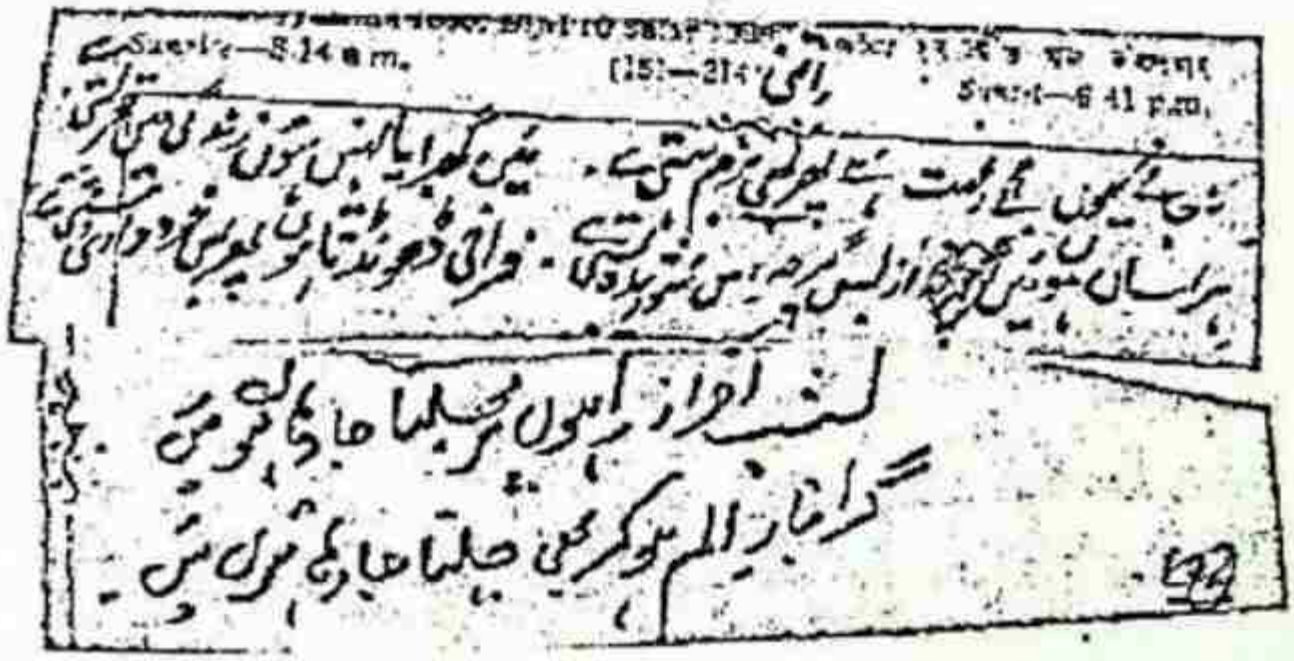
مُجھے حال نہیں کچھ بھی ہو اس موسم دنیا میں۔
گیزر اور حمامات تو ہوتے ہیں منعوم دنیا میں
خود اپنی جان سے بیزار ہی معصوم دنیا میں
یہ آرام گاہیں نہیں معلوم دنیا میں
کہا جاتا ہے یوں ماں کا کرم دامانِ مریم ہے دنیا
مرے نزدیک ہند مجبور کو گہوارہ غم ہے دنیا

34

مجھے حاصل نہیں کچھ بھی ہوا موہوم دُنیا میں
گُزر اوقات کرتا ہوں یونہی مغموم دُنیا میں
خود اپنی جان سے بیزار ہوں معصوم دُنیا میں
کسے آرام کہتے ہیں نہیں معلوم دُنیا میں
کہا جاتا ہے یوں بارِ غم و آلام ہے دُنیا
مِرے نزدیک چند مجبوریوں کا نام ہے دُنیا

***

35



35

نہ جاتے کیوں مجھے رغبت ہے اتنی بزمِ ہستی سے
میں گھبرایا نہیں ہوں زندگی میں قعر پستی سے
ہراساں ہوں میں از بس گرچہ اس شوریدہ بستی سے
فراخی ڈھونڈتا ہوں پھر بھی خود داری و مستی سے
نشیب افروز راہوں پر مچلتا جارہا ہوں میں
گرا نبار الم ہوکر بھی چلتا جارہا ہوں میں

***

36

غمِ ہجراں کے اثر نے کو دگرگوں نہ کیا حال؟ — لبِ خنداں کو دلِ زار نے گریاں نہ کیا حال؟
معتدل ہی رہی تو گھبرانے سے کیا حاصل۔ — نہ ہو صبر میں خوشی تو پریشان نہ کیا حال۔

گزارے جا اسی حال میں یوں زندگی نیرنگ،
گذر جائیگی آخر غمِ کی بھی آخر غمی نیرنگ۔

نیرنگ سرحدی۔

36

غم ہجراں کے افسانے کو دہرانے سے کیا حاصل؟
لبوں کو شکوۂ دوراں سے گردانے سے کیا حاصل؟
مقدر ہی مکدّر ہو تو گھبرانے سے کیا حاصل
نہ ہو قسمت میں مئے نوشی تو میخانے سے کیا حاصل
گُزارے جا اسی ماحول میں یوں زندگی نیرنگؔ
گُزر جائے گی اہلِ غم کی بھی آخر غمی نیرنگؔ

***

جدول: منظوم کلام

عنوان	تعداد	زبان	ہیئت	تعداد شعر	ملاحظات
مناجات	1	اُردو	مسدس	34	
مثنوی (ساوتری)	1	اُردو	مثنوی	98	
غزلیں	155	اُردو	غزل	1360	
نظمیں	74	اُردو	غزل نما	961	
		اُردو	مسدس		
		اُردو	مخمس		
		اُردو	ترکیب و ترجیع بند		
قطعات	178	اُردو	قطعہ	356	
رباعیات	27	اُردو	رباعی	54	
تراجم	10	اُردو	متفرق ہیئت میں	137	
سہرے	13	اُردو	غزل نما	109	
فارسی غزل	5	فارسی	غزل	40	
فارسی قطعات	4	فارسی	قطعہ	6	
فردیات	2	اُردو		2	

تعداد کل منظومات = 468

تعداد کل منظومات اُردو = 460

تعداد کل منظومات فارسی = 8

تعداد کل اشعار اُردو = 3211

تعداد کل اشعار فارسی = 46

کلیات = 3257

افسانے = مکان، ڈاک خانہ، کانٹا

ڈرامہ = دیوان ساون مل کا دربار

تصانیف

ایک تھا شاعر (ہندی)	1986ء
تعمیرِ یاس (اُردو)	1997ء
زندگی کے بعد (ہندی)	2018ء
تعمیرِ بقا (اُردو)، (ہندی)	2022ء

एक शायर

नैरंग सरहदी



संपादन-नरेशनारंग सलीम

संपादक-शानी

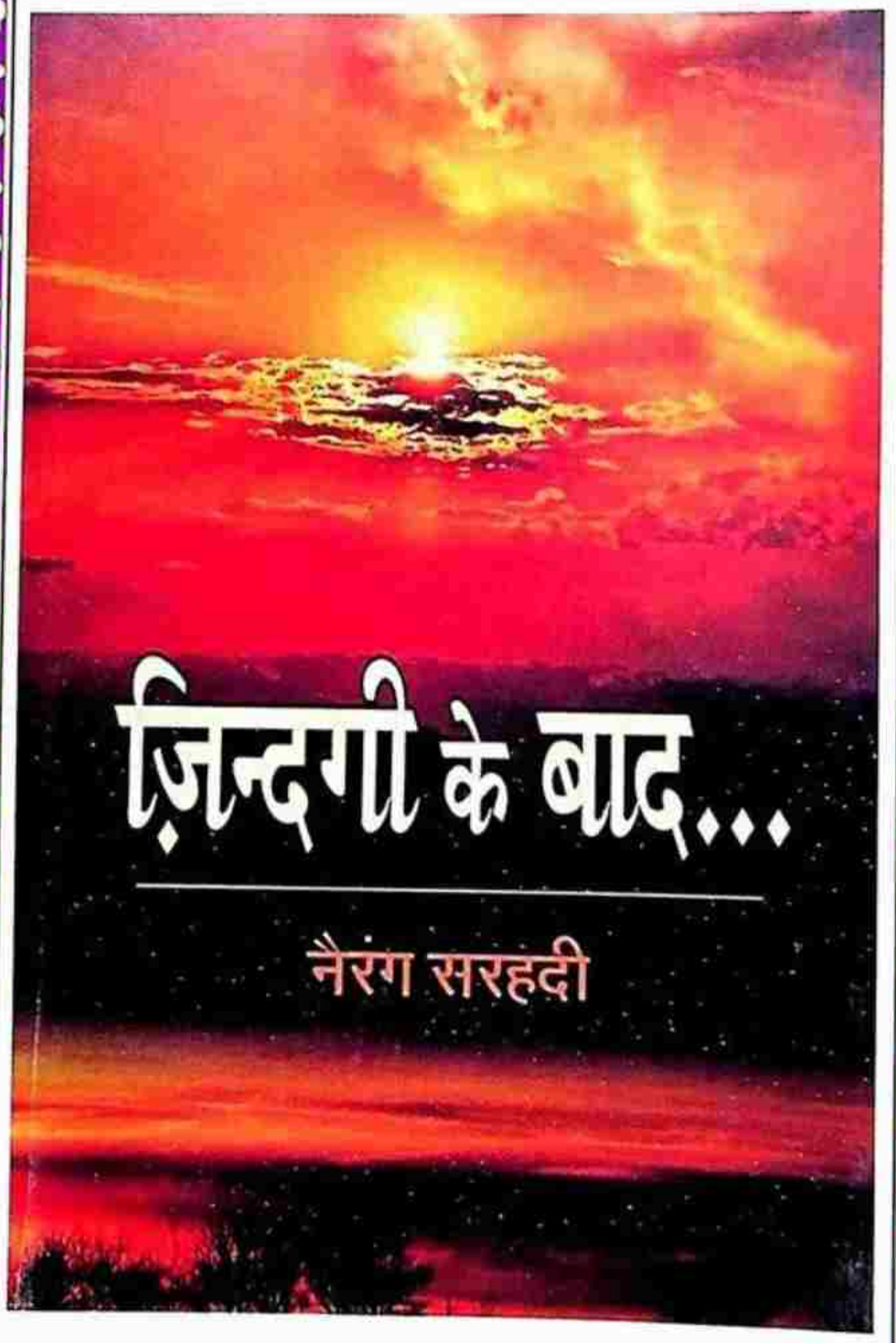
تعمیرِ یاس

(مجموعۂ کلام)

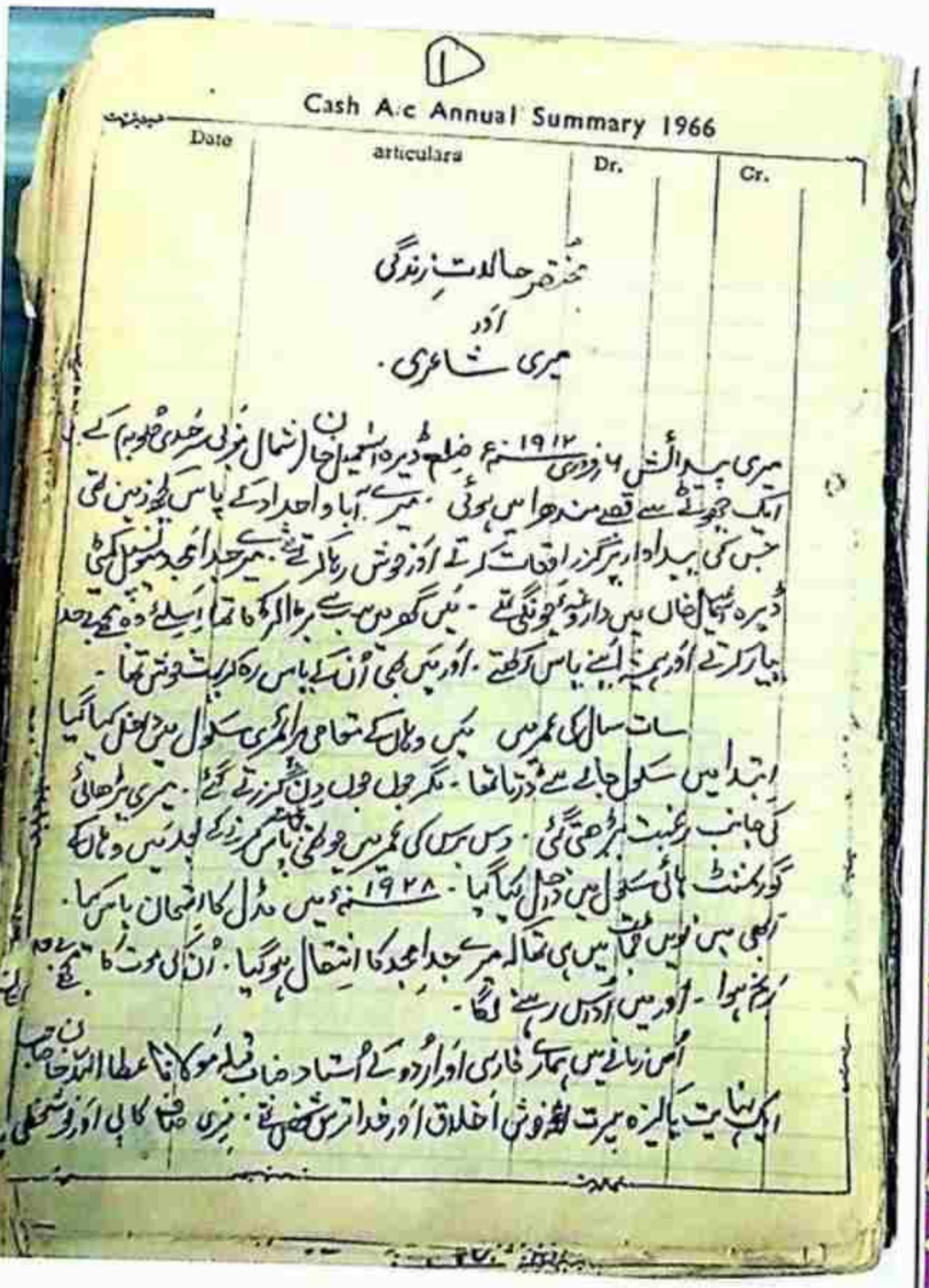
نیرنگ سرحدی

مُرتّب

پروفیسر جگن ناتھ آزاد


ज़िन्दगी के बाद...
नैरंग सरहदी


1



(۱)

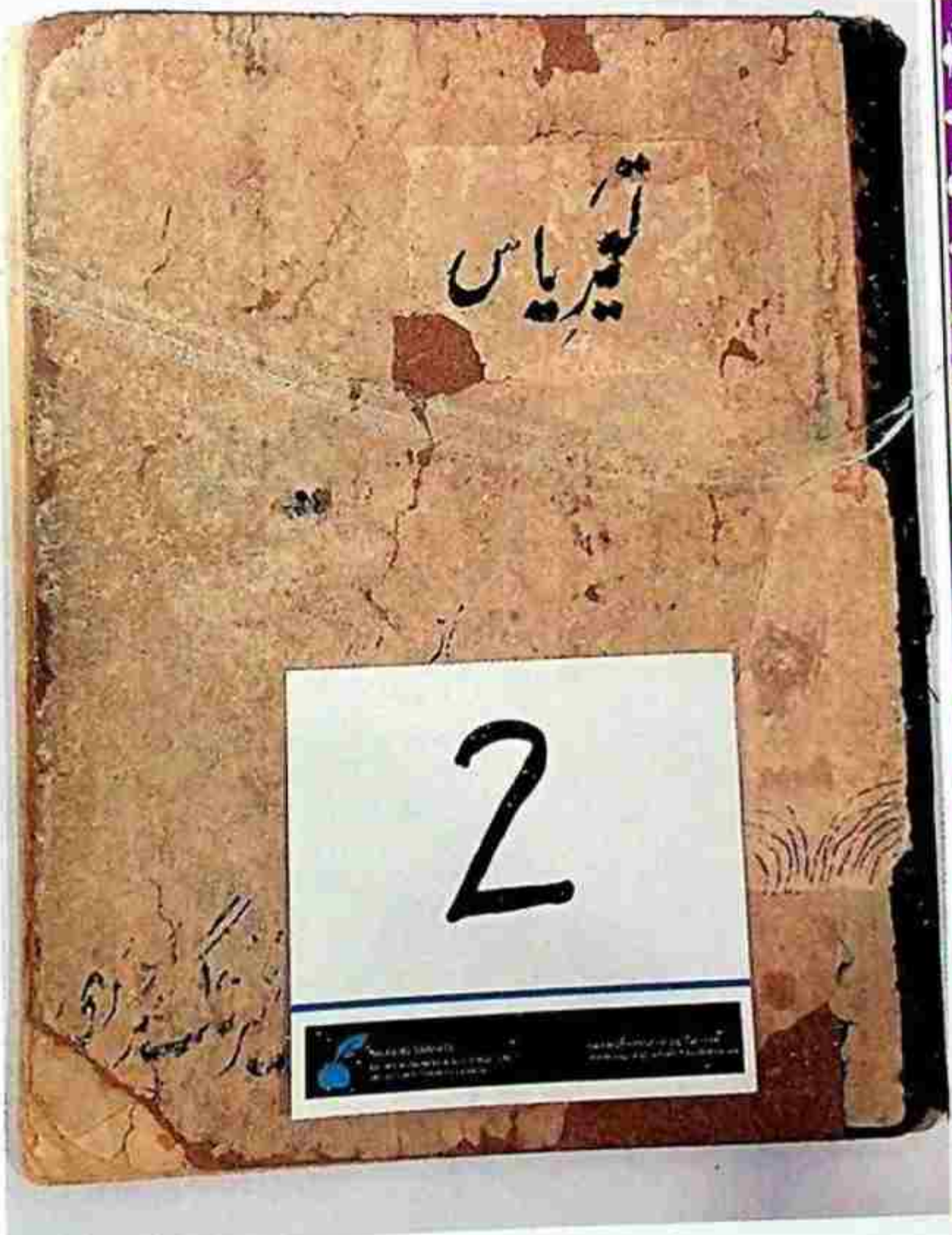
Cash A/c Annual Summary 1966

Date	Particulars	Dr.	Cr.

مختصر حالاتِ زندگی
اور
میری شاعری۔

میری پیدائش ۶ فروری ۱۹۱۲ء ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان (شمال مغربی سرحدی صوبہ) کے ایک چھوٹے سے قصبے مندھواس میں ہوئی۔ میرے آبا و اجداد کے پاس کچھ زمین تھی جس کی پیداوار پر گزر اوقات کرتے اور خوش رہا کرتے تھے۔ میرے جدِ امجد میونسپل کمیٹی ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں داروغہ ہوا کرتے تھے۔ میں گھر میں سب سے بڑا لڑکا تھا اسلئے وہ مجھ سے بہت پیار کرتے اور ہمیشہ اپنے پاس رکھتے۔ اور میں بھی اُن کے پاس رہ کر بہت خوش تھا۔
سات سال کی عمر میں میں وہاں کے متعامی پرائمری سکول میں داخل کیا گیا ابتدا میں سکول جانے سے ڈرتا تھا۔ مگر جوں جوں دن گزرتے گئے۔ میری پڑھائی کی جانب رغبت بڑھتی گئی۔ دس برس کی عمر میں جو ملتی پانچ مرتبہ کے بعد میں وہاں کے گورنمنٹ ہائی سکول میں داخل کیا گیا۔ ۱۹۲۸ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ ابھی میں نویں جماعت میں ہی تھا کہ میرے جدِ امجد کا انتقال ہو گیا۔ اُن کی موت کا مجھے بہت رنج ہوا۔ اور میں اداس رہنے لگا۔
اُس زمانے میں ہمارے فارسی اور اردو کے اُستاد جناب مولانا عطاء اللہ خان صاحب ایک نہایت پاکیزہ سیرت خوش اخلاق اور خدا ترس شخص تھے۔ میری صاف گوئی اور خوش

بیاض نمبر 1

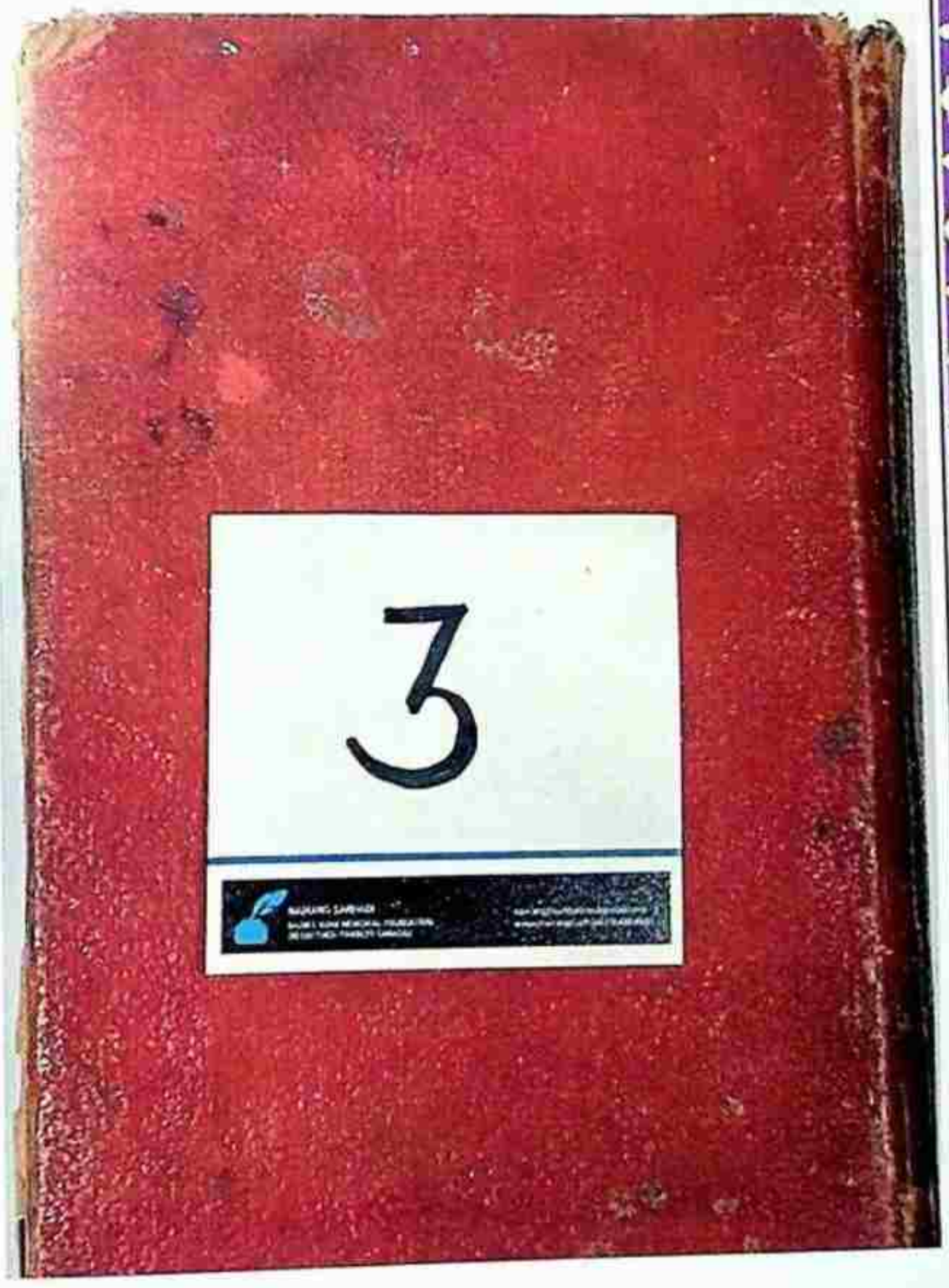

تعمیرِ یاس
2

عرضِ حال

میری شاعری - میں مقتدر ادیب کا کہنا ہے کہ جس کلام سے صاحبِ کلام کی زندگی پر روشنی نہیں پڑتی اُسے کلامِ مفید کہنا درست نہیں بلکہ اُس کی شاعری ایک بانجھ ہو کام رقم بن کر رہ جاتی ہے۔ اور اُس سے شاعر کے دلی جذبات کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

میری شاعری میری زندگی کا آئینہ ہے۔ جو کچھ کہتا ہوں زندگی کے واقعات کی جھلک اُس سے صاف نمایاں ہوتی ہے میں زبان کو ہاتھ سے کبھی نہیں جانے دیتا۔ قدما اور متاخرین کے بلند پایہ کلام کا مطالعہ ہوں۔ دلی۔ میرٹھ۔ پٹیالہ۔ جالندھر۔ حصار۔ انبالہ۔ ہوشیارپور۔ چنڈی گڑھ۔ بہندر گڑھ۔ گوڑگاؤں۔ بیکانیر۔ امرتسر وغیرہ اضلاع کے مشاعروں میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ جہاں بھی جاتا ہوں

بیاض نمبر 2


3

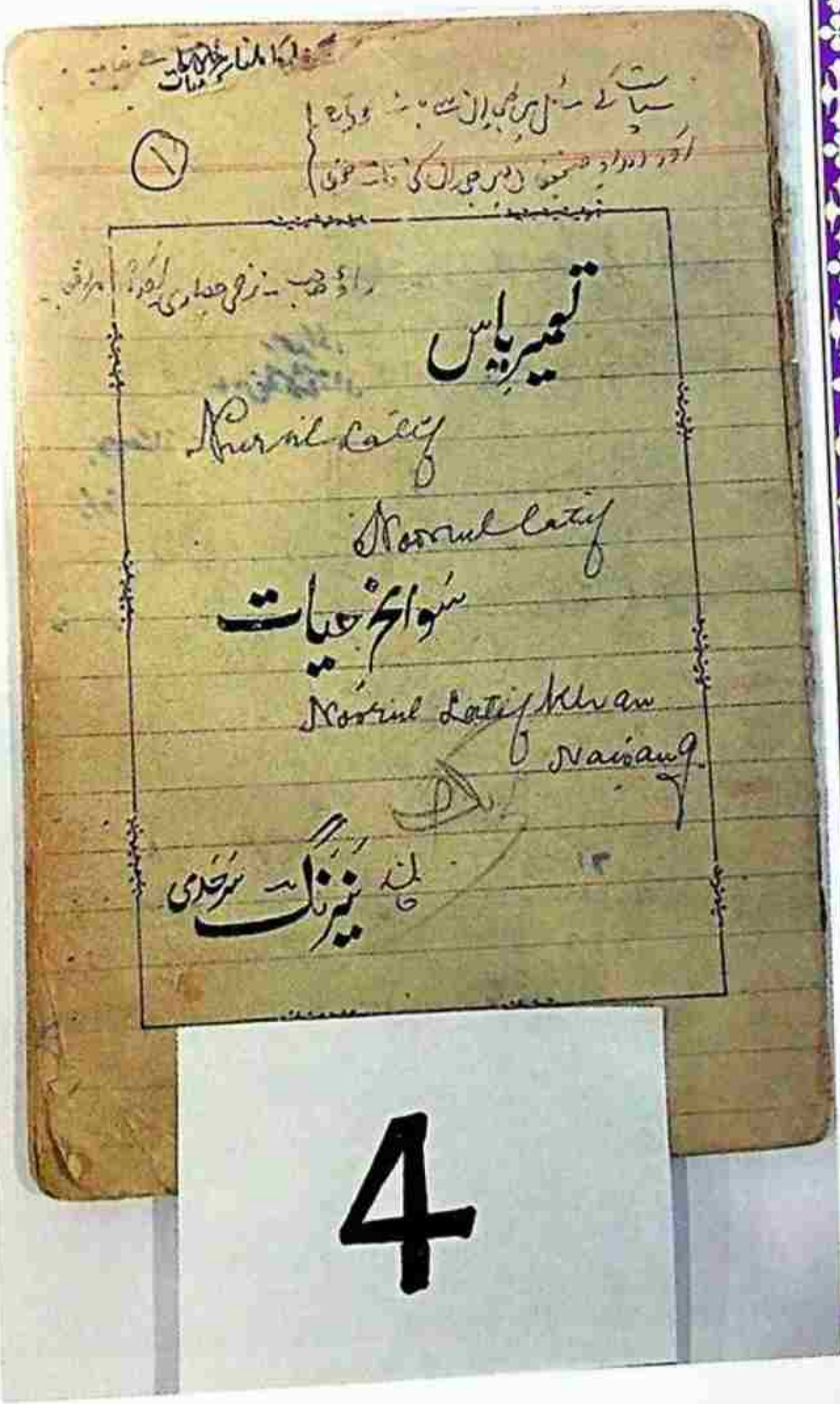
DECEMBER 1953 — SATURDAY 26

11 Poh Bik 2010 पौष कृ. ६—२०१० 19 Rabia-Ul-II 1373

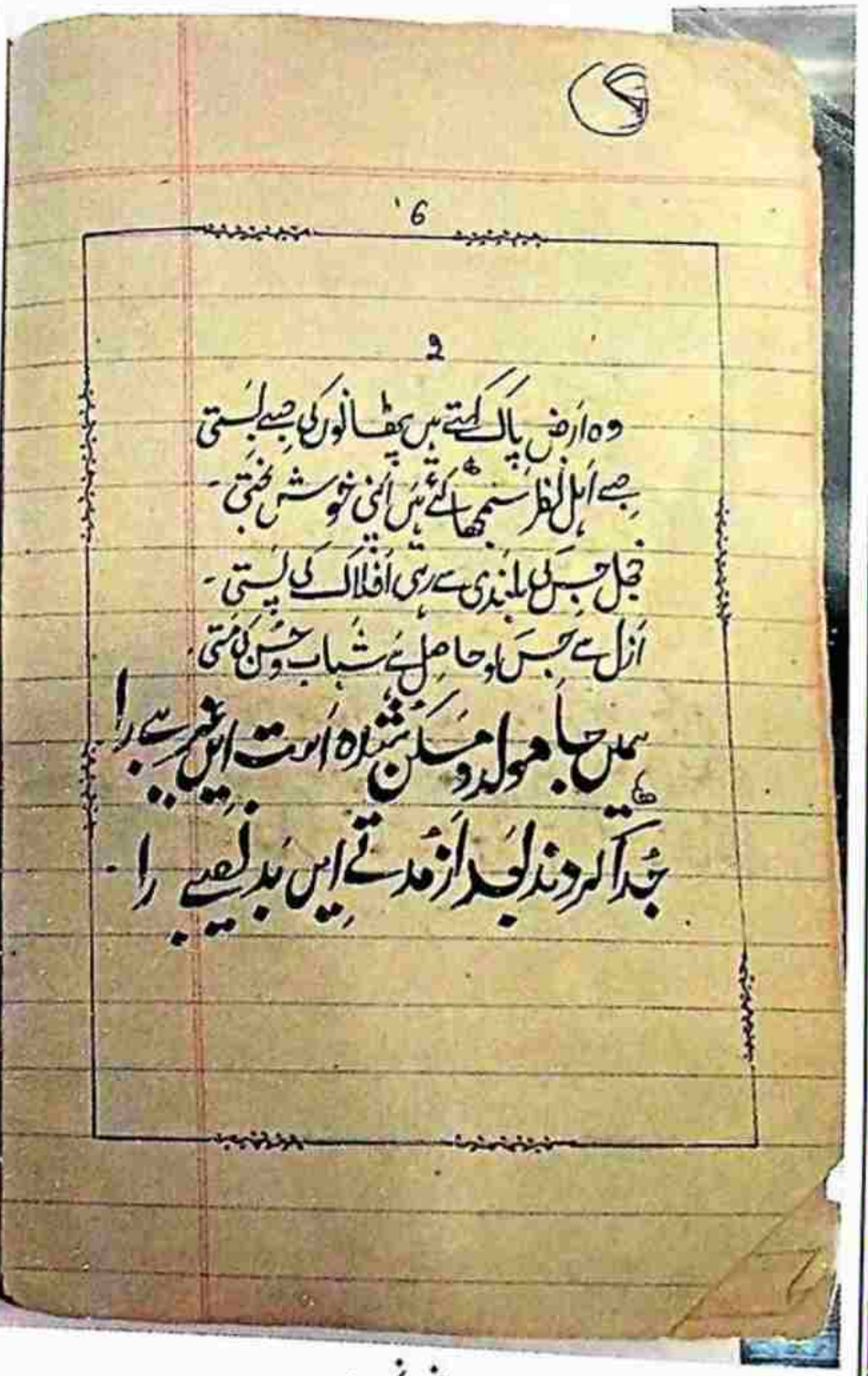
آج کل

بھارت کی سرزمیں پہ خزاں ہوں آج کل
یارانِ مہربان کا مہماں ہوں آج کل
یہ بھی مجھ سے سوختہ ساماں ہوں آج کل
یہ بھی مگر سعادتِ شائق زوراں ہوں آج کل
کیسے چمک رہے ہیں مرے داغہائے دل
کوئی نہ کہے کہ چیز نمایاں ہوں آج کل
درسِ علومِ مشرقی سے مشغلہ مرا
مکتب میں اک رعایتی لے ملاں ہوں آج کل
کچھ دوریِ وطن سے رہا ہوں میں خوش بھی
کچھ غربتِ وطن سے پریشاں ہوں آج کل
اپنا وطن بھی تھا گلستانِ رنگ و بو
پر آشنائے ریگِ بیاباں ہوں آج کل
مرغِ چمنِ خطۂ سرحد تھا میں کبھی
اُس سرزمیں کی یاد میں نالاں ہوں آج کل
ترکِ وطن کا زخم ابھی تک نہ مٹ سکا
کہتا ہے کون مجھکو کہ شاداں ہوں آج کل
پہلے وطن گیا تھا گئی اب زبان بھی
صد حیف زندگی پہ کہ نازاں ہوں آج کل
آب و ہوائے ہند موافق نہ آ سکی
اس پر بھی میں نثر منادۂ اہلِ سبا ہوں آج کل

بیاض نمبر 3


تعمیرِ یاس
Nurul Laiq
Nurul Laiq
سوانح حیات
Nurul Laiq Khan
Nawab
نیرنگ سرحدی

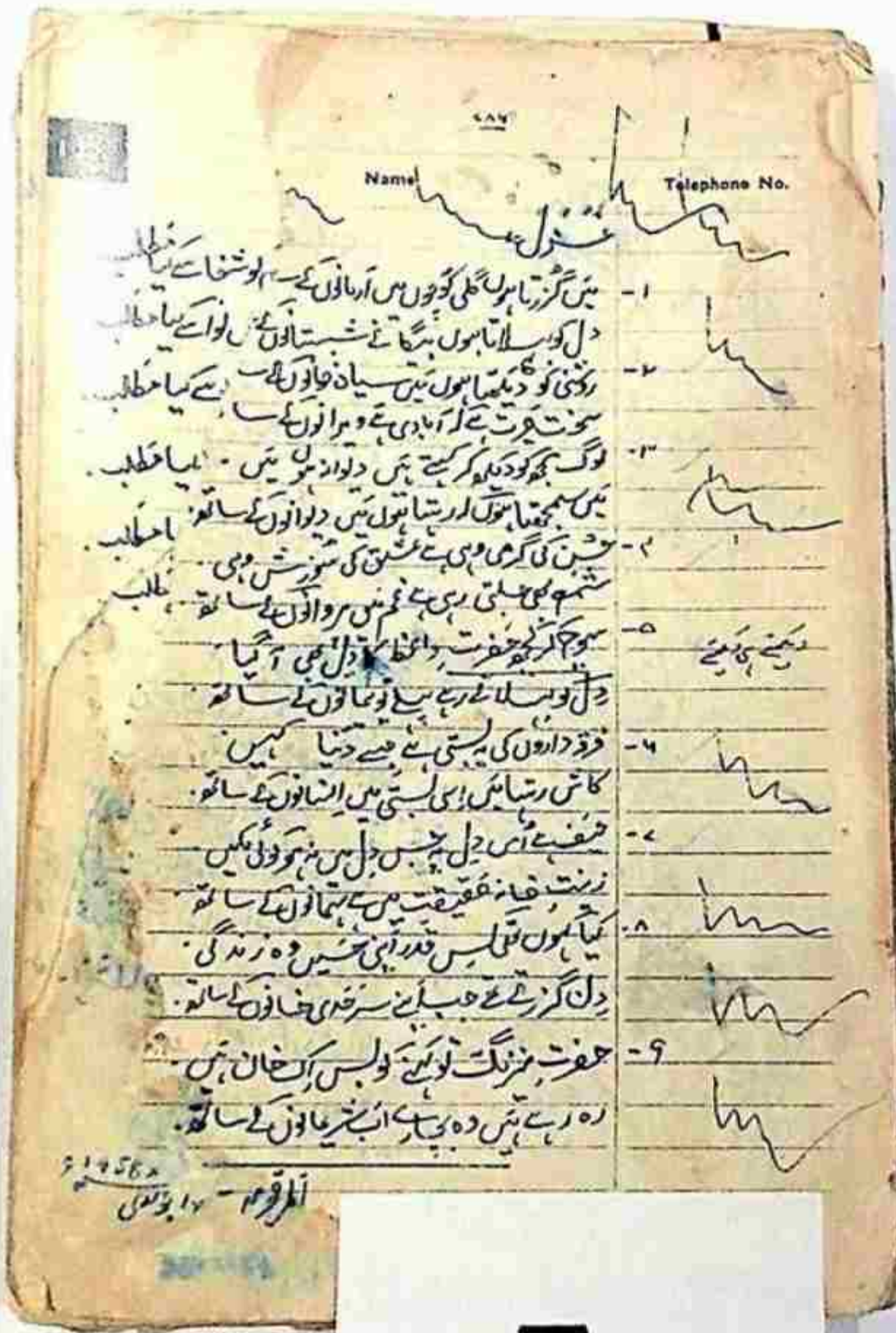
4



6

وہ ارض پاک کہتے ہیں پٹھانوں کی جسے بستی
جسے اہل نظر سمجھا کئے ہیں اپنی خوشبختی۔
جبل جس کی بلندی سے رہی افلاک کی پستی۔
ازل سے جس کو حاصل ہے شباب و حسن کی مستی
ہمیں جا مولد و مسکن شناسد امت این عنصر را
بجد آرد ند بعد از مدتے این بد نصیب را۔

بیاض نمبر 4



۴۸۷

Name Telephone No.

غزل

۱- میں گزرتا ہوں گلی کوچوں میں ارمانوں کے ساتھ
دل کو بہلاتا ہوں بیگانے شبستانوں کے ساتھ

۲- روشنی کو دیکھتا ہوں میں سیاہ خانوں کے ساتھ
سخت حیرت ہے کہ آبادی ہے ویرانوں کے ساتھ

۳- لوگ مجھ کو دیکھ کر کہتے ہیں دیوانہ ہوں میں
میں سمجھتا ہوں کہ رہتا ہوں میں دیوانوں کے ساتھ

۴- جس کی گرمی وہی ہے عشق کی سوزش وہی
شمع بھی جلتی رہی ہے غم میں پروانوں کے ساتھ

۵- سوچ کر کچھ حضرتِ واعظ کا دل بھی آ گیا
دل کو بہلاتے رہے پیرِ مغاں کے ساتھ

۶- فرقہ داروں کی یہ بستی ہے جسے دنیا کہیں
کاش رہتا میں اسی بستی میں انسانوں کے ساتھ

۷- حیف ہے اس دل پہ جس دل میں نہ ہو کوئی امنگ
زینتِ خانہ حقیقت میں ہے مہمانوں کے ساتھ

۸- کیا ہوں تنہا بس قدر اپنی نہیں وہ زندگی
دل گزرتے تھے جب اپنے سرحدی خانوں کے ساتھ

۹- حضرتِ نیرنگ تو کہنے کو بس اک خان ہیں
رہ رہے ہیں وہ بچارے اب غریبانوں کے ساتھ

آخر رقم - ۱۰ بوقتی

5



DECEMBER

1958

قطعاتِ تاریخ

WEDNESDAY 31

۱

بہارِ عیش کہاں لذتِ خزاں بھی گئی
چمن کے ساتھ ہی بنیادِ آشیاں بھی گئی
کسی کا جبر کے جانے کا غم نہیں ہرگز
جو رنج ہے تو یہی ہے کہ اب زباں بھی گئی

JANUARY 1959 THURSDAY 1

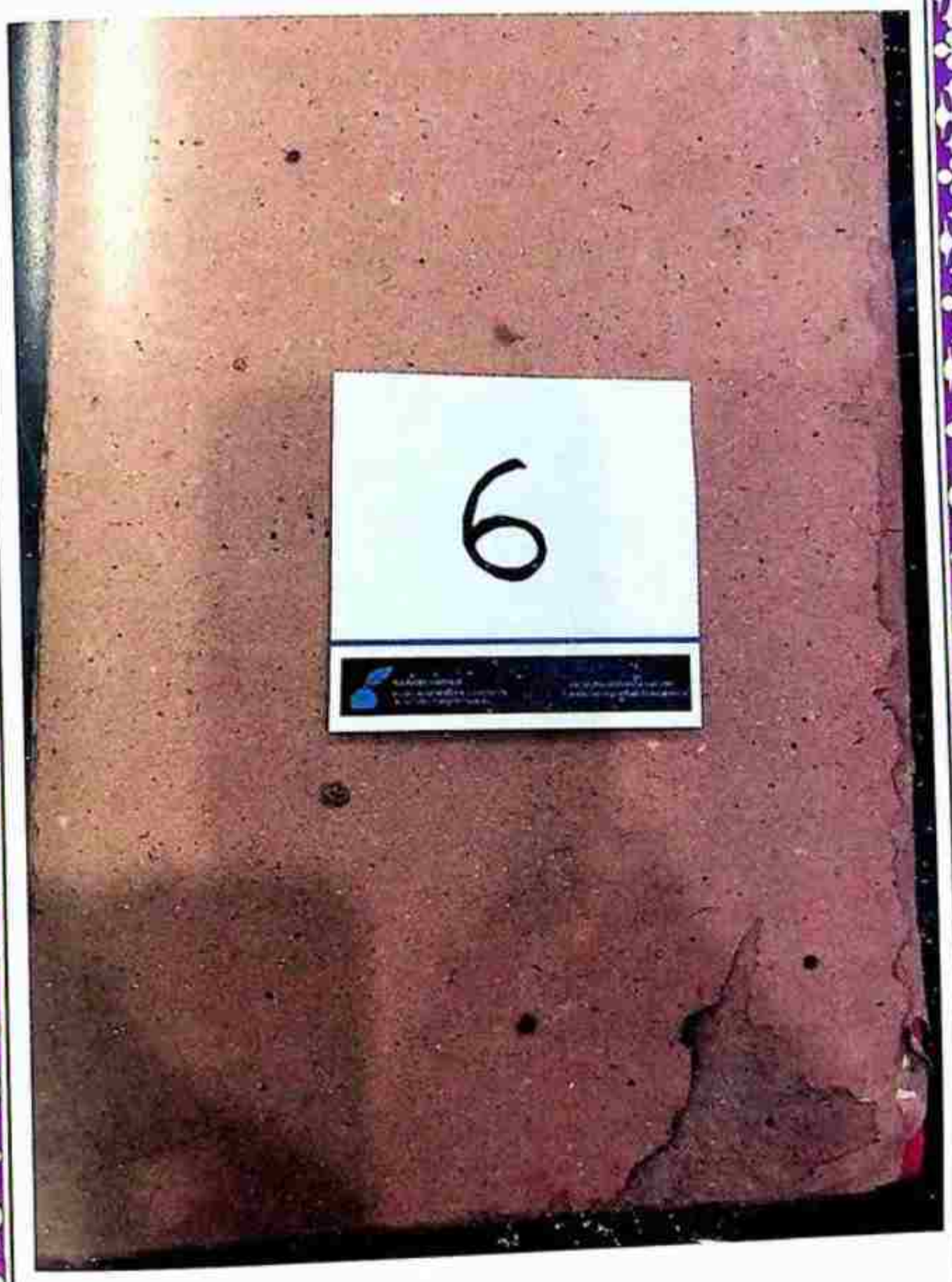
۲

بزمِ عشرت کے الم سوز ترانے نہ رہے
وہ پریزادوں کی دنیا کے فسانے نہ رہے
جب سے بدلے ہے نئے رنگ پہ یہ نیرنگ
وہ طبیعت وہ امنگیں وہ زمانے نہ رہے

Notes

LIFE INSURANCE CORPORATION OF IND

بیاض نمبر 5


6

۱

اَحوالِ واقعی

کچھ اپنے متعلق

"سیّد مقتدر عالم کا کہنا ہے کہ جس کلام سے صاحبِ کلام کی زندگی پر روشنی نہیں پڑتی اُسے کلامِ معنبر کہنا درست نہیں۔ بلکہ اُس کی شاعری ایک بے نام قوس بن کر رہ جاتی ہے۔ اور اُس سے شاعر کے دلی جذبات کا اندازہ نہیں ہو سکتا"

میری شاعری میری زندگی کا آئینہ ہے۔ جو کچھ لکھتا ہوں جذباتِ دل اور واقعاتِ زندگی کی جھلک اُس سے صاف نمایاں ہوتی ہے۔ میں محبت زبان کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ خدا اور مسافر میں نے بلند پایہ کلام کا مطالعہ کیا۔ میری تمام عمر خدمتِ زبان میں بسر ہوئی ہے۔ میں نے زبان کو زبان کی طرز سے حاصل کیا۔ اُستادانِ فن کے زیرِ سایہ پرورش پائی اور شعرائے نامدار سے ترمیم حاصل کی۔ اُن کی محبتوں کے گہرے نقوش سے استفادہ حاصل کیا۔ عظیم الشان محافل و مجالس میں شرکت ادب کے مواقع فراہم کیے۔ اہلِ ادب سے داد و تحسین پائی۔ اہلِ قلم کی داد سے مجھے ایک گونہ مسرت ہوتی ہے اور دل کو راحت اور تقویت ملتی ہے۔

اب زندگی ایسے انقلابات سے گزر رہی ہے۔ جس میں تمام لذائذ ختم ہو گئے۔ الا ذوقِ خدمتِ زبان۔ خدا کرے ایسے اشخاص کہ جنہوں نے اپنا سرمایہ حیات فقط خدمتِ زبان کو ہی سمجھا ہو۔ بعلاوہ لوگ اُس زبان کی اہمیت اور گوناگوں پیچیدگیوں کو کسی طرح فراموش کر سکتے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا غیر شاعر اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ حقیقت میں قدر دانیِ زبان ایک ادیب کا حصہ ہے اور لطافتِ زبان کا جاننا ایک شاعر کا کام ہے۔

خدمتِ زبان ہر شاعر کا منشائے دلی ہوتا ہے جس میں شاعر کو روحانی لذت


7

تعمیرِ یاس یعنی مطبوعاتِ نیرنگ سرحدی

مطبوعات و مقطوعاتِ نظم
از
نیرنگ سرحدی منشی فاضل
از اخبارات و رسائل و جرائدِ معروفِ ہندوستان
بحقِ مصنف منظور و محفوظ شدہ
۲۰ ستمبر ۱۹۶۸ء

بیاض نمبر 7

हिन्दुस्तान, शुक्रवार, ३० मई, १९८६ (५)

'एक था शायर —नैरंग सरहदी'

हरियाणा के ऐतिहासिक नगर रेवाड़ी के एक ओर दिल्ली के अंतिम हिन्दू सम्राट हेमचन्द्र विक्रमादित्य उर्फ हेमू तथा अभिभर्तृ [illegible] के प्रथम, भारतीय मूल्य स्वातंत्र्य संग्राम सरसादी साल की पोथा-पत्नी होने का गौरव प्राप्त है, वहीं दूसरी तरफ इसमें अनेक नाम ऐसे भी जुड़े हैं, जिनकी सेवाएं, कतिपय क्षेत्रों में अनेक सराहनीय एवं स्मरणीय रहीं, किन्तु समय की विडम्बना के कारण जिन्हें भुला सा दिया गया है।

इस दूसरी श्रेणी के लोगों में एक थे— श्री नन्द लाल नैरंग सरहदी। चेहरे पे चुहांसे की झलक, आंखों में मुस्कान और होंठों पर एक मजबूत-सी मुस्कराहट ये रेखा-चित्र हैं स्वर्गीय नैरंग सरहदी का। वस्तुतः वह एक फनकार था जो फन को दरअसल सांस कर पूरा इन्सान बन गया। वह एक शमा थी जो रेवाड़ी की काव्य-गोष्ठियों में निरन्तर 25 वर्षों तक अपना दम तोड़ती रही। वह एक शायर था जो कला की देवी के चरणों में अपना सब कुछ न्योछावर करके गुमनाम सा इस जगत से उठ गया। उनकी के अपने शब्दों में :

"नैरंग मेरी हयात का मकसद था शायरी,
मालूम क्या ये हाल मेरा शायरी के बाद"

६ फरवरी १९१२ को पेशावर में जन्मे नैरंग साहब व्यवसाय से अध्यापक थे। शायरी उनको एक प्रकार से घुट्टी में मिली थी। एक ओर वह चकबस्त की दार्शनिकता को पार कर रहे थे तो दूसरी तरफ उनकी शायरी में निखार आ रहा था कि सहसा सन् १९४७ में देश-विभाजन की काली घड़ी आ पहुंची। लाखों परिवारों की जन्म-भूमि उनसे सदा-सदा के लिए छिन गई। इसे रेवाड़ी की भूमि का आकर्षण कहिए या नियति का एक अनुपम एवं क्रूर परिहास कि हजारों मील दूर-स्थित सरहदी-क्षेत्र की राजधानी पेशावर से श्री नन्द लाल नैरंग सपरिवार यहां चले आए।

अपने रेवाड़ी आगमन के कुछ ही समय उपरान्त एक रोज अचानक उनकी मुलाकात स्थानीय हिन्दू हाई स्कूल के तत्कालीन प्रधानाध्यापक लाला गोवर्द्धनदास जी से हो गई। नैरंग साहब को रोजगार की तलाश थी और स्कूल को एक सुयोग्य, अनुभवी एवं मनुभवल-सम्पन्न भाषा-अध्यापक की।

बातों-बातों में बात बन गई और इस प्रकार १ जनवरी, १९४८ को नैरंग साहब को फारसी व उर्दू अध्यापक के पद पर नियुक्ति हिन्दू उच्च विद्यालय में हो गई।

देखते देखते ही वह रेवाड़ी के सांस्कृतिक क्षितिज पर छा गए और नगर में समय-समय व स्थान-स्थान पर अदबी मजलिसें गर्म होने लगीं। समय के साथ-साथ शेर-ओ-शायरी का यह सिलसिला आगे बढ़ता चला गया और नैरंग साहब समूचे क्षेत्र के काव्य-प्रेमियों के केन्द्र-बिन्दु बन गए। पर उर्दू-फारसी का शिक्षण शीघ्र स्कूलों में बंद हो गया। गुजरते हैं अब ऐसे दौर से जिन्दगी
"नैरंग",
कि जिसमें खिदमत-ए-उर्दू जुर्मे मुअक्कल से होती है॥"

नैरंग साहब ने अधेड़ावस्था में पंजाबी सीखी और वह पढ़ाने लगे, पर १९५६ में जैसे ही हरियाणा बना, अधिकांश विद्यालयों से पंजाबी का पठन-पाठन भी उठ गया। नैरंग साहब सचमुच टूट चुके थे।

जीवन की इस अत्यंत कटुता, विवशता एवं यथार्थ-दृष्टत्वपूर्ण वेला में पहले तो गम उन पर हावी रहा किन्तु धीरे-धीरे वह उसमें ऊपर उठते चले गए। उनके काव्य में इन दोनों स्थितियों का वर्णन इस प्रकार है :

"गुल-ए-नैरंग-ओ-बू-ओ-बाम है मैं,
जिन्दगी में बहुत उदास है मैं।
मुझसे सुनिया को क्या गरज "नैरंग",
शायर-ए-दर्द-ओ-गम-ओ-बाम है मैं॥"

"गम-ए-हयात से फारिग है इस लिए "नैरंग"
गमी को समझा नहीं है कभी गमी मैंने।"

इसी प्रकार जैसे-तैसे उनकी जिन्दगी के ये दिन गुजरते रहे और सन् ७३ आ पहुंचा। मौत की परछाइयां उन्हें नजदीक आती हुई दिखाई देने लगीं। २ फरवरी, १९७३ को वे राजकवि (नवल किशोर रस्तोगी) के गरीबखाने पर तशरीफ लाए और "दाग" मरहूम की ये पंक्तियां सुना कर चले गए :

"होश-ओ-हवास, ताब-ओ-तवां 'दाग' जा चुके,
अब हम भी जाने वाले हैं, सामान तो गया।"

आखिर मौत से भी उनकी 'हालत-ए-बेजार' देखी नहीं गई और ५ फरवरी, १९७३ को मौत ने उन्हें सदा-सदा के लिए अपनी आगोश में ले लिया। इस सचाई को उन्होंने खुद कितनी स्पष्टता से व्यक्त किया है :

"नहीं मरने वाला था "नैरंग" किसी से
उसे मार डाला परेशानियों ने"

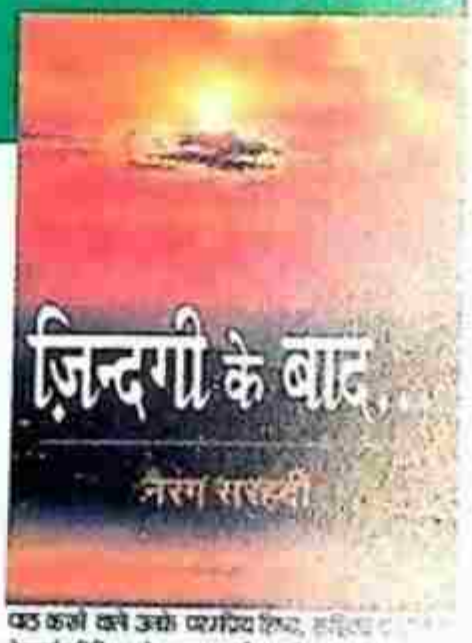
उनकी मौत के दस दिन बाद ही भाषा विभाग, हरियाणा ने उनके एक पूर्व प्रेषित संकलन पर पुरस्कार (जिसका अन्तिम दिन तक वह इन्तजार करते रहे), प्रदान किया। शायद वह इस हकीकत को पहले ही जान गए थे तभी तो उन्होंने लिखा था :

"आएगी मेरी याद मेरी जिन्दगी के बाद,
होगी न रोशनी कभी इस रोशनी के बाद।
मुझको वफा भी देंगी मेरी कमी के बाद,
आती है याद आदमी को आदमी के बाद॥"

नैरंग साहब की एक महत्वाकांक्षा जो अपार निर्धनता के कारण उनके जीते जी पूरी नहीं हो पाई, अब नेशनल पब्लिशिंग हाउस नई दिल्ली ने अंशतः बैंक के आर्थिक सहयोग से पूरी कर दी है। इन्होंने (पब्लिशिंग हाउस ने) उनकी मृत्यु के १३ वर्ष पश्चात "एक था शायर—नैरंग सरहदी" शीर्षक से उनका चयनित काव्य-संग्रह प्रकाशित करके रेवाड़ी के एक महान किन्तु विस्मृत शायर की याद को सचमुच पुनर्जीवित कर दिया है। शायद उन्हें अब वह न्याय मिल सके जिससे वह जीवन पर्यन्त वंचित रहे।

—नवल किशोर रस्तोगी

नहीं मरने वाला था 'नैरंग' किसी से...





तारकेश्वर नाहरिया की कलम से

उनका जन्म 6 फरवरी, 1912 को तत्कालीन हिंदुस्तान के सरहदी सूबे में जिला इस्माइल खां के एक कस्बे मंजकाना में हुआ तथा बैंटकरे के बाद करीब दाई दशक तक रेवाड़ी में उनकी वर्ष की साहित्यिक में आखरी-आखरी 5 फरवरी, 1973 को याद बने। जी हाँ,ठीक है खुशवंत सिंह जनाब नंदकिशोर नैरंग सरहदी जी थे, जिनकी जन्मभोम वर्ष हरियाणा प्रदेश के रेवाड़ी शहर से विशेष रूप से जुड़ी है।

बचपन से ही साहित्य का शौक रखने वाले नैरंग साहिब दसवीं पास करके अपने इस्माइल खां के एक स्कूल में उर्दू-फारसी पढ़ाने लगे। वहां पर उनके-जैसे शहर मुंशी शिवनंदनलाल मेहरम के शागिर्द बने तथा सन् 1939 में वे पेशावर आ गए,जहां तथा वे अपनी साहसे लहजे लगे थे, जिनकी तर्जीह पेशे उस्ताद पेशे सहबा ने भी एक मुलाकात के दौरान की थी।

बैंटकरे के बाद वे रेवाड़ी आ गए तथा यहीं हिंदू स्कूल में उर्दू-फारसी पढ़ाने लगे। कुछ समय बाद ही पहले फारसी तथा फिर उर्दू ज्ञान होने पर उनकी नौकरी पर संकट आ गया, किंतु उन्होंने हिम्मत नहीं हारी। उन्होंने पहले कुछ पंजाबी सीखी तथा फिर इसी स्कूल में पंजाबी पढ़ाने लगे। उधर, शहर में उनकी मन्नोरंजन न होने से भी वे खासे परेशान थे।उनकी इस पीड़ा को समझ स्कूल के हेडमास्टर लाला गोवर्धन दास रस्तोगी ने, जो साहसी के बड़े कद्रदान थे। उन्हीं की प्रेरणा से नैरंग साहिब ने साहित्यिक कार्यक्रमों के लिए उर्दू व हिंदी के रचनाकारों को तलाशकर 1954 में बज्मे-अदब नामक संस्था का गठन किया। अब शहर में साहित्यिक जलसे होने लगे,मुशायरे होने लगे। दूरदराज के शहर रेवाड़ी के कार्यक्रमों में आने लगे, नैरंग साहिब मंचों पर छाने लगे,घर-घर के मुशायरों में जाने लगे। स्थानीय पत्र-पत्रिकाओं में उनकी गजलें छपने लगीं। प्रातः व मिलाप जैसे उर्दू अखबारों में उनका नियमित प्रकाशन होने लगा,उनकी हिंदी गजलें और कवितायें को स्कूल पंजाबी में खूब गाया गया।उन्होंने गजल, नज्म, कतए , रुबाईयां, मसनवी-जैसे विधाओं में लिखा।उन्होंने कुछ अंग्रेजी कविताओं का उर्दू पद्यानुवाद भी किया,किंतु उन्हें मलाल था कि उनसे तक उनका दीवान न छप सका था। अंततोगत्वा वे 5 फरवरी, 1973 को बैंटकरे की टीस,तार्फ की पीर और उर्दू जगत को बिल में छोड़कर अल्लाह प्यारे हो।

उनकी साहसे के बारे में उनकी बेटी बोलती है-मेरे साहसे मेरी जिंदगी का आईना है। जो कुछ कहता हूँ, उसके जिंदगी के तजुर्बात की झलक साफ नुमायाँ होती है। मेरे सरहदी उनकी साहसे नहीं है,बल्कि उन लोगों के लिए है जिन्होंने उनका दर्द बर्दाश्त किया है। यही वजह है कि उनका तखल्लुस उनकी रूह बन चुका है और मैं उनके उनका मुशायरों-मुलिशायरों में शहर तलाशती हूँ। मैं उनका दर्द कभी हाल से जाने नहीं देती, क्योंकि मैं उनकिरदार-ए-उनका के रही गाती जाती हूं।

उधर,उनके जिगर के टुकड़े सहर बाद उनके साहित्यप्रेमी बेटे नरेंद्र नारंग सरहदी ने उनकी पुस्तिका गजलें को एक बार फिर नाम से प्रकाशित करवाया, जिसका संपादन साहित्य अकादमी दिल्ली से जुड़े प्रख्यात लेखक गुलजार साहब ने किया। हरियाणा उर्दू अकादमी ने सन् 1998 में उनके-बाद शहर प्रोफेसर उनवान अजाज के सहयोग में उनकी रचनाओं को तामीरे-सहर नाम से छापा।

इस बीच में कई साल से उनकी गजलें का सफर

ज़िन्दगी के बाद...
नरेंग सरहदी

पर करने वाले उनके पारिवारिक मित्र, साहित्य के मर्मज्ञ विजिन दुनेजा साहब की अथक मेहनत से हो सका। 2003 में उन्होंने अपनी कुल पुस्तिका पंक्ति पंक्ति गजलों को अपना स्वर व संगीत देकर एक सीडी के रूप में रिलीज किया, जिन्हें देशभर में फैले उनके प्रशंसकों ने हाथोंहाथ लिया। इसके बाद उनके सुपुत्र नरेंद्र नारंग ने इंटरनेट पर वेबसाइट लांच करके उनके कलाम को पूरी दुनिया तक पहुंचाया है। ज्ञात हो यही,करीब दो वर्ष पहले उन्होंने उनकी समस्त रचनाओं को सिंधी के बाद तीसरा बड़ा संग्रह के रूप में संपादित भी किया।देश की अनेक प्रतिष्ठित पत्रिकाओं में इनकी समीक्षा छपी।वैसे भी सरहदी जी को यह सम्मान नहीं मिल पाया है, जिसके वे सच्चे अर्थों में हकदार थे। तामीरे-सहर के संस्थापक प्रोफेसर उनवान अजाज ने उनकी साहसे के बारे में लिखा कि नैरंग साहिब ने गजल में रिवायत की पाबंदी खुशबू के साथ की है और उस अंदाज को बरकरार रखा है,जो गजल के लिए जरूरी है। इन गजलों से उनके इस दावे की तसदीक भी होती है कि उनकी जिंदगी की झलक उनके अशआर में मुलाहजा है।

एक ओर शहर के संवेदक सुलझेर उनका सभी उनकी रचनाओं पर लिखते हैं-नैरंग साहिब की साहसे में नैरंग का रंग भी जिंदगी है और साहित्य का भी,जिन्हें वे उनका सरहदर मानते थे। दूसरी तरफ उन्होंने अपने समकालीन जिगर, फिराक और फैज में से किसी का भी असर नहीं लिया और यह कोई मामूली बात नहीं।

उनके साथी रहे रेवाड़ी के प्रख्यात साहित्यकार विजिन दुनेजा बताया करते हैं नैरंग साहिब की जिंदगी में गजल का कोई भी जिक्रता पाकर दीवाना,उनके सामने को पूछ कर बैठाना,एक चर्चा,एक साहस पाने लगा। यह दौर में उनके की नाकदरदानी से परेशान होकर लिखी गई उनकी हर गजल मनोस्थितियों की झलक-सी दिखाई देती है। उर्दू जबान के उत्थान के लिए उनकी झुंझलाहट हुआ हर शेर नजरमोदी की तस्वीर पेश करता आया है।

खुद नैरंग सरहदी जी ने लिखा है-
मुझसे दुनिया को क्या मतलब नैरंग,
साहसे-दर्द- गमे यार हूँ मैं।।
उन्होंने ठीक ही कहा था-
नहीं मरने वाला ये नैरंग किसी से,
उसे मार डाला परेशानियों ने।।

अलालतों और जालतों को अपने शब्द देकर उर्दू जबान और साहसे की बेकदरी पैदा करने- प्रेरणा बने वे इस संसार देह को त्याग गए, किंतु उनकी अजरामर साहसे आज भी उनके मुझे-बिछरे प्रशंसक व एक व्यक्तित्व को जिंदादिली एवं प्रेरणापुंज बनाने के लिए अपार तालियां बजाकर उनकी है,जिसे विभिन्न रूपों में सहेजा जा रहा है- यह तो सुखद पहलू है, किंतु उनकी उनकी सरजन पर बहुत कुछ होना बाकी है ,अफसोस होता वर्षों जो उन्हें सही पहचान व सच्चा सम्मान दिला पाए, जिसके वे वास्तव में हकदार थे।



पुस्तक :
ज़िंदगी के बाद
लेखक :
नैरंग सरहदी
प्रकाशक :
अमृत
प्रकाशन,
नई दिल्ली
पृष्ठ : 128
मूल्य : रु. 350

चंद्र त्रिखा

उर्दू भाषा की यह भी एक त्रासदी रही है कि उसे अक्सर एक मज़हब विशेष से जोड़कर देखने की कोशिश हुई। यह तथ्य अक्सर हाशिए पर सरका दिया गया कि यह एक सशक्त भारतीय भाषा है जो हमारी गंगा-जमुनी तहज़ीब का आईना भी है। वैसे भी उर्दू अदब में गैर-मुस्लिमों का योगदान कम नहीं रहा।

इस काव्य संकलन 'ज़िंदगी के बाद' के हवाले से जिस शायर को याद किया जा रहा है, उसने न केवल उत्तर भारत के इस हिस्से को अनूठा अदबी सरमाया दिया बल्कि अनेक नए शायरों की एक खूबसूरत नर्सरी भी दी।

नैरंग सरहदी, जिला डेरा इस्मायल खान में 1912 में जन्मे थे और वर्ष 1973 में उनका निधन हो गया। वर्ष 1998 में उनका एक संकलन 'तीमारे-यास' के नाम से हरियाणा उर्दू अकादमी ने भी छापा। इस संकलन का सम्पादन प्रो. जगन्नाथ आज़ाद ने किया था। अनेक प्रशंसकों में प्रख्यात कहानीकार 'शानी' भी थे और प्रख्यात ग़ज़लकार व गीतकार बालस्वरूप 'राही' भी।

प्रस्तुत संकलन में उनकी लगभग 116 ग़ज़लें व नज़्में शामिल हैं। अनेक ग़ज़ल सामयिक युगबोध से जुड़ी हैं। उनकी एक सामयिक ग़ज़ल के तेवर देखें :-

मिज़ाजे-बागवां बदला नहीं है,
निज़ामे गुलिस्तां बदला नहीं है॥
सियासत ने बदल डाली है दुनिया,
तशद्दुद का निशां बदला नहीं है॥
बहुत बदला मयारे-ज़र परस्तां,
मयारे मुफ्लिसां बदला नहीं है॥

समसामयिक परिस्थितियों पर ऐसी जानदार अदबी टिप्पणी से हमारा परिवेश अक्सर वंचित रहता है।

उनके एक शागिर्द व प्रसिद्ध शायर विपिन सुनेजा शायक ने उनकी तमाम शायरी को एक 'मर्सिया' कह डाला है जो कि सही नहीं है। उनके 'शे'र' धार्मिक-उन्मादियों को झिंझोड़ते भी तो हैं—

तुम मुअज़्ज़िन भी हो, नासेह भी, वाइज़ ऐ शैख़
ये बताओ कि किसी वक्त तुम इन्सां भी हुए।

नैरंग साहब एक राष्ट्रवादी शायर के रूप में भी याद किए जाने चाहिए। उनकी एक ग़ज़ल 'चरागा करके छोड़ेंगे, और गुरुनानक के अलावा ग़ालिब, मुंशी तिलोकचंद 'महरूम' आदि पर लिखी नज़्में भी बेहद सशक्त हैं।

The Weekly Voice February 11 - 17, 2000.

NEWS COMMUNITY

A TRIBUTE TO JANAB "NAIRANG SARHADI"

Aayrgi Meri Yadd Meri
Zindagi Ke Baad
Hogi Na Roshni Kabhi Is
Roshni Ke Baad
Mujhko Wafa Bhi Royegi
Meri Kamee Ke Baad
Aati Hai Yaad Aadmi Ki
Aadmi Ke Baad

— Nairang Sarhadi

Nairang Sarhadi was poet of Urdu who lived and died unknown and unsung. A major part of his life was spent in Rewari, the historical town of Haryana, a town known to many as the birth place of the last Hindu Samrat of Delhi, Vikramaditya or Hemu and the first Chief Justice of undivided Punjab, Sir Shadi Lal. In this town lived Nairang Sarhadi.

His real name was Nand Lal. He originally belonged to Dera Ismail Khan but like lakhs of people during Partition, he was forced to leave his birth place and settle here. He started his career as a teacher at the Khalsa High School, Peshawar during the pre-Partition days. A man of letters, Nairang had great command over the Persian and Urdu languages. After Partition, he got himself the job of a language teacher in Hindu High School, Rewari, teaching Urdu and Persian in the school. But soon these languages were scrapped from the schools and he switched to teaching Punjabi. However, with the birth of Haryana in 1966, this language too was withdrawn from the school syllabi. This was the most difficult phase of his life. He has given expression to his predicament during this period in his couplets:

Gule Be Rang Boo-o-Bas
Hoon Maiu
Zindagi se Bahut Udhas
Hoon Main
Mujh Se Duniya Ko Kya
Garaz Nairang
Shayar-e-Dard-o-Ghaun-o-
Yas Hoon Main

Game Hayat Se Fareig
Hoon Isliyey Nairang
Ghamme Ko Samjha
Nahin Hai Kabhi Gami
Mainey

The end came on a wintry day of 1973. Perhaps he had realised that his end was near. He went to a friend's house and recited a couplet of Daag Marham:

Hosh-o-Hawas Taab-o-
Tawa Daag Ja Chuke
Ab Hum Bhi Jaane Wale
Hain Saaman to Gaye

On 5th February,1973 just a day before his birthday he died, suddenly, and in good health. Five years before his death he had written a Testament and I reproduce some of the parts that give some inkling into his beliefs and the inner self of this non-descript literary colossus.

"When I die, my body should be lit without making any noise....."

"No hymns or mantras should be read. None of my sons should shave their heads....."

"On the fourth day when the remains are picked up from the cremation ground they shouldn't be taken to Haridwar but thrown away in the Yamuna in Delhi without any religious ceremonies....."

"No religious ceremony should be performed after my death as people usually do. I respect every religion. A poet has no religion except his own character....."

"To give something to any religious person in my name, or in my memory, will be against my wishes....."

We did everything according to his wishes.

It was his cherished desire to see his poetry take the shape of a book. But due to financial constraints he could never get anywhere near the fulfillment of his modest dream. I persevered after his demise and after a lot of effort, in



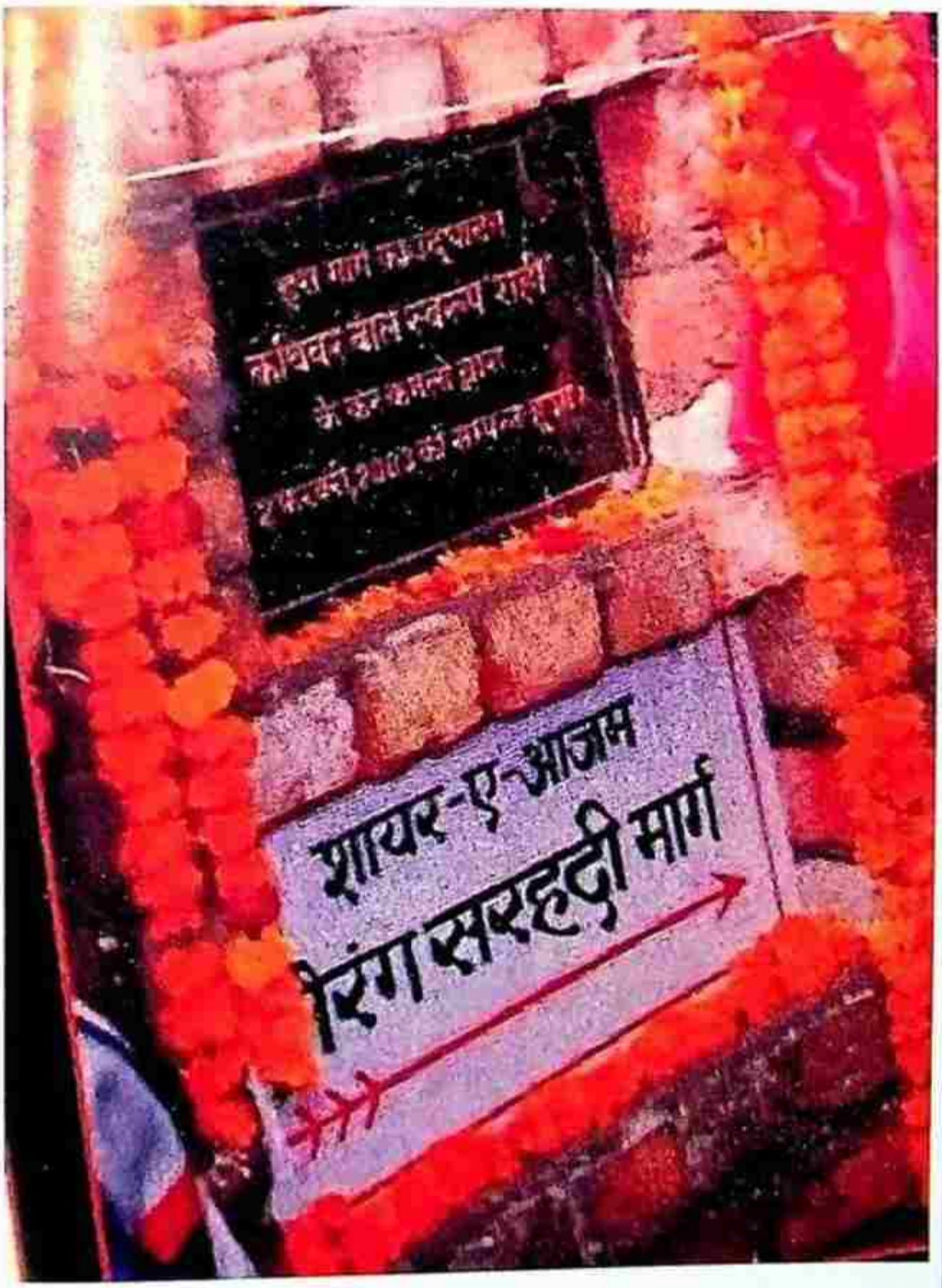
Nairang Sarhadi, one of the top Urdu poets

1986, I managed to get his Kalam published in Devnagri, through the National Publishing House, New Delhi under the title Ek Tha Shayar- Nairang Sarhadi edited by Gulsher Khan Shani, the then editor of 'Samkaleen' a magazine published by the Sahitya Akademi, New Delhi.

I submitted Nairang's work to the Haryana Urdu Akademi in 1990 and it was published in 1998.

Is it not unfortunate that intellectuals, writers, poets and talented people are not given their due in their own country India but are recognised and well appreciated in other countries like America,Canada and Russia. Har Gobind Khurana and Jagdish Chander Bose are not the only examples.

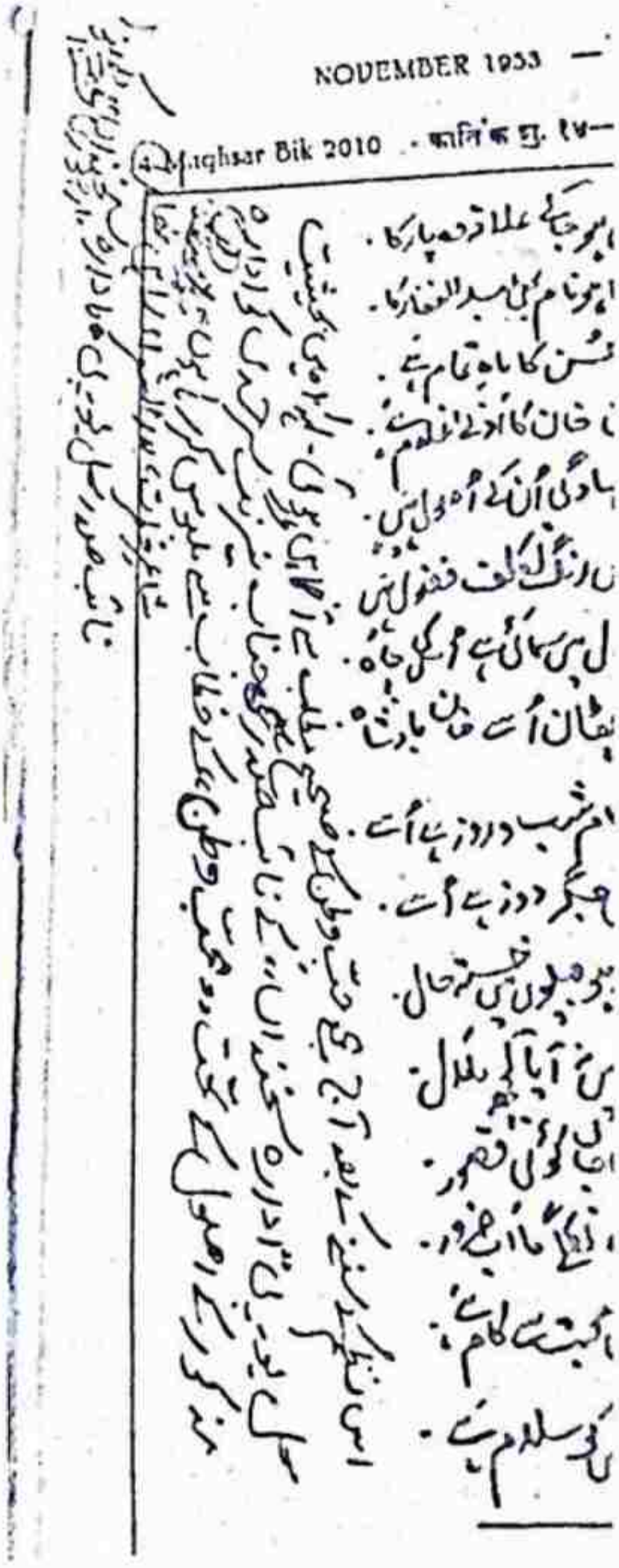
Contributed By:
Naresh Narang 'Saheen'
S/o Janab Nairang Sarhadi
5 Sun Romanoway, Apt 1712
North York, ON M3N 2V4



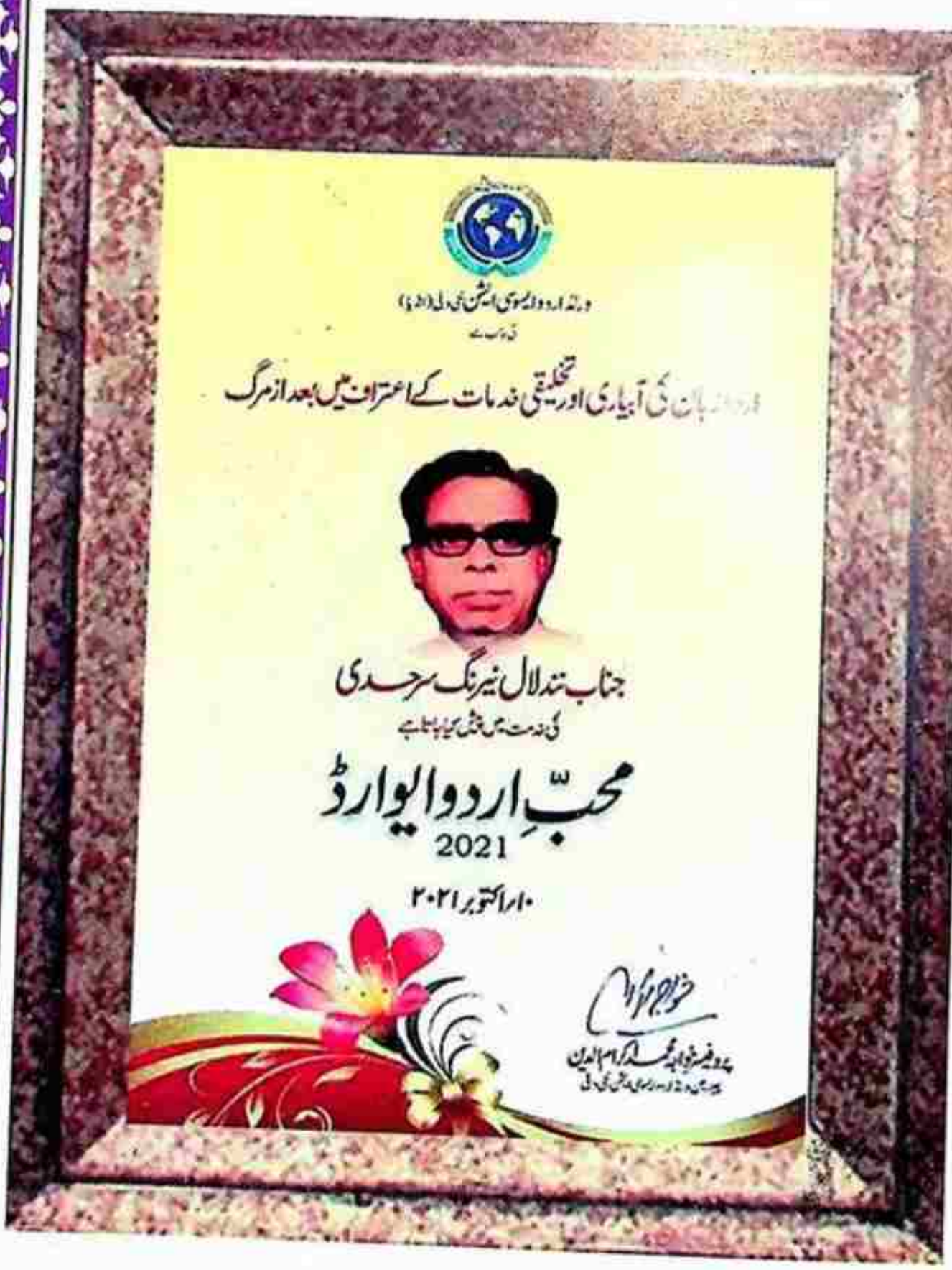
نیرنگ سرحدی مارگ، ریواڑی میں



گُریزاں جن سے نیرنگؔ وصفِ انسانی نہیں ہوتے
وہ چشمِ دَہر سے پنہاں بآسانی نہیں ہوتے
جو کارِ خیر میں قوم و وطن پر جان دیتے ہیں
وہ اِس دُنیائے فانی میں کبھی فانی نہیں ہوتے



''محبِ وطن'' کے خطاب کا تذکرہ

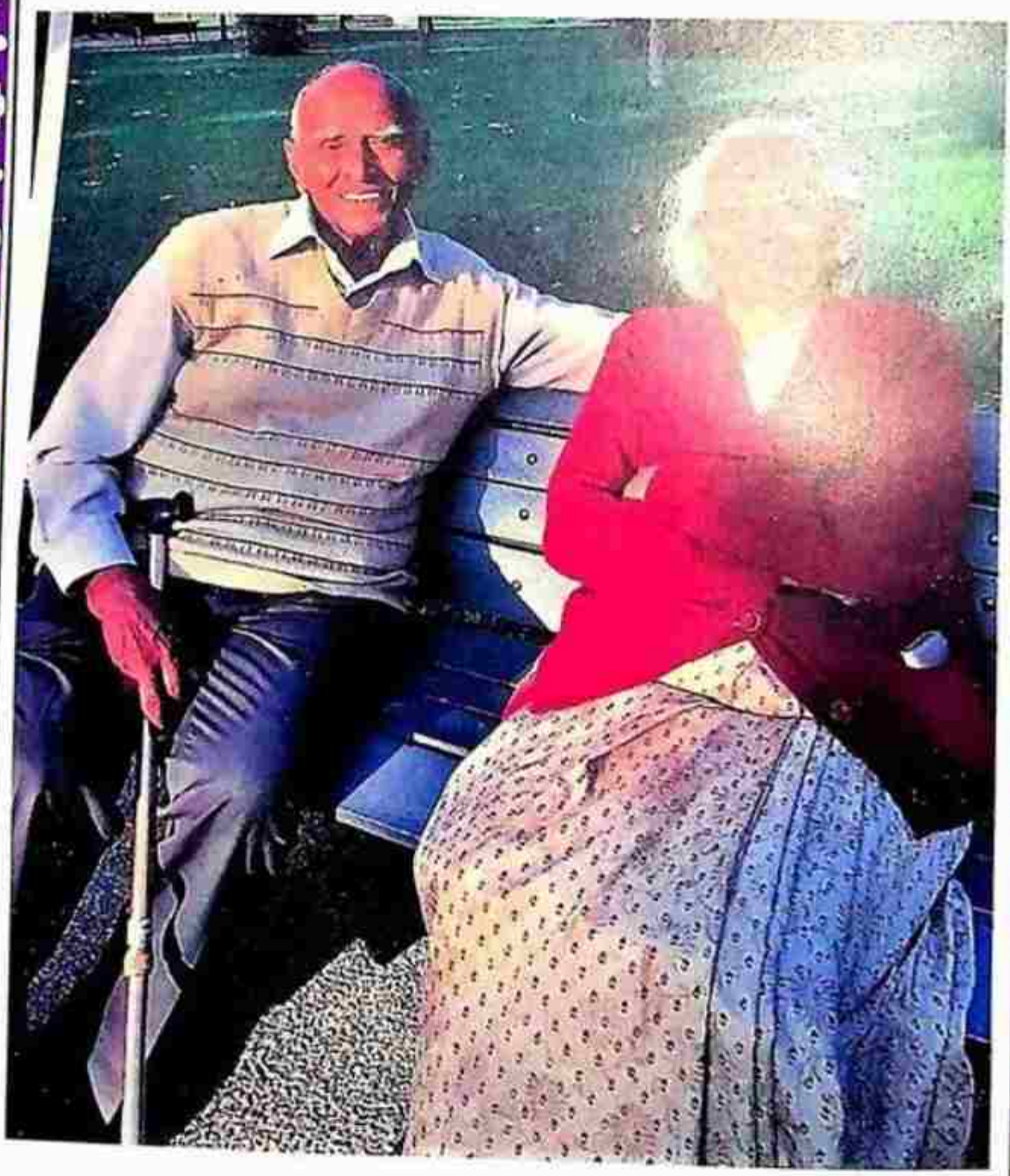

اردو ایسوسی ایشن فی دلی (انڈیا)
اردو زبان کی آبیاری اور تخلیقی خدمات کے اعتراف میں بعد از مرگ
جناب تندلال نیرنگ سرحدی
کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے
محبِّ اردو ایوارڈ
2021
۱۰ر اکتوبر ۲۰۲۱
پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرام الدین


नैरंग सरहदी
6 फरवरी 1912
5 फरवरी 1973

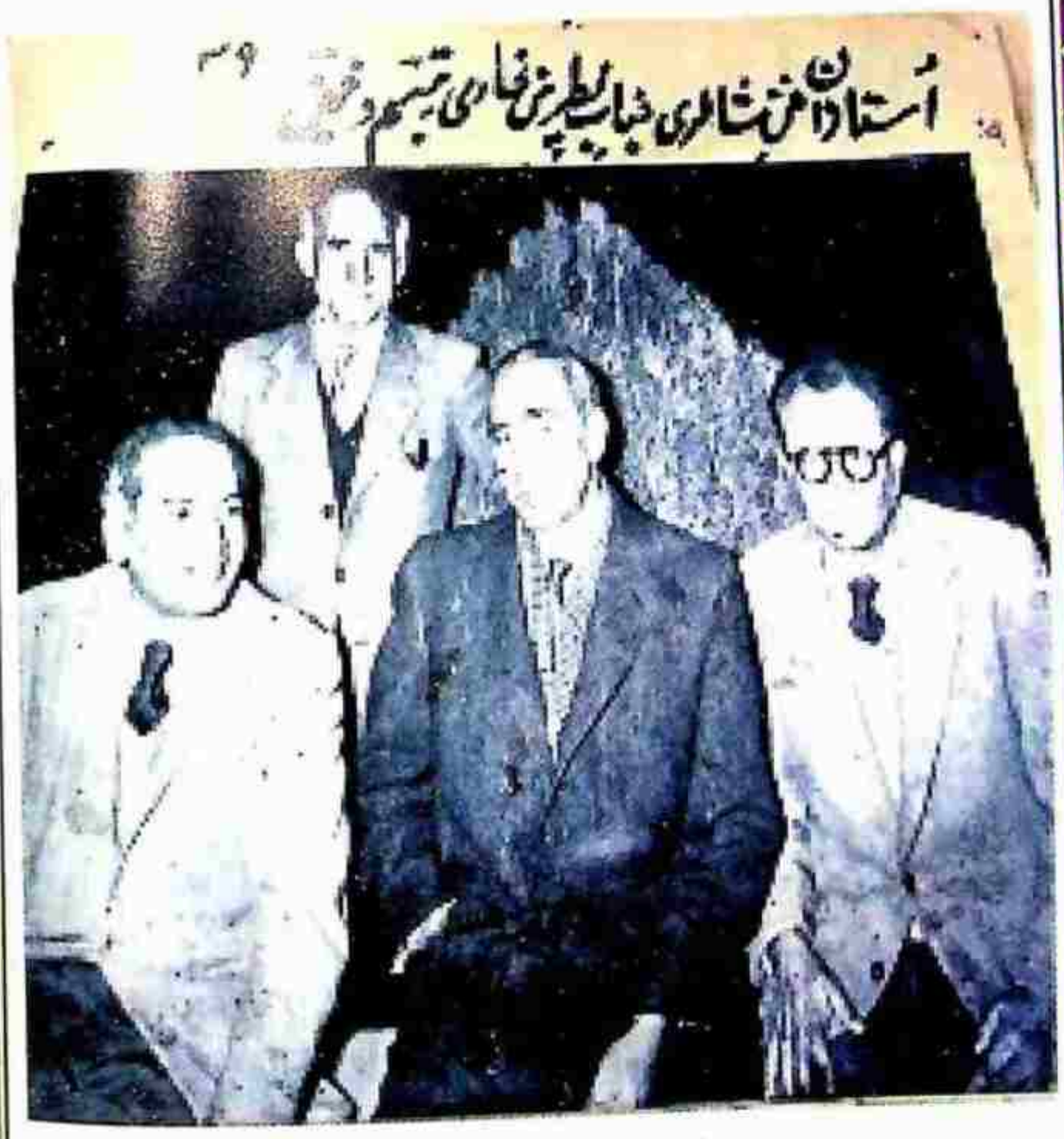


ہندو اسکول ریواڑی میں قوالی کی مشق





نیرنگ سرحدی کے قدیم دوست
ڈاکٹر ایس. این. سکسینہ اور اُن کی بیوی تارا سکسینہ



نیرنگؔ سرحدی کی بیاض سے

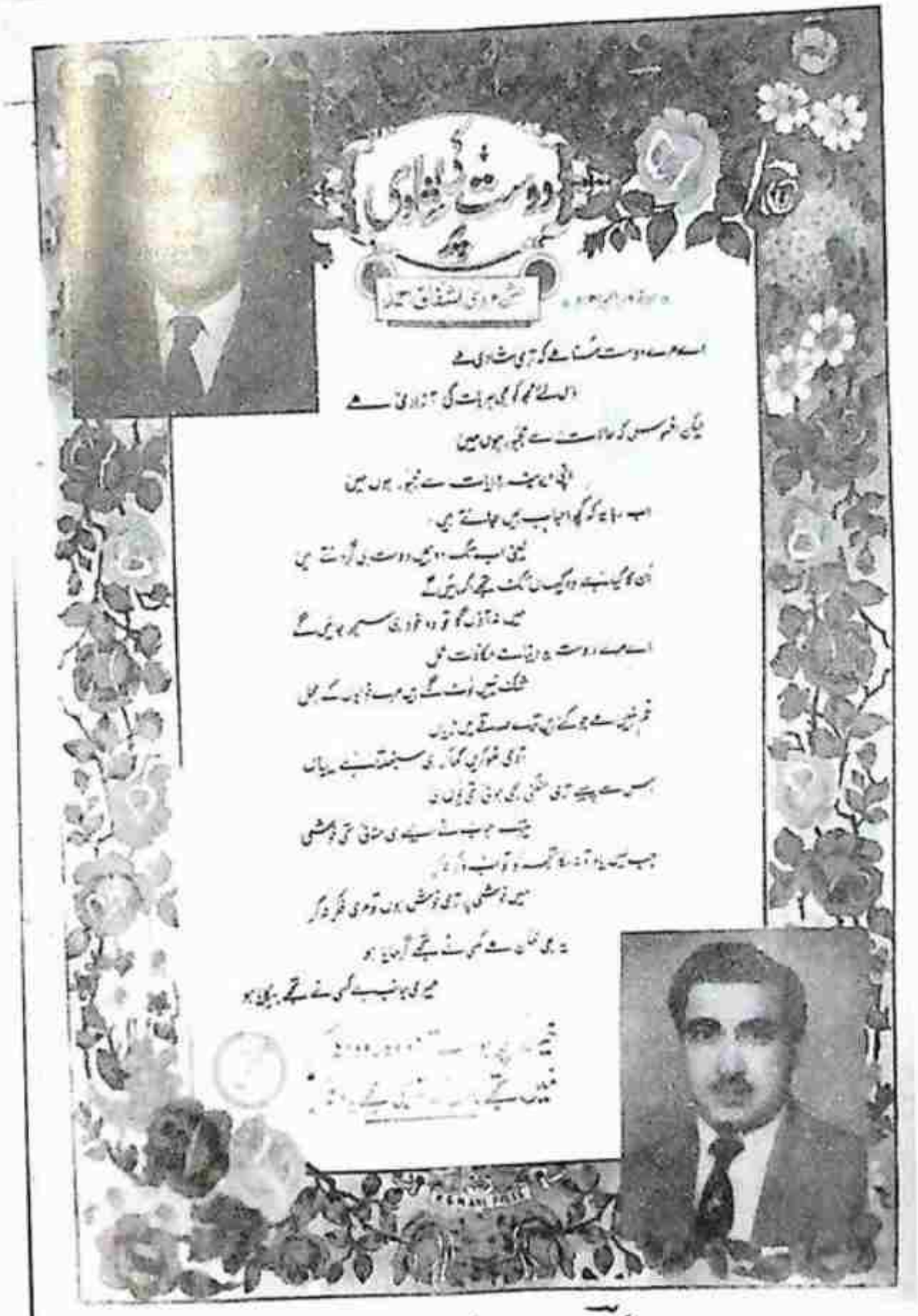


محرومؔ کیا بتاؤں کہ میں کیا ہوں کون ہوں
جو کچھ ہوں تو ہوں ترجمانِ دلِ بیقرار ہوں

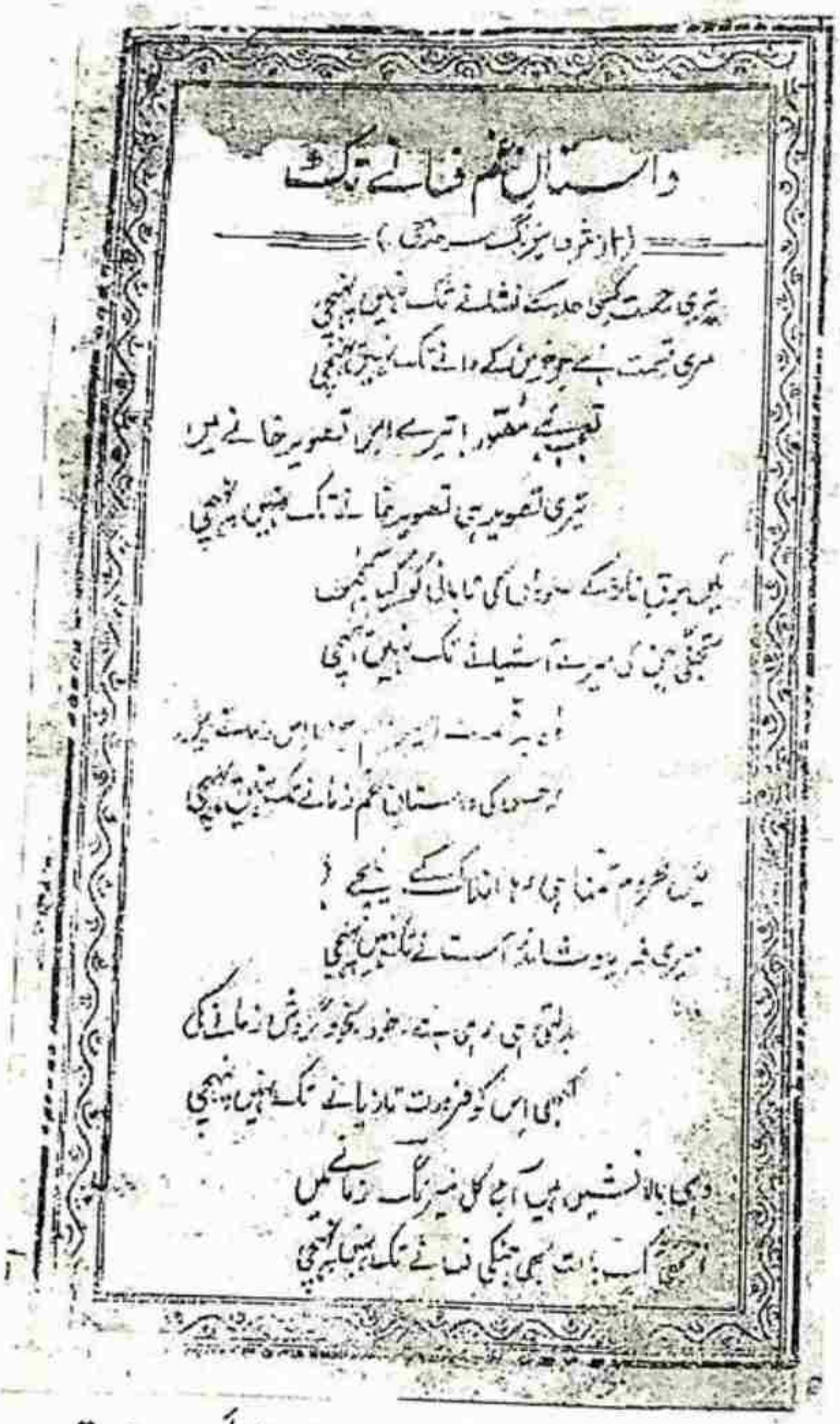
محرومؔ

نیرنگؔ سرحدی کی بیاض سے

جناب مسعود الرحمٰن صاحب شفقی شاکر نیرنگ سرحدی



نیرنگ سرحدی کی بیاض سے



داستانِ غمِ فسانۂ تک

(از نیرنگ سرحدی)

تیری محبت کبھی حدِ نشانہ تک نہیں پہنچی
مری قسمت ہے جو خوشیوں کے دانے تک نہیں پہنچی

تعجب ہے مصور! تیرے ہر اک تصویر خانے میں
تیری تصویر ہی تصویر خانے تک نہیں پہنچی

یہ برقِ ناز کے شعلوں کی تابانی کو کیا کہیے
تجلّی جن کی میرے آشیانے تک نہیں پہنچی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میری فریادِ شامِ آستانے تک نہیں پہنچی

بدلتی ہی رہی ہے خود بخود گردش زمانے کی
کبھی اس کو ضرورت تازیانے تک نہیں پہنچی

وہی بالا نشیں ہیں آج کل نیرنگ زمانے میں
اٹھی اک بات بھی جنکی فسانے تک نہیں پہنچی

یہ رسالوں، اخباروں اور جریدوں میں شائع ہوئے تھے

270

15 APRIL Friday

1965

১লা বৈশাখ—রবিবার ; বৈশাখ শুরু ৪ ৫।৪-, ১ বঙ্গাব্দ বাংলা নববর্ষ ১৩৭২

Sole—25 Chaitra 1888, Sept 23 Zilhija, Sunset ১০ মঙ্গলবার কৃষ্ণ গুরুবার ২০২৩

Sunrise—5-40 a.m. Bengali New Year's Day 1373 Sunset—5.2[illegible] p.m.

آخری غزل

بس تو ہے میری زندگی کی زندگی غزل۔
کس دھج سے تجھ کو لکھ سکے ہے آدمی غزل۔

جاؤں کہاں کہاں نہیں عبادت کے واسطے۔
مالوسیجل میں مری سدا ان کے دلنواز۔

گھر آ کے آج تالی رازِ حیات سے۔
جھڑا ہے میں سنا رہے تھے تار کو۔

سنتے کو ہم رہے تو مگر سوچتا ہوں میں۔
نیرنگ ہو۔ زندگی کی آخری غزل۔

دل ہے اگر جہان تو ہے روشنی غزل
دنیا ہے سیم تیرے خیال کی غزل

دل کا ہر غم سے اور ہر زندگی غزل
دنیا رہی ہے تم کو مرے تازگی غزل

دنیا کے بعد کہنے لگا کوئی غزل
نکلی ہے اس کی لے سے مری لے ملی غزل

مقبول
18/7/70

مختصر حالاتِ زندگی

میری پیدائش 6/فروری 1912ء ضلع ڈیرہ اسماعیل خان (شمال مغربی سرحدی صوبہ) کے ایک چھوٹے سے قصبے مندھرا میں ہوئی۔ میرے آبا و اجداد کے پاس کچھ زمین تھی جس کی پیداوار پر گُزرِ اوقات کرتے اور خوش رہا کرتے تھے۔ میرے جدِ امجد میونسپل کمیٹی ڈیرہ اسماعیل خان میں داروغہ چونگی تھے۔ میں گھر میں سب سے بڑا لڑکا تھا۔ اِس لیے وہ مجھے بے حد پیار کرتے اور ہمیشہ اپنے پاس رکھتے اور میں بھی اُن کے پاس رہ کر بہت خوش تھا۔

سات سال کی عمر میں، مَیں وہاں کے مقامی پرائمری اسکول میں داخل کیا گیا۔ ابتدا میں اسکول جانے سے ڈرتا تھا۔ مگر جوں جوں دِن گُزرتے گئے، میری پڑھائی کی جانب رغبت بڑھتی گئی۔ دس برس کی عُمر میں چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد میں وہاں کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں داخل کیا گیا۔ 1928ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ ابھی میں نویں جماعت میں ہی تھا کہ میرے جدِ امجد کا اِنتقال ہوگیا۔ اُن کی موت کا مجھے بے جا رنج ہوا۔ اور میں اُداس رہنے لگا۔

اُس زمانے میں فارسی اور اُردو کے اُستاد جناب قبلہ مولانا عطا اللہ خان صاحب ایک نہایت پاکیزہ سیرت، خوش اَخلاق اور خدا ترس شخص تھے۔ میری صاف کاپی اور خوشخطی کو دیکھ بہت متاثر ہوتے۔ اور تمام طلبا کو دکھاتے۔ میں اِس پر پھولا نہ سماتا۔ اور اِس سے بھی زیادہ حواشی کے کاپی کو مزین کرتا اور قبلہ مولانا موصوف کی خوشنودی حاصل کرتا۔ میرا اکثر وقت اِس کاپی کی نمائش میں صرف ہوتا۔ میری نقشہ

کشی کی کاپی بھی دیدۂ زیب ہوتی۔ اُردو، فارسی اور انگریزی میں میری گہری دلچسپی تھی۔ ریاضی میں الجبرا کے ساتھ میرا دِلی لگاؤ تھا۔ تاریخ و جغرافیہ میں بھی مجھے خوب لُطف آتا۔

1931ء میں میٹرک کا اِمتحان پاس کیا۔ اَب زیرِ غور معاملہ یہ تھا کہ آگے کیا کیا جائے۔ میں گھر سے باہر کبھی نہ گیا تھا۔ میرے لِسانی شوق کو دیکھ کر میرے فارسی کے معلّم نے میرے والدِ بزرگوار کو مشورہ دیا کہ مجھے لاہور میں اورینٹل کالج میں علومِ مشرقی حاصل کرنا کے لیے داخل کرادیا جائے۔ مگر میرے والد صاحب کو میرا گھر سے باہر بھیجنا گوارا نہ تھا۔ آخرکار بہت سوچ بچار کے بعد مجھے لاہور بھیجنے پر رضامند ہوگئے۔ اور میں اورینٹل کالج میں داخل ہوگیا۔ وہاں مولانا شاداں بلگرامی، آقا بیدار بخت اور حضرت محمد شفیع صاحب کے طفیل مجھے داخل ہونے میں بہت مُسرّت ہوئی۔ لیکن گھر کی یاد بہت تنگ کرتی اور میں اکثر اُداس رہنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد میں بیمار ہوگیا اور اپنی بیماری کی اطلاع اپنے والد بزرگوار کو دی حکم ہوا کہ فوراً کالج چھوڑ کر چلے آؤ۔

میں بھی یہی چاہتا تھا۔ خط ملتے ہی کالج کو خیرباد کہا۔ اور سیدھا گھر کی جانب روانہ ہوا۔ اور گھر پہنچ کر ایک وکیل کے ہاں منشی ہوگیا اور باقی اوقات میں دو تین شرفا کے بچّے پڑھا کر آمدنی میں اضافہ کرنے لگا۔ سب گھر کے لوگ مجھ سے بہت خوش تھے مگر میں خوش نہیں تھا۔ کیوں کہ مجھے یہ کام پسند نہیں تھا۔

میں نے یہ کام چھوڑ دیا اور گھر سے 12 میل کے فاصلے پر ایک گاؤں کے مڈل اسکول میں مدرس ہوگیا۔ اور وہاں تقریباً تین سال کام کیا۔ 1937ء میں ادیب عالم اور منشی عالم کے اِمتحانات پرائیویٹ پاس کیے۔ اب میرا حوصلہ بڑھ گیا اور اگلے سال ادیب فاضل پاس کرلیا۔ میں گاؤں کی زندگی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس لیے ڈیرہ اسماعیل خان میں خالصہ ہائی اسکول جو نیا نیا کُھلا تھا، اُس میں اُردو اور فارسی پڑھانے پر مامور ہوا۔ کچھ عرصہ وہاں کام کیا۔ اِس کے بعد 1938ء میں خالصہ ہائی اسکول

پشاور میں تعینات کیا گیا۔ یہاں میں فارسی اور اُردو کا ہیڈ پرشین ٹیچر تھا۔ یہ اسکول نہایت شاندار اور تعلیم اور کھیل کے لحاظ سے صف اوّل کے مکاتب میں شمار ہوتا تھا۔ وہاں کا عملہ جو 24 اساتذہ پر مشتمل تھا۔ تمام کا تمام پُرانا اور تجربہ کار تھا۔

1941ء کے آغاز میں میری شادی ایک اچھے گھرانے میں ہوگئی ہم دونو میاں بیوی پشاور میں ایک اچھے سے مکان میں رہنے لگے۔ دِن خوشی سے گزرتے گئے۔ تنخواہ اُس زمانے کے لحاظ سے معقول تھی اور ساتھ ہی دو تین پرائیویٹ ٹیوشن پڑھا کر اچھا گزارا کرنے لگے۔ یوں تو ہمیں کوئی تکلیف نہ تھی مگر پورے چھ سال گزرنے پر بھی اولاد نہ ہوئی۔ تو دِل میں کچھ مایوسی ہوئی۔ 1947ء میں، میں نے نزع حمل کیا۔

1947ء میں قیامِ پاکستان کے بعد ہم دونو میاں بیوی بذریعہ ہوائی جہاز ہندوستان کے دارالخلافہ دہلی میں وارد ہوئے عدم واقفیت اور مہاجر کی حیثیت سے برلا مندر میں چند روز بسر کیے۔ میری نوکری ریواڑی (گوڑگاؤں) میں اَہیر ہائی اسکول میں بطور پرشین ٹیچر ہوگئی تھی۔ اور اُس کا تقرر نامہ میرے پاس موجود تھا۔ میں سیدھا ریواڑی پہنچا۔ اور اپنے خیر خیریت سے آنے کی اطلاع وہاں کے ہیڈ ماسٹر جناب ڈی. ڈی. کٹاریہ کو دی۔ کٹاریہ صاحب میرے ہم وطن تھے اور مجھے پہلے سے جانتے تھے اور ریواڑی میں کچھ عرصہ سے اَہیر ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے، میں اُن کے ساتھ کام کر کے خوشی محسوس کرنے لگا۔

چند روز کے بعد پاکستان سے مہاجرین کی آمد کی وجہ سے تمام مدارس کیمپوں میں منتقل ہوگئے اور غیر معینہ عرصہ کے لیے بند کر دئے گئے۔ مجلس انتظامیہ نے اُن اساتذہ کو جو بیرون جات سے یہاں آکر مقیم ہوئے تھے۔ اُن سب کی نوکری یک قلم منسوخ کر دی۔ اُن میں، مَیں بھی ایک تھا۔ دوسرا اُستادوں کی طرح میں بھی ریواڑی چھوڑ کر باہر جانے کو تیار ہو رہا تھا کہ اچانک میری ملاقات لالہ گوردھن داس صاحب ہیڈ ماسٹر ہندو ہائی اسکول سے ہوگئی۔ رسمی بات چیت کے دوران میں، مَیں نے اُن

سے اپنی فراغت کا اظہار کیا۔ اُنھوں نے کمال ہمدردی سے اپنے اسکول میں جگہ دینے کا وعدہ کیا۔ اگرچہ اُن کا مکتب بھی ایک کیمپ تھا مگر اُنھوں نے اِس کی چنداں پرواہ نہ کی۔ یکم جنوری 1948ء سے میں اُن کے اسکول میں بطور پرشین ٹیچر مقرر ہو گیا اور کہیں دوسری جگہ جانے کا خیال ترک کر دیا۔ اور محلّہ قاضی واڑہ میں ایک چھوٹے سے مکان میں جو ہم دونو میاں بیوی کے لیے کافی تھا۔ ہم رہائش پذیر ہو گئے، یہاں قادرِ مطلق خدائے تبارک تعالیٰ کی عنایاتِ پیغامات سے میرے بڑے لڑکے راج کمار (خان) کی پیدائش ہوئی۔ 18/جون 1948ء ہمارے لیے مُبارک روز تھا۔ نخل اُمید بارور ہوا۔ ہم اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوئے اور نووارد بچّے کی پرورش اور تربیت میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔

آج 20 برس گُزرنے پر بھی میں اُسی اسکول میں کام کر رہا ہوں۔ ابتدأ میں فارسی اور اُردو کی تعلیم پر مامور تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد صرف اُردو رہ گئی۔ اور اب 1954ء سے پنجابی بحروف گرمکھی پڑھانے کی خدمت میرے ذمے سپرد ہے۔ مجھے انقلابِ زمانہ سے بہت رنج پہنچا۔ اور رہ رہ کر اپنی بدقسمتی پر افسوس کرنے لگا اور سوچنے لگا کہ جس نے اپنی عمر کا بیشتر حصّہ خدمتِ زبان میں بسر کر دیا اور اب اُس کے ہاتھ سے وہ زبان چھین گئی اُس کے لیے کیا دلچسپی رہ سکتی ہے۔ چارو ناچار پنجابی لکھنا شروع کر دی اور مختصر سی تیاری کے بعد ودوان (ہائی پرائیشنی پنجابی) کا اِمتحان دیا۔ جس کو پاس کرنے کے بعد پنجابی پڑھانے کا حق بخشا گیا۔ اِس طرح زندگی بسر ہونے لگی۔ بقول ؎

خود نچے، پر کچھ نچائے یا نچائے بندر
رُوٹی تو کما کھائے کسی طور مچھندر

کچھ اپنی قناعت پسندی اور کچھ جناب ہیڈ ماسٹر لالہ گوردھن داس صاحب کی خوش اخلاقی اور قدر دانی نے مجھے یہاں رہنے پر مجبور کیا۔ اور کسی اور جگہ جانا مناسب نہ سمجھا۔ حالاں کہ اِس دوران میں دو تین ایسے مواقع آئے کہ اگر میں چاہتا تو دوسری

جگہ جاسکتا تھا۔

عرصہ 20 سال میں خدائے تعالیٰ نے اپنے رحم وکرم سے مجھے دیگر بچے مرحمت فرمائے۔ گھر میں خوب رونق ہے۔ بچے مختلف جماعتوں میں زیرِ تعلیم ہیں اور مکان جس میں، میں غریب الوطن کے زمانہ میں آکر مقیم ہوا۔ خرید لیا ہے۔ اور یہ خدا کی امانت ہمیں حاصل ہوگئی۔

عاقبت کی خبر خدا جانے
اَب تو آرام سے گزرتی ہے

نیرنگ سرحدی
ریواڑی
2/مارچ 1967ء

میری شاعری

میری شاعری کی ابتدا جب میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ میرے کرم فرما مولانا عطا اللہ خان صاحب کی زیرِ نگرانی ہوئی۔ وہ خود ایک بہت بڑے عالم اور اعلیٰ پایہ کہ ادیب اور شاعر تھے۔ مجھے بھی شعر لکھنے کا شوق ہوا مگر میں نے اِس کا ذکر اُن سے اُس وقت کیا جب وہ تبدیل کر مردان جانے لگے۔ سب سے پہلی نظم میں نے اُن کی الوداعی تقریب پر پڑھی جس کو میرے دوستوں اور میرے بزرگ مدرسین نے پسند فرمایا۔ مولانا موصوف نے وہ نظم میرے ہاتھ سے لے لی۔ اور مجھے اپنے گھر ملنے کے لیے کہا۔ میں دوسرے روز علی الصباح اُن کے دولت کدہ پر حاضر ہوا۔ وہ نماز پڑھنے سے فارغ ہوکر آئے اور میرے سامنے میری نظم کی اصلاح دینی شروع کردی۔ میں نے دیکھا کہ وہ نظم بیشتر جگہوں میں ساکت اور غلط تھی۔ اکثر شعر وزن سے خارج اور ناقص تراکیب سے مملو تھے۔ تاہم اُنھوں نے مجھے میری اِس پہلی کوشش کی داد دی اور فرمایا کہ ''کوشش جاری رکھیے۔ آپ میں شاعری کی صلاحیت صاف نظر آرہی ہے اور وقتاً فوقتاً مجھے مَردان بغرضِ اصلاح ارسال کیجیے۔'' میں بہت خوش ہوا۔ اور اُن کا شکریہ ادا کیا۔

سلسلہ تلمذ کافی عرصہ تک رہا۔ اُس زمانے میں جناب منشی تلوک چند صاحب محرومؔ سے ملاقات ہوئی جو ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک مقامی اسکول میں نائب مدرس ہوکر تشریف لائے تھے۔ اُن کی خدمت میں رجوع کیا۔ اُنھوں نے بھی میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور چند سادہ باتیں جو بنیادِ شاعری کے لیے ضروری تھیں میرے ذہن

نشین کرائیں اور مجھے باقاعدہ لکھنے کے لیے ہدایت فرمائی۔ میں نے اُن کی نصائح پر عمل کیا تھوڑے سے عرصے میں میرے پاس کافی ذخیرہ جمع ہوگیا۔

پشاور پہنچ کر میں نے باقاعدہ غزل، قطعہ، رُباعی، مخمس، مُسدس وغیرہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ میری خوش قسمتی سے جناب فیض احمد خان صاحب فیضؔ سے مجھے ملاقات کا موقع نصیب ہوا۔ آنحضرت سرخ پوش لیڈر خان عبدالغفار خان کے پیرو تھے۔ پشتو، فارسی اور اُردو میں اُن کا کلام بہت بلند پایہ ہے۔ میں نے اپنا کلام اُن کو دکھایا۔ وہ میری زبان دانی کو دیکھ متجسس ہوئے اور معمولی اِصلاح کے بعد میرا کلام واپس دے کر فرمایا کہ ''آپ کا کلام کسی اِصلاح کا محتاج نہیں۔ بے کھٹکے لکھے کیجیے۔'' میں اُن کی اِجازت سے کبھی کبھی اپنے کلام کا کچھ حصہ جہاں شک ہوتا دکھاتا۔ اور اِصلاح قبول کرتا۔ اِس وقت صاحب موصوف حیات ہیں، خدا اُن کی عُمر دراز کرے۔

چوں کہ ہم سب کے تعلقات صوبہ سرحد کے سرخ پوش لیڈر، رہنمائے اعظم، مُحب وطن خان عبدالغفار خاں صاحب سے براہ راست رہے ہیں۔ اس لیے وہاں کے تمام شعراء اور اُدبا اپنے نام کے ساتھ سرحدی لکھنا اور اس نسبت سے خان کہلانا باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔

اُردو سبھا پشاور صدر میں بہت مدت سے قائم ہوچکی تھی جس کے صدرِ اعلیٰ جناب عبدالرب خان صاحب نشترؔ تھے۔ مجھے اُس میں شریک ہونے کے کافی مواقع نصیب ہوئے۔ مجلس مذکور میں جناب عبدالرب خاں صاحب نشترؔ، جناب شوکتؔ واسعی، جناب مولانا قائمؔ، جناب عبدالرحمٰن صاحب حافظؔ، جناب چونی لال صاحب کاوشؔ، جناب رام لال صاحب اققؔ۔ جیسے شعرا کا مجمعِ عام تھا۔ ہر اتوار کی شام کو اُردو سبھا کے دفتر میں مجلس ہوتی۔ جس میں نظمیں، افسانے، کہانیاں وغیرہ پڑھی جاتیں اور اُن پر کھلی تنقید ہوتی۔ اِس طرح ہر ایک کے تخلیق کے معائب و محاسن منظرِ عام پر آتے۔ اِس سے کلام اور ادب میں ترقی ہوتی۔ ہر ایک ادیب اور شاعر اپنی جائز اِصلاح اور تنقید کو بخوشی قبول کرتا۔

خالصہ ہائی اسکول پشاور میں میرے درس و تدریس کے زمانے میں میرے کافی شاگرد پیدا ہو چکے تھے۔ وہ کلام لکھتے اور میں اُن کی اِصلاح کرتا۔ جن میں جناب مسعود انورؔ شفیق، جناب مرزا احقرؔ، جناب حیات بخاری، جناب کالے خان عیشؔ، جناب بہاری لال صاحب شہرتؔ جیسے شاگردوں کو میں اب تک فراموش نہ کرسکا۔ اَب وہ خود بہت بڑے اُستاد کہلاتے ہیں اور اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہیں۔ خُدا اُن کو سب سلامت اور خوش رکھے۔

ریواڑی پہنچ کر مجھے وہ ماحول نظر نہ آیا جو میری طبیعت کے لیے ضروری تھا۔ طبیعت کی روانی رک گئی اور کچھ عرصہ یہ سلسلہ منقطع رہا۔ البتہ اسکول میں ہونے والی تقاریب کے لیے کچھ نہ کچھ لکھتا، جو طلبا اور عملہ میں پڑھ کر سناتا۔ لیکن میرے شوق کے لیے اِس قدر کافی نہ تھا۔ اِس لیے تسکینِ ذوق میں کچھ مایوسی ہوئی۔

1954ء میں بھیم سین صاحب سحرؔ وزیر اعلیٰ پنجاب ریواڑی تشریف لائے۔ اُن کی آمد پر میں ایک منظوم عرض داشت پڑھی۔ اُس مجمعِ عام میں جناب ڈاکٹر شام داس صاحب اخترؔ موجود تھے۔ میرے پاس گھر تشریف لائے۔ میری نظم کی بہت تعریف کی، اَثنائے گفتگو میں ہم نے فیصلہ کیا کہ یہاں کے چند لوگوں کو جو تھوڑی بہت ذوق علمی رکھتے ہوں تلاش کیا جائے اور اُن کے مشورے سے ایک ایسی مجلس قائم کی جائے گی جو ترویج علوم وفنون کا انتظام کرے۔ اِس خیال میں میں جناب ڈاکٹر ودیا ساگر صاحب قمرؔ دہلوی کی خدمت حاضر ہوا۔ اور اُن سے منشائے دِلی کا اظہار کیا۔ اُنھوں نے بخوشی قبول کیا۔ اور 13/ اکتوبر 1953ء کو بزمِ ادب کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے ارکانِ جناب قمرؔ دہلوی، جناب شام داس صاحب اخترؔ، جناب رگھوویر صاحب، جناب رادھے شیام صاحب عارفؔ، جناب لکیراج بیتابؔ، اور ناچیز راقم تھے۔

جناب ڈاکٹر ودیا ساگر صاحب قمرؔ بزمِ ادب صدر اور راقم ناظم منتخب ہوئے اور اُس رات بزم مذکور کا سب سے پہلا مشاعرہ ٹاؤن ہال میں ہوا۔

بزمِ ادب کے زیرِ اہتمام ریواڑی میں کافی مشاعرے ہوئے۔ بیرون جات سے شعراء کو بلایا گیا۔ کئی بار جناب خان غازیؔ کابلی، پُکانؔ دہلوی، سمنؔ سرحدی دہلی اور بیتابؔ انبالوی، تمنّاؔ انبالوی، اور کنول صاحب انبالہ سے تشریف لائے۔

بزم کی خوش قسمتی سے جناب کنور مہندر سنگھ صاحب بیدی سحرؔ ڈپٹی کمشنر گوڑگاؤں سے یہاں تشریف لائے۔ اُن کی صدارت میں کئی مشاعرے ریواڑی میں ہوئے۔ جناب پہلا درانے صاحب سب جج ریواڑی نے بھی کافی دلچسپی لی۔ اکثر مشاعرے ٹاؤن ہال میں اور کچھ اَہیر کالج ریواڑی میں ہوئے۔

ٹاؤن ہال کے عظیم ترین مشاعروں میں جن اصحابِ ذوق نے دلچسپی لی اُن میں جناب گوردھن داس صاحب رفیقؔ نے نہایت گرم جوشی اور سرگرمی دکھائی اور اُن کی مساعی جمیلہ سے تمام مشاعرے نہایت کامیاب ہے۔ مذکورہ مشاعروں میں جناب کنہیا لال صاحب پوسوال، جناب ودھا وارام صاحب پرنسپل جناب آئی. بی صاحب ورما پرنسپل بھی شرکت فرماتے رہے۔

اب نہ وہ زمانے رہے، نہ وہ لوگ اور نہ وہ شوق۔ زبان کی جانب لوگوں کا یہ ذوق کم ہوتا گیا آخر ختم ہوگیا۔ البتہ اپنا ذاتی شوق پورا کرنے کے لیے کہیں نہ کہیں منعقد مجلس مشاعرہ ہوتی رہتی ہے۔ بقول فراقؔ ؎

جہاں دو چار یارانِ طریقت بیٹھ جاتے ہیں
ہر ایسی انجمن کو انجمن کہنا ہی پڑتا ہے

کسی مقتدر اَدیب کا کہنا ہے کہ جس کلام سے صاحبِ کلام کی زندگی پر روشنی نہیں پڑتی اُسے کلامِ مفید کہنا درست نہیں بلکہ اُس کی شاعری ایک ہائے ہُو کا مرقع بن کر رہ جاتی ہے۔ اور اُس سے شاعری کے دِلی جذبات کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔

میری شاعری میری زندگی کا آئینہ ہے، جو کچھ کہتا ہوں، زندگی کے واقعات کے جھلک اس سے صاف نمایاں ہوتی ہے، میں زبان کو ہاتھ سے کبھی نہیں جانے دیتا۔ قدما اور متاخرین کے بلند پایۂ کلام کا مقلد ہوں۔ دِلّی، میرٹھ، پٹیالہ، جالندھر،

حصار، انبالہ، ہوشیار پور، چنڈی گڑھ، مہندر گڑھ، گوڑ گاؤں اضلاع میں بیشتر مشاعروں میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ جہاں بھی جاتا ہوں، خوب داد ملتی ہے۔ اہلِ قلم کی داد سے مجھے ایک گونہ مسرت اور دِل کو راحت نصیب ہوتی ہے۔

میری شاعری عوامی شاعری نہیں، بلکہ اُن لوگوں کے لیے ہے، جنھوں نے زبان کو باقاعدہ پڑھا اور اس سے استفادہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ زبان، اُدباء اور شعراء سے کلام کی خُوب داد ملتی ہے اور غیر اہلِ زبان عوام مجھے مشکل گو شاعر جانتے ہیں۔ مگر میں خدمتِ زبان کے صحیح معنی کو خوب جانتا ہوں اور اپنی حقیقی قدر دانی کے لیے شاعروں، ادیبوں اور اصحابِ فہم حضرات کا مَرہونِ احسان ہوں جن کی صحبتوں سے میری شاعری کو رنگِ بقائے حاصل ہے۔

نیرنگ سرحدی
ریواڑی
2/مارچ1967ء

مُحسوسات اور قیاسات

آج کل اُردو شاعروں کا رُجحانِ طبع اور سیل جذبات رومان پرور نظر آتا ہے۔ کہیں کہیں حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر حُبِ الوطنی کی جھلک بھی نمایاں ہے۔ مثنویوں اور قصائد کا فقدان ہے البتہ قطعات طنزیہ اور اصلاحی کی بہتات ہے۔ شاید اس لیے کہ دیگر اصنافِ سخن میں طبعِ آزمائی کے لیے کافی وقت درکار ہے، اور موجود قلیل الوقتی شاعر کی دوسرے لوگوں کی طرح مصروفیت میں سدِ راہ ہے۔

پیش نظر ''تعمیرِ یاس'' میں میری شاعری حُب الوطنی، تغزل، قطعات، درد و یاس کی مظہر ہے۔ اِس کی وجہ خاص ہے کہ تنگ دست لوگوں کی مجبوریوں کو دیکھ کر میرا دل بے اختیار بھر آتا ہے۔ کسی یتیم کے حال کو جان کر میرا دل روتا ہے۔ کسی کی کس مپرسی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ اہلِ زمانہ کی ستم ظریفی دِل میں خلش پیدا کرتی ہے۔ اہلِ زر کا بے زروں سے سلوکِ ناروا مجھے پسند نہیں۔ بدقسمتی سے آج کل ہمدردی اور انسانیت کہیں نہیں دیکھنے میں آتی ہے۔ اخلاقِ اِنسانی روز بروز کمزور ہوتا جارہا ہے۔ تہذیب کے اصولوں کی کارفرمائی بہت کم رہ گئی ہے۔ مادہ پرستی کا دور دورہ ہے محنت کش لوگ پریشان اور آرام پسند خوش حال اور فارغ البال نظر آتے ہیں۔ یہ پستی و بلندی اور غیر معیاری درجات اِنسانی طبائع کو ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ میں خود بھی عرصۂ دراز سے تنگ دستی کی حالت میں زندگی بسر کرتا چلا آرہا ہوں۔ اِس لیے مجھے اِن لوگوں کی تکلیفات کا پورا پورا احساس ہے۔

ظاہر ہے کہ شاعر جو کچھ قلم بند کرتا ہے، وہ تخلیق اُس کے دِلی جذبات کی آئینہ

ہوتی ہے۔ اُس پر حوادثِ زمانہ کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اُس کے دِل کا ظرف اپنے آپ چھلک جاتا ہے۔ شاعر اُس وقت اِن جذبات کو روکنا بھی چاہے تو وہ رُک نہیں سکتے۔ میری شاعری بھی اُنھیں جذبات کا مرقع اور مجموعہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس جگہ مختصراً چند عناوین پر اِس کا اظہار کر دیا جائے۔

1. حُب اُلوطنی:- پیشِ نظر ''تعمیرِ یاس'' میں اِس عنوان سے بے شمار منظومات درج ہیں۔ یہ ایک وسیع اور رُوح پرور عنوان ہے۔ کہ جس قدر شاعر چاہیے اپنے خیالات کو نئے سے نئے پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''تعمیرِ یاس'' میں اِس کا عنصر بہت زیادہ ہے۔
2. قصائد:- مُحبِ وطن، فدائے قوم، نیک سیرت، انسان کی تعریف کرنے میں دِل شاعر کو فرحت نصیب ہوتی ہے۔ اِس کو خوشامد کا نام دینا مداح کے دِل کو ٹھیس پہنچانا مقصود ہے۔ ایسی ہی چند منظومات کتابِ مذکور میں کچھ پڑھنے کو ملیں گی۔ وہ ممدوحین اگر اُن کی مدح نہ کی جائے تو اُن کے حق میں واقعی بے انصافی ہوتی ہے۔
3. مراثی:- کسی بزرگ، مُحب قوم اور مُحب وطن کی موت جس سے عوام کو دِلی رنج ہوتا ہے۔ شاعر بھی اُس سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔ میری شاعری میں چند ایسے مرثیے ملیں گے جو اعلیٰ ہستیوں کی وفات پر مندرجہ ہوئے ہیں۔
4. غزلیات:- قدیم اور جدید رنگ میں غزلیات لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ غزلوں میں عام طور پر مضامین ہوتے ہیں جو اہلِ زمانہ کی نظروں میں پسندیدہ اور مقبول ہوں۔
5. لافانی ہستیاں:- اِن میں گورو نانک، مہاویر سوامی، لالہ لاجپت رائے، شہید بھگت سنگھ، پنڈت جواہر لعل نہرو، لال بہادر شاستری وغیرہ۔ مردانِ بزرگ اور رہنمایانِ قوم کے متعلق اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔
6. زوالِ زبان کے صدمات:- میری شاعری کا یہ عنصر کسی حد تک زیادہ روشن

نظر آتا ہے۔ میری تمام عُمر خدمتِ زبان میں بسر ہوئی۔ میں نے زبان کو زبان کی غرض سے حاصل کیا۔ استادانِ فن کے زیرِ سایہ پرورش پائی، نیز شعرائے اساتذہ سے تربیت حاصل کی۔ اُن کی صحبتوں سے استفادہ حاصل کیا۔ عظیم الشان محافل و مجالس میں شرکت کے مواقع نصیب ہوئے۔ اہلِ ادب سے دادِ سخن پائی۔ اب زندگی ایسے انقلابات سے گزری جس میں تمام لذائذ ختم ہوگئے۔ انصاف فرمایئے کہ ایسے شخص کے لیے جس نے اپنا سرمایۂ حیات ہی خدمتِ زبان کو سمجھا ہو۔ بھلا وہ اِس زبان کی اہمیت اور گونا گوں دلچسپیوں کو کس طرح فراموش کرسکتا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا غیر شاعر اندازہ بھی نہیں کرسکتا۔ حقیقت میں قدر دانی زبان ایک ادیب کا حصّہ ہے اور لطفِ زبان کا جاننا ایک شاعر کے دِل کا کام ہے ؎

زیارت کی تعظیم زائر سے پوچھو
کمالاتِ پرواز طائر سے پوچھو
ادب جان سمجھو ادیبوں کی نیرنگؔ
تو قدرِ زباں ایک شاعر سے پوچھو

خدمتِ زبان پر شاعر کا منشائے دلی ہوتا ہے۔ جس میں شاعر کو روحانی غذا میسر ہوتی ہے یہی حالِ راقم السطور کا ہے۔ میرے احباب مجھے معاف فرمائیں کہ جو کچھ کہتا ہوں۔ دِلی جذبات سے مجبور ہوکر۔ نیک نیتی میرا مسلک ہے۔ مجھے ہر زبان سے اتنا ہی اُنس ہے جتنا اُردو سے ؎

نیرنگؔ کسی زبان کا شاعر ہو یا ادیب
ہے محترم ہر ایک سخن داں میرے لیے

نیرنگؔ سرحدی
ریواڑی
24-03-1967

نریش نارنگ سلیم
(فرزند جناب نیرنگ سرحدی)

ایک تھا شاعر: نیرنگ سرحدی

چہرے پر بڑھاپے کے نشان، آنکھوں میں سُونا پن اور ہونٹوں پر ایک مجبوری مسکراہٹ۔ یہ تصویر ہے مرحوم نیرنگ سرحدی کی۔

وہ ایک فن کار تھا جو فن کی دہلیز پھلانگ کر پورا انسان بن گیا۔ وہ ایک شمع تھی جو ریواڑی کی محفل میں 25 سالوں تک اپنا دم توڑتی رہی۔ وہ ایک شاعر تھا جو شاعری کے معیار کو اونچا اُٹھا کر خود گمنام سا اس جہان سے اُٹھ گیا۔

اُس وقت میں بہت چھوٹا بھی نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ ایک شاعر تھے۔ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ تنگ دستی کے دور سے گزر رہے تھے مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کتنے اونچے درج کے شاعر تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ان کی تنگ دستی ان کے سارے وجود کو کھائے چلی جا رہی تھی۔

آج ان کے کلام کو پڑھتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کس قدر مجبوریوں اور مایوسیوں سے گھری تھی۔ یوں تو انھوں نے اپنی ساری زندگی ہی معمولی تنخواہ پانے والے ایک ماسٹر کے روپ میں گزار دی تھی مگر ریٹائرمنٹ سے لے کر موت کے بیچ کے دو سال کا جو لمبا سفر انھوں نے طے کیا تھا اب اسے یاد کرتا ہوں تو کانپ اُٹھتا ہوں۔

ایک شاعر کی حیثیت سے بھی انھوں نے اگر نام کر لیا ہوتا تو شاید وہ اپنی تنگ دستی کو بھول گئے ہوتے۔ لیکن وہ وقت کی تیز رفتار کے ساتھ چل نہیں پائے تھے اور اسی وجہ سے پچھڑ گئے۔ زندگی بھر ایک تمنا کو دل میں پالے رہے کہ ان کا مجموعہ چھپے، مگر اس

تمنا کو دل میں لیے ہوئے ہی اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے۔ ان کے انتقال کے 12 سال بعد ان کا پہلا مجموعہ کلام ''ایک تھا شاعر'' چھپ سکا جو دیوناگری میں تھا۔

آج میں فخر محسوس کر رہا ہوں کہ ان کا ایک اور مجموعہ انہی کی خواہش کے دلی بقا اُردو میں شائع ہو رہا ہے۔ اس کے لیے میں شکر گزار ہوں جناب کشمیری لال ذاکر صاحب کا جنھوں نے اس مجموعے کو شائع کرانے میں مدد دی۔ جناب راجیو سکینہ کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے ان کے کلام کو پروفیسر جگن ناتھ آزاد صاحب تک پہنچانے میں میری مدد کی۔

جناب آزاد صاحب کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے مصروف ہونے کے باوجود اس مجموعے کے لیے دیباچہ لکھا۔

نریش نارنگ سلیم
(فرزند جناب نیرنگ سرحدی)

''مناجاتِ شاعر'' کا تجزیہ

نند لال نیرنگؔ نے مسدس کی شکل میں آٹھ بند کی مناجات لکھی جو اُردو کی مناجاتوں کی صفِ اول میں شمار کی جاسکتی ہے۔ یہاں بندے اور ربّ کا رشتہ، دُنیائے دَنی کا قصہ، ادبی، سماجی، ثقافتی، علمی اور سیاسی مسایل کا نوحہ بڑے ہی پُر اثر لہجے میں سُنا کر شاعر نے اپنی پُر درد زندگی کا شُکر ادا کر کے خود کو بندگی کی اعلیٰ ہستیوں میں شامل کیا ہے جس نے نیرنگؔ کی عجز و انکساری، صبر و تحمل، بُردباری اور اعلیٰ ظرفی ظاہر ہوتی ہے۔ اس مناجات کی زبان اور اس کا بیان کلاسیک اُردو مناجات کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ نیرنگؔ نے تقریباً تمام تر اسلامی تلازمات اور مناجاتی پیرائے میں دل کی گہرائیوں سے جو اشعار لکھے ہیں، وہ پروردگار کی بارگاہ میں جذبات کی شدّت، احساس کی قوت کے ساتھ صداقت اور حقیقت سے ہم کنار ہیں۔ چناں چہ عقاید میں فرق ہوتے ہوئے بھی عقیدت میں فرق نظر نہیں آتا یعنی کثرت میں وحدت کی جلوہ نمائی ہوتی ہے۔ شاید یہ بھکتی کا اثر اور اُس فارسی استاد کو مولانا رومؔ کی روشنی کا فیض ہو جہاں پر مولانا رومؔ نے فرمایا ہے کہ ''تو جو کچھ بھی ہے میرے پاس آجا، تو اگر گبر، بت پرست یا آتش پرست بھی ہے تو میرے پاس آجا۔ یہ درگاہ ناامیدی کی درگار نہیں ہے اگر تو نے سو مرتبہ بھی توبہ کر کے توڑی ہے تو پھر بھی اس درگاہ خداوندی میں تیری جگہ خالی ہے۔

باز آ باز آ آنچہ ہر ہستی باز آ
تو گبر، آتش پرست و بت پرستی باز آ

این درگاہِ ما درگاہِ نامید نیست
صد بار گر توبہ شکستی باز آ

نیرنگؔ کی مناجات میں خالق کائنات کی حمد، عظمت، وحدت کے ذکر کے ساتھ اس کے صفات اور مخلوقات اور کائنات پر اس کا اختیار اور اقتدار کا ذکر ہے۔ مناجات کے مطلع کے بند میں بحر کی نغمگی اور ردیف کی ملکیت جو قوافی پر ظاہر ہو رہی ملاحظہ کیجیے۔

دَرد مندوں کی دَوا، اور شِفا کے مالِک
خالقِ ہر دو جہاں، اَرض و سَماء کے مالِک
صاحبِ فِقر و غَنا، شاہ و گدا کے مالِک
واقفِ رازِ فنا، دارِ بَقا کے مالِک
ہیں گُل و خار ترے، سَرو و سَمن تیرے ہیں
خُشک و تَر تیرے ہیں صحرا و چمن تیرے ہیں

مناجات کے پہلے چار مصرعے سوائے لفظ ''کے'' سب فارسی ہیں، لیکن اس سلاست اور شگفتگی کے ساتھ مصرعوں میں پُروے گئے ہیں کہ اس کو سمجھنے میں دشواری نہیں۔ نیرنگؔ زبان و بیان پر قدرت رکھتے ہیں اس لیے تراکیب میں ایسے الفاظ لاتے ہیں کہ مصرعوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ واقف راز فنا، دار بقا، فقر و غنا، ارض و سما، دوا اور شفا، سرو و سمن اس کے گواہ ہیں۔ پورے بند میں صنعتِ تضاد یعنی دو متضاد الفاظ کی جلوہ گری ہے جیسے ارض و سما، فقر و غنا، شاہ و گدا، فنا و بقا، گل و خار، خشک و تر اور صحرا و چمن وغیرہ وغیرہ۔

شاعر نے پہلے ہی بند میں پروردگار کی ساری کائنات پر مالکیت کا اعلان کر دیا۔ شکر گزاری جو سب سے بڑی عبادت ہے اس میں اپنے فن کی رنگینی بکھری، یہاں تلمیذ الرحمان اپنے استاد ازلی سے اس نعمت کا ذکر کر رہا ہے جس کے بارے میں مشہور ہے۔

ع : این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نیرنگ کہتے ہیں ؎

تُو نے بخشے اَدبی ذوق کے ساماں مجھ کو
یُوں، کہ صحرا نظر آتے ہیں گُلستاں مجھ کو

کبھی آغوش میں لیتے ہیں بیاباں مجھ کو
تیری رَحمت نے بنایا ہے سخن داں مجھ کو

باغِ جنّت جسے کہتے ہیں دکھایا مجھ کو
مسندِ شاہ نشیں پر بھی بٹھایا مجھ کو

میری پروازِ تخیّل کو جو رَفعت بخشی
تو فرشتوں سے زیادہ مجھے وقعت بخشی

میر انیسؔ نے بجا کہا تھا ؎

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروجِ مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

پشاور کے قیام اور جوانی کے زمانے میں نیرنگؔ بہت خوش اور شاد فکر تھے لیکن پھر گردشِ ایام میں ہجرت کر کے وطن سے دور رہنے کا احساس انھیں عمر بھر رہا۔ سچ ہے ان کو مہاجر ہونے کی وجہ سے بے زری اور مفلسی سے بڑھ کر اُس نئے ماحول کی ناقدری کا گلہ تھا۔ میر انیسؔ نے کہا تھا ؎

ع : ناقدریٔ عالم کی شکایت نہیں مولاؑ

نیرنگ کہتے ہیں ؎

بے زَری کی نہیں لیکن یہ شکایت مولا
ہے یہ ناقدریِ عالم کی حکایت مولا

نیرنگؔ نے جگہ جگہ پر عوام کی ناقدری، اور نافہمی کا بڑے درد سے ذکر کیا ہے۔ شاعر کو جس ماحول اور محفل کی ضرورت ہوتی ہے وہ انھیں میسّر نہ ہوئی۔ یہی نہیں بلکہ نامساعد حالات کے تحت ان کے ہمنوا، شعرا اور اُردو ادیبوں کو بھی یہ آزادی میسّر نہ ہوئی۔ یہاں کس قدر درد سے اپنے دل کی کیفیت اور اُردو سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔

ہائے یہ گردشِ ایّام خداوندِ کریم!
روزِ روشن میں سیہ شام خداوندِ کریم!

جو ہُنر مند ہیں رُوپوش ہوئے جاتے ہیں
صاحبِ علم بھی خاموش ہوئے جاتے ہیں

ہائے لُٹتا ہے بزرگوں کا خزینہ یارَب
غرق ہونے کو ہے اُردو کا سفینہ یارَب

نیرنگؔ اُردو فارسی کے شاعر تو تھے لیکن وہ اُردو کو اُس کا جائز مقام دلانے کے لیے ہمیشہ دامے، درمے قدمے کوشاں تھے۔ نیرنگؔ نہ صرف اُردو کی بقا برصغیر کے لیے ضروری سمجھتے تھے بلکہ وہ اُردو تہذیب کے قدرداں اور تبلیغ رساں بھی تھے۔ اس لیے انھوں نے اس مشکل وقت میں بھی ہمت اور امید نہ ہاری بلکہ خدا کی رحمت پر بھروسا کر کے یقین سے دُعا کی جس میں یہ بتایا کہ اُردو، اُردو والوں سے نہیں بلکہ اُردو سے اُردو داں اور اُردو تہذیب زندہ ہے۔ کہتے ہیں کہ بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

یہاں نیرنگؔ کی دل کی پکار کی گونج پر ہم بھی آمین کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

نیرنگؔ کے کلام میں اساتذہ کے کلام کا اثر جگہ جگہ پر ملتا ہے۔ غالبؔ کے شعر

کا سوز و گداز ملاحظہ ہو ؎

نالۂ دَرد کو کہتے ہیں رَسا ہوتا ہے
ناخدا جس کا نہ ہو اُس کا خدا ہوتا ہے

خوب صورت تراکیب، معنی خیز مطالب، روز مرّہ اور محاوروں کی رنگینی شاعر کے چہرے کو گلستاں اور دل کو چراغاں کر دیتی ہے ؎

اپنی رَحمت سے مجھے پھر گُلِ خنداں کر دے
رُخ پژمُردہ کو تو رشکِ بہاراں کر دے

اور اسی طرح

ع : قلبِ تاریک میں پھر میرے چراغاں کر دے

ہم اس مناجاتی مضمون کو نیرنگؔ کے دعائیہ مصرعے پر تمام کرتے ہیں۔

ع : میرے نغمات سے گونج اُٹھے فضائے عالم

آج نیرنگؔ کا مجموعۂ کلام ''تعمیرِ بقا'' اسی خواب کی تعبیر بن کر اُردو دُنیا میں خوشبو کی طرح پھیل رہا ہے۔

نیرنگؔ کی نعت نگاری

نندلال نیرنگؔ کا پورا کلام دستیاب نہیں، خصوصی طور پر وہ کلام جوان کا ابتدائی دور کا پُر جوش کلام تھا۔ آوارگی، خانہ بدوشی اور مہاجرت کی مشکلات سے ہم سب واقف ہیں۔ نیرنگؔ کی غیر مطبوعہ بیاضوں میں ہمیں ایک آٹھ شعر کی نعت جوانھوں نے انتقال سے تین چار سال قبل جناب عارف علی سجادہ نشین حضرت نظام الدینؒ اولیا دہلی کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اس نعت کے علاوہ ان کے کلام میں تین نعتیہ مصرعے اور ایک منقبتی قطعہ رسولؐ کے نواسے امام حسینؓ کی شان میں ملتے ہیں۔ اگر چہ نندلال نیرنگؔ پیدائشی ہندو تھے لیکن وہ ہر مذہب اور دھرم کو عزت اور عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ نعت حدیثِ دل ہے۔ جس کو وہی شخص لکھ سکتا ہے۔ جس کا دل عشقِ محمدؐ سے سرشار ہو، اس آٹھ شعر کی مردّف نعت۔ جس کی ردیف ''مدینہ'' ہے، نیرنگؔ کا خلوص اور جذبہ ہر مصرعہ کا عنوان اور انسانی قدر کا مضمون ہو کر الفاظ سے نور بکھر رہا ہے۔ اس لیے تو نیرنگ نے کہا ہے۔

یہ جوشِ محبت ہے کہ اخلاص کا جذبہ
ہر بات بنی جاتی ہے عنوانِ مدینہ

اسی جوشِ اخلاص اور محبت میں شہرِ نبیؐ مدینہ کو جو حضورؐ سے نسبت حاصل ہے۔ شاعر نے اُسے زمین سے اٹھا کر فلک بوس کر دیا ہے۔ سلطان مدینہ سے فیضان مدینہ، دبستان مدینہ سے احسانِ مدینہ، گلستانِ مدینہ سے شانِ مدینہ، اور شاعر کا ارمانِ مدینہ سے اس کی جانِ مدینہ تک کا عشقیہ سودا نعت کا حاصل معلوم ہوتا ہے۔

نعت کا مطلع دیکھئے ؎

کیوں کر نہ کروں مدحتِ سلطانِ مدینہ
جب پیشِ نظر ہوں مرے فیضانِ مدینہ

تمام غیر مسلم نعت گو شاعروں نے حضرت محمدؐ کی مدحت سرائی اس لیے بھی کی کہ وہ بہترین انسان تھے۔ ان کے اخلاق لوگوں کی محبت اور دلجوئی سے منور تھے۔ حضورؐ کا فیض عام تھا اسی لیے آپ کو رحمت اللعالمینؐ کہا گیا، کیوں کہ آپؐ کے اخلاق و کردار عادات و اطوار بہت عظیم تھے اسی لیے قرآن نے بھی آپؐ پر خلق عظیم کی سند ثبت کی۔ یہ حضورؐ اکرم کے وجود کا صدقہ تھا کہ بے نام و نشان صحرا جو جاہل قبیلوں سے بھرا پڑا تھا۔ تہذیب کا مرکز اور گہوارہ بن گیا۔ جہاں دُنیا سے لوگ آ کر علوم حاصل کرنے لگے۔ اسی لیے نیرنگؔ نے اس مدینہ کی خاک کو اپنی جان سے تعبیر کیا ہے۔

تہذیب کا گہوارہ دبستانِ مدینہ
یہ خاکِ عرب ہے وہ مری جانِ مدینہ

دُنیا میں نفرت اور قتل و غارت گری کا دور ہمیشہ رہا ہے۔ تاریخ کے صفحات خون سے رنگین ہیں ایسی دُنیا میں خصوصی طور پر عرب کے قبایل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان میں محبت مروّت اور اخوت کا نام نہ تھا اس خون ریز صحرا کو حضورؐ نے محبت، مساوات، تعلیم و تربیت اور اخلاق سازی سے گلستان بنا دیا جس کا رنگ اور جس کی خوشبو کی آج دُنیا میں ہر مقام پر خوشبو محسوس کی جاتی ہے۔

خوشبوئے محبت سے معطّر ہے زمانہ
کس شان سے مہکا ہے گلستانِ مدینہ

نیرنگؔ کی شاعری اس لیے بھی دل میں اُتر جاتی ہے اس میں ملٹن کی کہی ہوئی تینوں قدریں یعنی سلاست، صداقت اور جوش سب موجود رہتی ہیں۔ یہاں خیال دل سے نکل کر دلوں پر گرتا ہے۔ نیرنگؔ کے مصرعوں میں روزمرّہ کی چاشنی، شگفتگی اور تازگی پڑھنے اور سننے والے کے کان اور دہان میں رس گھولنے لگتی ہے جو شرین بیانی

کی شناخت ہے۔ نیرنگؔ اگرچہ فارسی کے استاد اور فارسی کے شاعر بھی ہیں لیکن وہ اپنی اُردو شعریات میں نرم آسان ذود فہم تراکیب برتے ہیں۔

اس نعت کے تمام قافیے ردیف ''مدینہ'' کے ساتھ معنی آفرینی کے حامل ہیں۔ یہ قافیے اس طرح تزین کیے گئے ہیں کہ ردیف و قافیے ایک دوسرے میں شیر و شکر کا شربت بن گئے ہیں جو شاعر کی قادر اللکلامی اور کہنہ مشقی کی سند بھی ہے۔ شاعر نے کس خوب صورتی سے حضورؐ اکرم کی کائنات پر رحمت اور گردش لیل و نہار پر ان کی حکومت اور مخلوقات پر ان کی حکمت کا سادے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں نیرنگؔ بھگتی کے علوم سے واقف تھے۔ کہتے ہیں ؎

کیوں سایۂ افلاک میں خدشہ ہو کسی سے
ہوگا وہی ہوگا جو ہے فرمانِ مدینہ

یعنی جب تک صاحبِ مدینہ اور ان کا فرمان جاری ہے آسمان کے نیچے کوئی پتہ ان کی اجازت بغیر نہیں ہلے گا۔ دوسرے مصرعے میں ''ہوگا'' کی تکرار نے مصرعے میں غنایت کے ساتھ ایک تسکین بخش لہجہ بھی دیا۔

نیرنگؔ جانتے ہیں کہ دُنیا میں کئی ایسے معتبر متبرک ممتاز اور مقبول مقامات ہیں جن سے تجلّی اور روشنی کی لہریں پھیلتی رہتی ہیں مگر ان سب کا ذکر اور بیان مدینہ کی شان پیدا نہیں کرسکتا۔ اسی لیے نیرنگؔ کا دل ان کے سینے میں مدینے کے ارمان میں تڑپتا ہے جس کے سامنے دُنیا کی ہر چیز بے وقعت اور ہیچ ہو جاتی ہے۔

؎ : کچھ اور مقامات بھی ہیں ارفع و اعلیٰ
ان سب سے زیادہ ہے مگر شانِ مدینہ

؎ : ہے ہیچ ہر اک چیز جہاں کی مرے آگے
سینے میں تڑپتا رہے ارمانِ مدینہ

اس نعت کے مقطع میں نیرنگؔ اپنے ساتھ ہر وہ شخص جو ایمان یعنی سچائی اور عرفان کے ساتھ ہے اُس کو شامل کر کے کہتے ہیں کہ ہم سب حضورؐ کے احسان مند ہیں ؎

نیرنگؔ ہی نہیں زیرِ گراں باریٔ احساں
ہر صاحبِ ایماں پہ ہے احسانِ مدینہ

افسوس اس بات کا ہے کہ یہ نعت تین اگست 1970ء کو پڑھی گئی لیکن کہیں محفوظ نہ ہوئی۔ اس نعت کو نعتیہ ادب میں اس لیے بھی شامل کرنا ضروری ہے کہ ایک غیر مسلم کی نعت کا انداز، لہجہ، موضوع اور جذباتی کیفیت جو بعض مسلم نعت نگاروں سے بھی اعلیٰ ہے۔

اس نعت کے ساتھ ہم تین علاحدہ مصرعے جوان کے کلام میں دستیاب ہوئے اور جو اسی نعت کی قوافی پر ہیں یہاں ہم اس لیے بھی پیش کر رہے ہیں کہ نیرنگؔ اسی رخ پر روشنی ڈال رہے ہیں کہ حضورؐ اکرم کی تعلیمات، شاداب اور گلستان پُر بہار کی طرح ہیں، آپ کا مخلوق پر اتنا کرم اور احسان ہے کہ اس کا بھلانا آسان نہیں۔

شاداب کس قدر ہے گلستاں رسولؐ کا
ہے ساری کائنات پہ احساں رسولؐ کا
کیسے بھلا سکے کوئی فیضاں رسولؐ کا

عاشقِ اُردو شاعرِ شریں بیان نیرنگؔ

نند لال نیرنگؔ اُردو زبان کے عاشق تھے۔ اُردو اُن کی معشوقہ تھی۔ نیرنگؔ اگرچہ اُردو اور فارسی کے شاعر ہونے کے علاوہ افسانہ نویس، مترجم اور ڈرامہ نگار بھی تھے لیکن وہ درحقیقت اُردو شعر و ادب کے سچے خدمت گزار تھے۔ اُردو کی محبت ان کی گھٹی میں پلی تھی اور اسی اُردو تہذیب کے دل دادہ بھی تھے۔ اُردو فارسی کے معلّم اور محسن بھی تھے۔ وہ کئی تخلیقی اور تعمیری قدروں کے مالک تھے۔ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے کہ وہ بیک وقت اُردو فارسی کے عمدہ شاعر، اُردو فارسی کے منجھے ہوئے معلّم، افسانہ نویس، مترجم، ڈرامہ نگار اور دل سوز سماجی کارکن تھے۔ مہاجرت کی مشکلات، تنگ دستی، وطن سے دوری، ناقدری وغیرہ کے مسایل سے دو چار شخص کو کہاں اتنی فرصت ہوتی ہے کہ وہ زبان اور شاعری کی خدمت کر سکے لیکن نند لال نیرنگؔ کو اُردو کی محبت جنون کی حد تک تھی جس کا مشاہدہ اور عملاً ثبوت ان کی زندگی جو گھر کے اندر اور مدرسے اور گھر کی باہر کی محافل سے آشکار تھا۔ نیرنگؔ اپنے تمام بیٹے بیٹیوں کو صحیح اُردو بولنے کی ہمیشہ تاکید کرتے تھے وہ اس ضمن میں کسی رواداری کے قایل نہ تھے۔ چناں چہ ان کے منجھلے بیٹے نریش کے مطابق نیرنگؔ نے اپنے بڑے بیٹے راجکمار خان سے پورے ایک سال تک اس لیے گفتگو نہ کی کہ وہ اُردو تلفظ کو اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اس محسن اُردو نے اُردو تعلیم کو عوام میں عام کرنے کے لیے جو طلبا ان کے گھر اُردو ٹیوشن کے لیے آتے تھے اُن سے انگریزی ٹیوشن کے طلبا کے مقابل نصف فیس لیتے تھے۔ نیرنگؔ اُردو تہذیب میں رچی بسی ایسی شخصیت تھی کہ ان کا لباس اور

رہن سہن کسی باوقار اُردو شاعر کی طرح کالی شیروانی میں ملبوس، شینل کی ٹوپی سجائے کشمیری چھڑی ہاتھ میں رکھے نظر آتے تھے۔ اُردو کے اس عاشق کے گھر میں آویزاں مرزا غالبؔ کی بڑی سی تصویر تھی، وہ غالبؔ کے اُردو فارسی کلام کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہتے اور گھر پر سال میں کم از کم دو بار بزمِ ادب کا مشاعرہ منعقد کرتے۔ اگرچہ غالبؔ کی سو سالہ سالگرہ پر انھوں نے ریواڑی جیسے مقام پر بھی عمدہ مشاعرہ منعقد کیا۔

نیرنگؔ کو اُردو زبان پر ناز تھا وہ اُردو کی فصاحت اور بلاغت سے بہت متاثر تھے۔ خود کہتے ہیں ؎

کِس سے پوشیدہ ہے اُردو کی فصاحت نیرنگؔ
یہ زباں وہ ہے کہ ہوں جس پہ مَیں نازاں اب تک

اُردو کا شاعر ہی اُردو کی رنگینی اُردو کی چاشنی اُردو کی دلبری اور اُردو کی اہمیت و عظمت سے واقف ہوسکتا ہے۔ اسی لیے تو نیرنگؔ نے کہا ہے ؎

زیارت کی تعظیم زائر سے پوچھو
کمالاتِ پرواز طائر سے پوچھو
ادب جان سمجھو ادیبوں کی نیرنگؔ
تو قدرِ زباں ایک شاعر سے پوچھو

پھر پوچھتے ہیں ؎

کوئی پوچھے ذرا اِن اہلِ نظر سے نیرنگؔ
کہ زبانوں میں حسیں اُردو زباں ہے کہ نہیں

اسی لیے وہ اُردو کی نغمہ سرائی کرتے ہیں ؎

کمالِ سخن ہر زباں میں ہے نیرنگؔ
مگر لُطفِ اُردو زباں اور بھی ہے

نیرنگؔ ہر ادب کے شاعروں اور ادیبوں کا احترام کرتے ہیں۔ انھیں اسی طرح کسی مذہب اور فرقے سے تعلق نہیں جیسا کہ اقرار بھی کہا ہے۔

کچھ تعلق نہیں نیرنگؔ کو کسی فرقے سے
وہ تو بے چارے سخن داں نظر آتے ہیں

یہ شعر دیکھئے

ہر زباں ایک سی ہے میری نظر میں نیرنگؔ
فرق کچھ ہندی و اُردو کے سخن داں میں نہیں

غالبؔ کے عاشق اور ان کی ساحرانہ شاعری کے پرستار غالبؔ کے دور کی اُردو اور نیرنگؔ کے زمانے کی اُردو سے مقابلہ کر کے کہتے ہیں

ہر سُو ہے ذکرِ غالبِ شیریں مقال کا
چرچا ہے اُس کے شعرِ عدیم المثال کا
نیرنگؔ وہ تھا عروجِ زبان و اَدب کا دور
یہ دَور ہے زبان و اَدب کے زوال کا

نیرنگؔ اگرچہ حضرت غالبؔ کے معنوی شاگرد تھے لیکن حقیقی شاگردی انھوں نے جن شعرا کی اس کا ذکر ہم نے سوانح میں کیا ہے مگر اس فہرست میں محرومؔ اور فیضؔ سرفہرست ہیں۔ نیرنگؔ نے ان تمام شعرا سے فن سیکھا لیکن کسی کے مقلد نہ رہے۔

کیوں نہ اے نیرنگؔ میں خود خادم الشعرا کہوں
اِن سے ہی تو میں شناسائے زباں ہوتا گیا

یا کبھی اس طرح اپنے دل کو بہلا لیتے ہیں

دل بستگیِ عام کی پروا نہیں نیرنگؔ
بہلانے کو دِل جب مرے اشعار بہت ہیں

تخلیق ہی زبان کے ارتقا کو جاری رکھتی ہے۔ تخلیق کار اُردو کا محسن اور مسیحا ہے۔ نیرنگؔ نے مشکلات اور مصروف زندگی میں بھی شاعری سے تعلق ترک نہیں کیا۔

لکھے جاتے ہیں مجبوری میں چند اشعار اے نیرنگؔ
اسے عہدِ رواں میں خدمتِ اُردو زباں کہیے

ہم اس تحریر میں نیرنگؔ کے اشعار سے ہی ان کی اُردو خدمت اور موجودہ حالات کے تحت ان کے خیالات کو پیش کرر ہے ہیں۔ وہ اُردو کی حالت تقسیم ہند کے بعد بڑے غور وخوض سے دیکھ رہے تھے، کیوں کہ مشاعروں، محفلوں میں ان کی آمد و رفت مدرسوں میں ان کی تعلیم اور سماج میں اُردو سے بے تعلقی نہیں بلکہ معاندانہ رویہ سے انھیں تشویش لاحق تھی کیوں کہ وہ اُردو کو ہندوستان کے ماتھے کا ٹیکہ تصوّر کرتے تھے۔ رشید احمد صدیقی نے کہا تھا کہ ''مغلیہ دور نے ہندوستان کو تاج محل، اُردو زبان اور مرزا غالبؔ دیئے چناں چہ اسی لیے نیرنگؔ کہتے ہیں۔

زیادہ اس سے توہینِ اَدب کیا ہوگی اے نیرنگؔ
بزرگوں کی زباں کو بھی زباں ہم کہہ نہیں سکتے

لیکن پھر دلاسا بھی دیتے ہیں۔

ناقدریٔ عالم کے ڈر سے مایوس نہ ہو اَے میری زباں
کچھ چاہنے والے تیرے بھی اِس دور میں پائے جاتے ہیں
اور اس کی پروا بھی نہیں
ہمیں پوچھے بھلا نیرنگؔ کوئی کیوں زمانے میں
ہماری قدر دانی تو فقط اُردو زباں تک ہے

نیرنگؔ نہ صرف اُردو کے ایک عمدہ شرین بیان شاعر ہیں بلکہ وہ ایک مجاہد اُردو بھی ہیں، اور ہر طرح اور طریقے سے اُردو کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ مشہور ہے جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ نیرنگؔ زباں کی زبوں حالی پر آہ فغاں بلند کرتے ہیں۔

ذیل کے تین قطعوں میں کس خوب صورتی سے ان کے دور کے اُردو حالات کو قلم بند کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔ کہیں دل سے نکلی فغاں ہے تو کہیں عوام اور خواص سے سوال ہے نیرنگؔ مایوس نہیں بلکہ

الٰہی داستانِ دِل بیاں مشکل سے ہوتی ہے
یہ وہ عالَم ہے جب ہم سے فُغاں مشکل سے ہوتی ہے

اب ایسے دَور میں داخل ہوئی ہے زندگی نیرنگؔ
کہ جس میں خدمتِ اُردو زباں مشکل سے ہوتی ہے

مکاں لٹتے تو دیکھے ہیں زباں لٹتی بھی دیکھی ہے
کسی عاشق کا دِل، نازک سی جاں لٹتی بھی دیکھی ہے
خُدا کے واسطے اِتنا تو بولے دیکھنے والے
کہیں پر آج تک تو نے زباں لٹتی بھی دیکھی ہے؟

گُلزارِ ادب کی یہ خزاں ہے نیرنگؔ
یا سازِ شکستہ کی فُغاں ہے نیرنگؔ
اب آرزُوئے لُطفِ تغزل ہے عبث
یہ مرثیۂ اُردو زباں ہے نیرنگؔ

نیرنگؔ اُردو کے کبھی مرثیہ خواں ہیں کبھی رجز خواں ہیں بعض اوقات وہ تشویش کے عالم میں یوں بھی رودادِ دل لکھ دیتے ہیں

دامنِ اُردو زباں جب ہاتھ سے جاتا رہا
حضرتِ نیرنگؔ پھر ذوقِ زباں خوانی کہاں

اس تحریر میں ہم جو اشعار پیش کر رہے ہیں ان کا تجزیہ یا ان پر فنی تبصرہ اس لیے بھی پیش نہیں کر رہے ہیں کہ ایک مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہیں البتہ نیرنگؔ کی اُردو محبّت، اُردو صداقت اور پر آشوب ماحول میں قول و قلم سے اِس کی حفاظت میں بکھرے ہوئے، شعروں کو چند صفحات میں سجا رہے ہیں تا کہ ایک سرسری نظر میں اس اُردو بارگاہ کے قدیم خدمت گزار سے مصرعوں میں گفتگو ہو جائے۔

وہی کاشانۂ اُردو ہے مگر اَب اُس میں
شمع جلتی ہے نہ پروانہ نظر آتا ہے

شاعری کا لطف اس کے سنانے اور سننے سے ہے۔ قدر دانی داد و دہش سے ہے لیکن تقسیم ہند کے فوری بعد نا موافقِ حالات نے کچھ ایسا ماحول بنایا کہ نیرنگؔ کو کہنا پڑا۔

لُطف سُننے میں کہاں اور سُنانے میں کہاں
داد دینے میں کہاں، داد کے پانے میں کہاں
دلِ بیتاب کی باتیں ہیں یہ ورنہ نیرنگؔ
قدر دانیٔ سخن آج زمانے میں کہاں

نیرنگؔ کو وہ ادبی محافل و مجالس اور وہ مشاعرے یاد تھے جو خصوصی طور پر جس مقام پر وہ رہ رہے تھے موجود نہ تھے اور جس کا افسوس وہ کرتے رہے اور دل پر گزرتی تھی رقم کرتے تھے۔

جو ہوتی قدرِ متاعِ ہُنر تو اے نیرنگؔ
یہ آرزو تھی کہ کچھ خدمتِ زباں کرتے

ہم جانتے ہیں کہ نیرنگؔ کی شاعری ٹکسال باہر نہ تھی ان کا حسن بیان شعر میں لطفِ شعر بڑھا دیتا ہے اور وہ اسی پر نازاں ہیں اور ان گزری محافل کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔

شعر کے واسطے ہے حُسنِ بیاں بھی نیرنگؔ
شعر کہنا ہو تو کہیے نہ زباں سے باہر

سُنا کرتے تھے نیرنگؔ جس کے ہم اَشعار کے چرچے
یہاں اُس شاعرِ جادو رقم کو دیکھنے آئے

لیکن انھیں معلوم ہے کہ اب شاعری میں شہ پارے جو قدیم شعرا کی اعجاز بیانیوں سے وجود میں آئے وہ مشکل سے تخلیق ہوں گے۔ یہی نہیں بلکہ اُس طرح کے شعر فہم اور سننے سمجھنے والے بھی بہت نایاب ہو جائیں گے۔

چرچا یُوں ہی رہے گا اَدب کے بیان میں
افسوس پھر نہ آئیں گے وہ شاعری کے دِن

یہ جو کچھ افسردگی کا لہجہ نیرنگؔ کی شاعری میں ملتا ہے اس کی خاص وجہ وہ خاص وقت بھی ہے جب تقسیم ہند کے بعد اُردو کو صرف مسلمانوں کی زبان بتا کر اُردو کو مسلمان بنانے کی کوشش جاری تھی اور ع: ''دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی'' جب کہ یہ نادان دوستوں اور دانا دشمنوں کی سازش تھی۔ اُردو سے کوئی ہندی کو بیر نہ تھا یہ دونوں بہنیں پراکرت اور بھاشا کی بیٹیاں ہیں چناں چہ ایک کو مٹانا دوسری کی بنیاد کو گرانا تھا۔ نندلال نیرنگؔ اس کا مشاہدہ اور اس سازش کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہاں جہاں ان کے لہجے میں دبدبہ تھا وہیں پر آگاہی بھی پیوست تھی۔ یہاں وہ با بانگِ دھول یہ اعلان کر رہے تھے کہ دونوں فریقوں سے نقصان پہنچ رہا ہے۔

؎ : متاعِ اُردو کو یاروں نے ہم سے چھین لیا
اُنھیں اِسی ہی میں شاید خوشی نظر آئی

؎ : خاص نسبت تھی مجھے اُردو زباں سے لیکن
آج اَغیار کے الزام سے ڈر لگتا ہے

؎ : ہے اگر اب بھی کہیں کچھ بھی وجود اُردو
چشمِ اَعداء میں وہ اِک خار نہیں تو کیا ہے

؎ : بجز افسوس کچھ حاصل نہ ہوگا اُن کو اے نیرنگؔ
جو کہتے ہیں یہاں اُردو زباں باقی نہ رہ جائے

اور یہی حالت دیکھ کر وہ بھی انجمن کی طرح چشمِ نم ہو جاتے تھے۔

؎ بے چارگیٔ اُردو زباں دیکھ کے نیرنگؔ
ہر بزم اَدب دیدۂ تر ہو ہی رہی ہے

نیرنگؔ کو اُردو کے مستقبل کی تشویش اس لیے بھی تھی کہ اُردو اِن کی جان آن بان اور پہچان تھی۔ جس پر ان کو کامل ایمان تھا اور وہ اس کا اپمان نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انھوں نے ساری عمر اُردو گلشن کی آبیاری میں صرف کردی اور اسی شاعری سے امر رہنا چاہتے تھے۔ یہاں انھوں نے استعاروں میں اپنی دعا بھی لکھ دی تھی۔

الٰہی مجھ کو وہ حاصل کرام ہوجائے
چہار سمت زمانے میں نام ہوجائے
وہ ظرف جس کو اُٹھاؤں میں حضرت نیرنگؔ
شرابِ ناب سے لبریز جام ہوجائے

اس لیے تو نیرنگؔ نے کہا تھا ؎

نیرنگؔ! شاعری تھا مِرا مقصدِ حیات
معلوم کیا ہو حال مِرا شاعری کے بعد

نیرنگؔ نہ صرف خود مخدوم اُردو تھے بلکہ محسنِ اُردو کے قدرداں بھی تھے۔ وہ کسی اُردو محسن کو سونے کا تاج نہیں پہنا سکتے تھے اور نہ ان کے ہاتھ اشرفیوں کی تھیلی تھما سکتے تھے، بلکہ دل سے نکلے ہوئے قدردانی کے اشعار کی زرنگاری کو قرطاس میں لپیٹ کے پیش کرسکتے تھے چناں چہ وزیر اعلیٰ ہریانہ راؤ بیریندر سنگھ کی اُردو نوازی کو دیکھ کر کہتے ہیں۔

چھایا ہوا ہے اَبرِ کرم کچھ نہ پوچھئے
سب مٹ گئے ہیں رنج و الم کچھ نہ پوچھئے
اُردو کو جو مقام ملا ہے تیرے طفیل
کتنے ہیں شاد اہلِ قلم کچھ نہ پوچھئے

نیرنگؔ مستقل ارادوں سے عزم و استقلال اور پیہم کوشش سے شاعری میں مگن

رہے، اُردو شاعری کا تاج ان کا فخر تھا۔

ہوا ہے چرخ گرچہ درپئے آزارِ جاں ہونا
نہیں آیا مگر اب تک مجھے محوِ فغاں ہونا
سمجھتا ہوں کدھر ہے رغبت اہلِ جہاں نیرنگ
ہے پھر بھی ناز مجھ کو شاعرِ اُردو زباں ہونا

نیرنگؔ سرحدی کی شخصیت اور فن کا مختصر تعارف

یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ نند لال نیرنگؔ سرحدی نے اپنے بارے میں بحیثیت اُردو شاعر و ادیب بہت کچھ لکھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اُردو اور فارسی کے شاعر اور ادیب تھے البتہ انگریزی، ہندی اور پنجابی بھی عمدہ جانتے تھے۔ چناں چہ ایک ٹیچر کی حیثیت سے انھوں نے ان تمام زبانوں سے رابطہ رکھا ہوا تھا۔ اس تحریر میں ہماری کوشش اُردو پر مرکوز ہوگی اور جو انھوں نے اپنی شاعری میں مستند حوالے ثبت کیے ہیں ان کی روشنی میں نتائج کی تلاش ہوگی۔

نندلال نیرنگؔ اپنا تعارف صاف گفتار میں یوں کراتے ہیں۔

غَرقِ آبِ شفاف رہتا ہوں
پاک دامن ہوں صاف رہتا ہوں
کچھ تُو دُنیا خِلاف ہے میرے
کچھ مَیں اپنے خِلاف رہتا ہوں

انسان کی فکر اور زندگانی جب شیشے کی طرح شفاف ہو جب اس کے دامن پر دھبّے نہ ہوں تو اس کا وجود محکم اور بے باک رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا محاسبہ کرنے لگتا ہے اور پہلے اپنے وجدان کی روشنی میں اپنا محاسبہ کرتا ہے۔ یہ جرات رندانہ اُسے صحیح راستے پر گامزن رکھتی ہے۔ رہا سوال دُنیا کی مخالفت کا یہ تو دُنیا کی پرانی ریت ہے کہ چراغ کے خلاف بادِ سموم سے بادِ صبا تک اُسے گُل کرنے کے لیے گُل مخالف قوتوں سے اتفاق اور سازش کر ہی لیتے ہیں لیکن کیوں کہ ایسے چراغوں میں جان کوٹ

کوٹ کر بھری رہتی ہے اس لیے یہ روشن ہی رہتے ہیں۔ نیرنگؔ نے اپنے قطعے میں شاعر کی قدر کے بارے میں درست کہا تھا۔

ادب جان سمجھو ادیبوں کی نیرنگؔ
تو قدرِ زباں ایک شاعر سے پوچھو

ہم سخن فہم ہیں اور نیرنگؔ کے اس لیے بھی طرف دار ہیں کہ وہ اپنی بات میں دوسروں کو بھی شامل کر لیتے ہیں یعنی وہ آپ بیتی کو جگ بیتی بنا لیتے ہیں۔

فارغ نہیں اب کوئی بشر رنجِ گراں سے
فرصت ہے کہاں اُس کو بھلا آہ و فغاں سے
مہماں کی تواضع تو نہیں ہوتی زباں سے
جب پاس نہ ہو کچھ تو تواضع ہو کہاں سے

ہے خشک زباں لب پہ مرے جانِ حزیں ہے
شاعر ہوں مگر طاقتِ گفتار کہاں ہے

نیرنگؔ ایک قطعہ میں یہ سوال اُٹھاتے ہیں جو اس کے دور کے مطابق بالکل صحیح سوال تھا۔

سوچتا ہوں کہ اِس زمانے میں
اِس زباں کا مآل کیا ہوگا
زندگی میں تو مر گُزرتے ہیں سب
ہم ادیبوں کا حال کیا ہوگا

کیوں کہ اُس دور کے ماحول کو بالکل بجا طور پر دکھایا گیا اور اس کے نتیجے کو نیرنگؔ نے یوں پیش کیا۔

اب ایسے دَور میں داخل ہوئی ہے زندگی نیرنگؔ
کہ جس میں خدمتِ اُردو زباں مشکل سے ہوتی ہے

کبھی بحیثیت شاعر رنگیں نوا یہ گِلہ کرتے ہیں۔

ع : قدر دانی سخن آج زمانے میں کہاں

ع : وہ طبیعت و اُمنگیں وہ زمانے نہ رہے

ع : اب آرزوئے لطف تغزل ہے عبث

ع : یہ دور ہے زبان و ادب کے زوال کا

ے : وہ بات ہی نہیں ہے کہ محفل کہیں جسے
بہتر ہے مجھ کو دعوتِ شعر و سخن نہ دو

جوزمانہ تقسیم اور مہاجرت سے پہلے نیرنگؔ نے دیکھا تھا اُس میں شاعر کا مقام بہت بلند تھا جیسا کہ خود قطعہ میں کہتے ہیں ؎

کسی زبان سے نکلا جو نام شاعر کا
ہر اِک بشر نے کیا احترام شاعر کا
بلندیاں تو ہیں کچھ اور بھی زمانے میں
بہت بلند ہے لیکن مقام شاعر کا

جب شاعری مدحت خالق اور حقوق انسان اور اخلاق کی پاسدار ہوتی ہے تو پیمبری بن جاتی ہے۔ جس کو نیرنگؔ کے دو قطعوں میں سنیے ؎

تیری قدرت، تیری رحمت کے نثار
راز کیا ہے اس میں اے پروردگار
مبتلائے رنج و غم ہو درمیانِ جاہلاں
ایک شاعر اور وہ بھی زرِنگار

عرش سے آئی ندائے دلفگار
شاعرِ باطل پرست او نابکار

مدحتِ انساں نہیں ہے شاعری
شاعری ہے مدحتِ پروردگار

نیرنگؔ کہتے ہیں

ع : ''میرے نغمات سے گونج اُٹھے فضائے عالم''

وہ عرضِ حال میں لکھتے ہیں:

''میری شاعری میری زندگی کا آئینہ ہے، جو کچھ کہتا ہوں، زندگی کے واقعات کی جھلک اس سے صاف نمایاں ہوتی ہے۔ میں زبان کو ہاتھ سے کبھی نہیں جانے دیتا۔ قدماء اور متاخرین کے بلند پایۂ کلام کا معتقد ہوں۔''

نیرنگؔ سرحدی نے مناجات میں میر انیسؔ اور مرزا غالبؔ کے فقرے اور مصرعے اپنے کلام میں جوڑے ہیں۔ میر انیسؔ نے کہا تھا ؎

ناقدریٔ عالم کی شکایت نہیں مولاؑ
کچھ دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا
عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے
سب کچھ ہے اِس دُنیا میں بس انصاف نہیں ہے

نیرنگؔ سرحدی کہتے ہیں ؎

بے زَری کی نہیں لیکن یہ شکایت مولا
ہے یہ ناقدریِ عالم کی حکایت مولا

جو ہُنر مند ہیں رُوپوش ہوئے جاتے ہیں
صاحبِ علم بھی خاموش ہوئے جاتے ہیں

غالبؔ کے شعر سے استفادہ دیکھئے ؎

نالۂ دَرد کو کہتے ہیں رَسا ہوتا ہے
ناخُدا جس کا نہ ہو اُس کا خُدا ہوتا ہے

مناجات کو خوب صورت بند پر یوں تمام کرتے ہیں جس میں دعائیہ عناصر کے ساتھ جمالیاتی رومانی کیفیات بھی اُبھرنے لگتی ہیں ؎

اپنی رَحمت سے مجھے پھر گُلِ خنداں کردے
پھر سے جینے کے مہیّا مجھے ساماں کردے

نیرنگؔ نے بچپن سے بڈھاپے تک شعری ریاضت جاری رکھی، وہ کبھی اپنے آپ کو شاعرِ درد و غم کہا تو کبھی شاعرِ جذبات اور رندِ خرابات کہا ہے۔ نیرنگؔ کی شاعری سلیس، سادے شگفتہ اور نرم مصرعوں سے رچی بسی رہتی ہے۔ عموماً گفتگو روزمرّہ، صنعت تکرار اور صنعت تضاد سے دلکش بنائی جاتی ہے۔

غم میں رہنے میں عمر گزری ہے
درد سہنے میں عمر گزری ہے
کچھ بھی ہم سے نہ ہوسکا نیرنگؔ
شعر کہنے میں عمر گزری ہے

گل بے رنگ و بو و باس ہوں مَیں
زِندگی سے بہت اُداس ہوں مَیں
مجھ سے دُنیا کو کیا غرض نیرنگؔ
شاعرِ درد و غم و یاس ہوں مَیں

آنے کو تم آجائیں وہ اِک رات زیادہ
بڑھ جائے گی کہنے سے مگر بات زیادہ

نیرنگؔ کہ ہے اِک شاعرِ جذبات زیادہ
سُنتے ہیں کہ ہے رندِ خرابات زیادہ

کچھ مے کشوں کے حال کی، جاں کی بھی فکر کر
رنگِ بہار، دیکھ خزاں کی بھی فکر کر
نیرنگؔ کی بات جانِ برادر قبول ہو
اہلِ زباں کے بعد، زباں کی بھی فکر کر

نیرنگؔ سرحدی نے ایک آٹھ شعر کی مردّف غزل میں ناقدریٔ عالم کی صاحبِ عالم سے شکایت کی ہے۔ یہاں ہر شعر مضمون میں جدا ہوتے ہوئے بھی ایک تسلسل کا حامی ہے۔ اس غزل میں شاعر نے شعریت کی سعادت جو خدائے بخشندہ سے ملتی ہے اس کا گلہ سادے اور جذباتی الفاظ میں سوال کیا ہے کہ اگر میں قابل نہ تھا تو چمن میں آشیانہ، آب و دانہ مزاج عاشقانہ، بلند پرواز، ذوق ترانہ، غم و آلام کا درد، ناقدر زمانہ اور زباں بندی کے دور میں مذاق شاعرانہ کیوں بخشا تھا۔ ہمیں آج معلوم ہے کہ وہ اس لیے بھی بخشا تھا کہ نیرنگؔ سرحدی کے انتقال کے پچاس برس بعد ان کا کلام فیض عام ہو اور یہی غزل دوسرے تخلیق کاروں کی داستاں بن جائے۔ اس غزل میں نہ صرف نیرنگؔ کی ذات اور ان کی بات ہے بلکہ ان کے فن اور قادر اللکلامی کی روداد بھی شامل ہے۔ کسی نے بہت سچ کہا کہ ؎

غزل میں ذات بھی ہے اور کائنات بھی ہے
ہماری بات بھی ہے اور تمہاری بات بھی ہے

ع : غزل اربابِ فن کی آزمایش ہے

اس غزل سے ہم مطلع مقطع کے علاوہ تین شعر بغیر تشریح کے اس لیے بھی پیش کر رہے ہیں کہ وہ سلیس خوب صورت انداز میں پیش ہوئے ہیں۔

مطلع : چمن میں تُو نے مجھ کو آشیانہ کس لیے بخشا
کسی قابل نہ تھا تو آب و دانہ کس لیے بخشا

محبّت کی ہے میں نے اعترافِ جُرم کرتا ہوں
گُناہ تھا تو مزاجِ عاشقانہ کس لیے بخشا

اگر گُمنام رہنے کی مجھے تلقین تھی یارَب
مِرے اظہار کو ذوقِ ترانہ کس لیے بخشا

میرے جذبات جب دیتے ہیں پیغام بقا سب کو
مجھے ناقدرداں تُو نے زمانہ کس لیے بخشا

زباں بندی کا میرے واسطے گر حُکم تھا نیرنگؔ
تو مجھ کو پھر مذاقِ شاعرانہ کس لیے بخشا

نیرنگؔ کے قطعات میں سماجی قدریں

نیرنگؔ سرحدی ایک اچھے شاعر کے ساتھ اچھے انسان بھی تھے، ان کی غزلوں، نظموں اور قطعوں میں سماج کے مسایل، انسانی حقوق، ذات اور مساوات کے مطالب جگہ جگہ بہت پُر اثر طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ ہماری یہ تحریر مضمون کے اختصار کی وجہ سے صرف قطعات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ نیرنگؔ خود تمام عمر مالی مشکلات سے دور چار رہے ہیں اس لیے ان کو غریبوں مزدوروں اور زحمت کشوں کے مسایل سمجھنے کے لیے زیادہ وقت نہ لگا۔

جلوۂ بَرقِ سَر طُور سے واقف ہوں میں
نہ سہی طور مگر نُور سے واقف ہوں میں
مجھ کو معلوم ہے حالِ غم مفلس نیرنگؔ
غم زدہ ہوں غمِ مزدور سے واقف ہوں میں

کبھی کہتے ہیں ؎

بارِ غمِ دوراں تو اُٹھاتے رہے نیرنگؔ
واللہ گرانی سے کمر ٹُوٹ گئی ہے

نہیں مرنے والا تھا نیرنگؔ کسی سے
اُسے مارا ڈالا پریشانیوں نے

وہ ملک میں فرقہ واریت کے خلاف ہمیشہ پیش پیش رہے۔ بسملؔ سعیدی کے

شعر پر قطعہ تضمین کر کے کہتے ہیں ؎

جس سے نہ بجھے تشنگی اے حضرتِ نیرنگؔ
اُس ساغرِ مئے کو کبھی ساغر نہیں کہتے
''کعبہ میں مسلماں کو بھی کہہ دیتے ہیں کافر
بُت خانہ میں کافر کو بھی کافر نہیں کہتے''

ذیل کے دو قطعات دیکھئے ؎

وید میں ڈھونڈ نہ تو، اور نہ قرآن میں دیکھ
شکلِ اللہ جو چاہے تو وہ انسان میں دیکھ
ناصحا رندِ خرابات کی کچھ بات نہ کر
بڑھ کہ نادان ذرا اپنے گریبان میں دیکھ

ہندو نہیں سمجھے ہیں مُسلماں نہیں سمجھے
صد حیف کہ وہ مقصدِ ایماں نہیں سمجھے
کیا اہلِ زمانہ سے میں واقف نہیں نیرنگؔ
اب تک بھی جو انسان کو انساں نہیں سمجھے

نیرنگؔ جس مقام پر مہاجرت کر کے فیملی کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے وہاں کبھی پانی کی کمی، کبھی گندگی کی زیادتی، امیروں اور غریبوں میں فرق بڑھتا جا رہا تھا۔ امیروں کے پاس کپڑوں کی نمائش اور غریبوں کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ ایسے مشکل زمانے میں نیرنگؔ مقامی اخباروں میں اپنے قطعات چھپوا کر گورنمنٹ کے عہدیداروں کو اطلاع دیا کرتے تھے۔ یعنی یہ اُردو پرستار، یہ حسن و عشق کا شاعر سماج اور قوم کے مسایل اور ضروریات کو بھی اپنی شاعری میں دوآتشہ کر کے حتی المقدر کمی کو پورا کرواتا تھا۔

ہم چند منتخب قطعات کو یہاں نمونے کے طور پر نقل کر رہے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نیرنگؔ کی شاعری میں غم دوراں اور غم جاناں دونوں شریک ہیں اور یہی

مقصدی شاعری ہے۔

نوازش ہوگی سر بارِ گراں سے اُن کا ہو ہلکا
مزا آجائے اُس کوچے میں لگ جائے اگر نلکا

غرض کچھ شاعری سے ہے نہ مقصد شعر خوانی سے
اگر مطلب ہے کچھ نیرنگ تو مطلب ہے پانی سے

قایل عظمتِ خود ساز خدائی تو رہے
نہ ہو گر یہ بھی تو پھر شانِ گدائی تو رہے
کام کرنے کے مری جان بہت ہیں لیکن
ہم یہ چاہیں گے محلوں میں صفائی تو رہے

آج کل گرمئ بازار فقط ہیں کپڑے
آدمیّت کے بھی آثار فقط ہیں کپڑے
کل تو اِنسان کا معیار تھا اخلاقِ بلند
آج انسان کا معیار فقط ہیں کپڑے

بچّوں کو بلکتا ہوا دیکھا نہیں جاتا
یُوں جام چھلکتا ہوا دیکھا نہیں جاتا
گِر گِر کے سنبھلتا ہوا دیکھا نہیں جاتا
دِل غم سے اُبلتا ہُوا دیکھا نہیں جاتا
گندم کی گرانی نے ہے انسان کو مارا
کپڑے کی گرانی سے ہے انساں بے چارا

اگر فنی طور پر ان قطعات کا تجزیہ کیا جائے تو نیرنگ کی کہنہ مشقی، قادر الکلامی

الفاظ پر قدرت، کے علاوہ تشبیہات، استعارات، تلمیحات اور چھوٹی اور متوسط بحریں غنایت سے لبریز مصرعے مطلب کو صاف اور واضح طور پر آسان، سلیس رواں دواں زبان میں ایسے پیش کر دیتے تھے کہ آسانی کے ساتھ عامی اور عالم بلکہ دوسری زبانوں سے تعلق رکھنے والے باشندے بھی سُن کر محفوظ ہوتے۔ جہاں تک نیرنگؔ کے کلام کی ترسیل اور ابلاغ کا مسئلہ ہے وہ اس میدان کے شہسوار تھے۔ ان قطعات سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے ع: ''سارے جہاں کا درد انہی کے جگر میں ہے'' ایسی شاعری جس میں مخلوق کے حقوق کی وکالت کی جائے بڑی شاعری کی صف میں آتی ہے یقیناً یہاں ادب برائے ادب اور ادب برائے ہدف دونوں کی طرف اشارہ ہے۔

نیرنگؔ عالم تھے اور اس کے علاوہ ان کا اُردو اور فارسی شعرا کا مطالعہ اچھا تھا۔ اوپر بیان کیے گئے قطعوں کے پہلے اشعار دیکھئے کس قدر عمدہ اور معنی خیز ہیں ایسا لگتا ہے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

وید میں ڈھونڈ نہ تو، اور نہ قرآن میں دیکھ
شکلِ اللہ جو چاہے تو وہ انسان میں دیکھ

جلوۂ بَرقِ سَر طُور سے واقف ہوں میں
نہ سہی طور مگر نُور سے واقف ہوں میں

جس سے نہ بجھے تشنگی اے حضرتِ نیرنگؔ
اُس ساغرِ مے کو کبھی ساغر نہیں کہتے

ان اشعار کی تشریح کے لیے دفتر درکار ہیں اسی لیے اس مضمون کے دفتر کو ہم یہاں بند کرتے ہیں۔

نیرنگؔ کی شاعری میں ریواڑی کا تذکرہ

ریواڑی کی اگر تاریخ لکھی جائے گی تو نند لال نیرنگ سرحدی کی شاعری اس کی زینت میں اضافہ کرے گی۔ ہم جانتے ہیں نیرنگؔ اگرچہ خود مہاجر تھے لیکن انھوں نے ریواڑی میں ہر قسم کے رفاہ و بہبود کے کام بھی کیے۔ کبھی گورنر سے ہندو اسکول کی توسیع کی پرزور سفارش کر رہے ہیں۔

ہاں ایک بات کی ہے گزارش حضور میں
فرصت اگر مِلے تو کروں گا بیان آج

موجود شہر میں ہے یہاں ہندو ہائی اسکول
شہرہ ہے جس کے علم کا وردِ زبان آج

اِس مدرسہ میں ایک عمارت کی ہے کمی
لازم عطا ہو اُس کو زمین و مکان آج

یہاں یہ ذکر بھی بے جا نہیں کہ نیرنگؔ اشعار میں اپنا لہجہ اپنی زبان جواد یبانہ ہے، استعمال کرتے ہیں وہ عوام کے لیے اپنی زبان کو ٹکسال باہر نہیں کرتے۔ چناں چہ نیرنگؔ سرحدی کی سفارش پر اس اسکول میں اضافہ کیا گیا۔

افسوس اس بات کا ہے کہ نیرنگؔ کے نام پر اسکول یا کوئی ہال تو ایک طرف ان کی یاد میں ایک تصویر بھی اسکول کے دفتر میں موجود نہیں۔

نیرنگ کبھی ریواڑی کے عوام کی جانب سے پانی کے نل کی درخواست لکھتے ہیں اور فوری نل لگایا جاتا ہے۔ اس نظم ''ایک درخواست'' کے چند شعر سنیے!

حدودِ شہر میں مُدت ہوئی ہے ہم بھی بستے ہیں
غضب یہ ہے کہ اِک بوند پانی کو ترستے ہیں

بہت ہی دور سے مٹکوں میں پانی بھر کے لاتے ہیں
بمشکل پیاس گھر والوں کی بیچارے بُجھاتے ہیں

نوازش ہوگی سربارِ گراں سے اُن کا ہو ہلکا
مزا آجائے اُس کوچے میں لگ جائے اگر نلکا

غرض کچھ شاعری سے ہے نہ مقصد شعر خوانی سے
اگر مطلب ہے کچھ نیرنگ تو مطلب ہے پانی سے

یہی نہیں بلکہ جب نل میں پانی کم ہو جاتا ہے تو میونسپلٹی کے عہدہ دار کو اس بارے میں ایسی نظم لکھتے ہیں جس میں طنز و مزاح اور شاعری کی جھلک بھی چھلکتی ہے۔ کچھ شعر اس گیارہ اشعار کی نظم سے سنیے!

اِک نل ہے محلّے میں بڑی شان تھی اُس سے
پانی سے تر و تازہ ہر اِک جان تھی اُس سے

آتے تھے جہاں ساٹھ (۶۰) گھڑے چاہِ ذَقَن سے
آتے ہیں وہاں سات گھڑے غنچہ دہن سے

ہو جاتا ہے یک لخت ہی پانی کا خسارا
دم توڑتا ہے ہچکیاں لے کے وہ بچارا

یوں قالب آبی ہی سے تاراج ہے نلکا
یعنی کسی تیمار کا محتاج ہے نلکا

ہے اتنی گزارش کہ توجہ کوئی دم ہو
پانی کی مصیبت تو یہ فی الفور ہی کم ہو

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ نیرنگ کے پاس غمِ جاناں کے ساتھ غمِ دوراں فراوان تھا۔ کیا ریواڑی کے بسنے والے جانتے ہیں کہ نیرنگ نے اِس بستی کو بسانے کے لیے کیا کیا مشکلیں اُٹھایں۔

ریواڑی میں ایک اجاڑ میدان میں بوسیدہ پرانی دیوار تھی جس کے نیچے چھوٹے بچے جمع ہو کر کھیلتے تھے، نیرنگ جان رہے تھے کہ یہ دیوار ایک دن گر پڑے گی اور اس کے نیچے دب کر کئی بچے ہلاک ہو جائیں گے۔ نیرنگ حساس طبیعت کے حامل تھے۔ شعر کہنا آسان نہیں بلکہ خون جگر پینا ہے راتوں کو جاگنا ہے تا کہ دوسرے آرام سے سو سکیں۔ نیرنگ نے صرف حُسن و عشق کی غزلیں نہیں لکھیں بلکہ اپنی شاعری سے ایسے ایسے مثبت کام کیے کہ آج ہم ان کا احترام کے ساتھ نام لے رہے ہیں اور احترام ایسا انعام ہے کہ جو کبھی تمام نہیں ہوتا۔ نیرنگ نے ایک نظم صدر میونسپل کمیٹی کو لکھی۔ پہلے صدر کو القاب اور عزت سے نواز کر یہ بتایا کہ اس میونسپل صدر کی وجہ سے شہر کی رونق بڑھی ہے۔ شعر آپ بھی سُن لیں۔

کس اَوج پر پہنچی ہوئی ہے آج ریواڑی
اَے زینتِ شہر! آپ کی برکت یہ ہے ساری

سڑکیں ہوئیں تعمیر نئی شان ہوئی ہے
سب آمد و رفت اِس لیے آسان ہوئی ہے

خدمت میں گُزارش ہے یہ ادنیٰ سی مری بھی
ہو جائے جو یہ کام تو عزت ہے مری بھی

دیوار ہے اِک خستہ جہاں گھر ہے ہمارا
گرنے کے سوا جس کے نہیں کوئی بھی چارا

ہر شام وہاں لگتا ہے بچّوں کا ہی میلہ
نیچے ہے کھڑا کوئی تو اُوپر کوئی کھیلا

زخمی ہو مسافر ہو کوئی اہلِ محلّہ
بھگوان کا بندہ ہو یا ہو بندۂ اللہ

ہٹ جائے جو دیوار وہاں سے تو مزا ہو
جب شام کو گھر پہنچوں تو میدان صفا ہو

نیرنگؔ خود تنگ دست تھے غریبوں مزدوروں کسانوں اور مسکینوں کے درد سے واقف تھے۔ ایک طرف کام کی کمی اور دوسری روز بروز بڑھتی مہنگائی۔ ریواڑی کے مقامی اخباروں میں قطعوں اور نظموں کی صورت میں گرانی کے خلاف اور حکومت کے لوگوں کو بتانے کے لیے مسلسل لکھتے رہے۔

نیرنگؔ ایک فطری تخلیق کار اور اپنی صدی کے متحرک شاعر تھے۔ وہ اس خدا داد صلاحیت سے محروموں، ستم کشوں، مزدوروں کی نمایندگی کر رہے تھے۔ نیرنگؔ نے مسدّس کی ہیئت میں ایک نو بند یعنی ستائیس (27) اشعار کی نظم ''گرانی اور سرکار ہند'' کے عنوان سے لکھی جو اِس طرز کی نظموں میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ ہم اس نظم کے چند مصرعوں کو چن کر پیش کرتے ہیں لیکن لطف تو جب ہے آپ پوری نظم کا

مطالعہ کریں۔

ع : اے سوزِ دِل و جاں کی کہانی تیرے صدقے

ع : اُٹھتی ہے جدھر آنکھ اُدھر دورِ خزاں ہے

ے : مہماں کی تواضع تو نہیں ہوتی زباں سے
جب پاس نہ ہو کچھ تو تواضع ہو کہاں سے

ع : بچّوں کو بلکتا ہوا دیکھا نہیں جاتا

ع : اِس حال میں خاموش کوئی رہ نہیں سکتا

ع : محرومیِ گندم نے ہے اِنسان کو مارا

ع : روٹی کا سوال آج ہر اِک وردِ زباں ہے

ع : مُفلس کا کوئی حامی بجُز یاس نہیں ہے

ع : مزدور ترستا ہے یہاں نانِ جَویں تک

ے : آسکتا ہے جمہور میں اِک ایسا سماں بھی
کرسکتی ہے برباد غریبوں کی فغاں بھی

ع : اِک آگ لگا سکتی ہے شاعر کی زباں بھی

سچ تو یہ ہے کہ سچے لفظوں میں روٹی کا مرثیہ ہے۔ اس نظم کا اُسلوب، اِس میں روانی اِس کی سلیس سادہ زبان یقیناً بھوک کی کہانی ہے جو ہم نے نیرنگ کی زبانی سنی جو دل تک اتر گئی۔ آج نیرنگ کو گزرے تقریباً پینتالیس پچاس سال ہو رہے لیکن ابھی دُنیا میں بھوک، برہنگی، بیماری، اور حق تلفی جاری ہے۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نیرنگ کی شاعری اکیسویں صدی کے گلوبل ویلج کو اُسی طرح سے متاثر کرسکتی جیسے اُن کے دور میں تھی۔

کلام نیرنگؔ میں وطن کے خدمت گزاروں کا خیر مقدم

نیرنگؔ سرحدی ایک عمدہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نفیس نستعلیق انسان بھی تھے۔ وہ اگرچہ تنہائی کو اجتماع اور خلوت کو جلوت پر ترجیح دیتے تھے لیکن وہ ایک ملنسار دل سوز ہمدرد دردمند شخصیت کے حامل تھے۔ اس لیے لوگوں کے دلوں میں جلد جگہ بنا لیتے تھے ایسی ہی ہستیوں کو ہم من موہنی شخصیت بھی کہتے ہیں۔ مہاجرت کے بعد ایک قدیم لیکن چھوٹے مقام پر ان کا قیام جہاں یہ بتاتا ہے کہ ایک طرف یہ ان لیڈروں، رہبروں، جنتا کے خدمت گزاروں کی تعریف میں شعر کہتے تھے تاکہ ان کی ترغیب اور ہمت عزت افزائی کے ساتھ ان کی شناخت اور تشہیر بھی ہو جائے جس سے عوام اور مقام سے ان شخصیتوں کا رشتہ بندھ جائے جن کا تذکرہ ہم اسی مضمون میں کریں گے۔ یہاں ہم اس نکتہ پر بھی روشنی ڈال رہے ہیں کہ یہاں درباری شاعروں کی مدح سرائی کا لہجہ اور موضوع نہیں بلکہ اچھے کام کرنے کا اعتراف اور صلہ ہے کیوں کہ احسان کا بدلہ احسان سے دُنیا شرافت اور عظمت کی علامت ہے۔ دوسری طرف نیرنگؔ سرحدی کی زندگی بحیثیت معلّم جو قوم کی آیندہ نسل کو تیار کرتا ہے اور علم و تربیت سے سماج کو اچھے لوگوں سے بھر دیتا ہے ان کے کیریر سے درخشاں ہے۔ نیرنگؔ عوام سے کئی رشتوں سے جڑے ہوئے تھے۔ وہ بظاہر صرف ایک معلّم اور شاعر تھے جس کی تخلیقات مقامی اخباروں، رسالوں اور جریدوں میں شائع ہوتے رہتے تھے، جو کبھی کبھار خود گھر پر شعری نشستیں برگزار کرتے اور مشاعروں میں رونق افروز ہوتے لیکن

اس کے ساتھ ساتھ عوام سے ان کے مسائل اور ان کی محرومیوں سے اپنا رشتہ جوڑے رہتے۔ چناں چہ کبھی ریواڑی میں پانی کے بندوبست کے لیے حکومت سے کہہ کر نل لگوا رہے ہیں، کبھی گلوں، کوچوں بازار کی صفائی کی طرف توجہ دلوا رہے ہیں، کبھی بچوں کے کھیلنے کے میدانوں سے بوسیدہ دیواریں ہٹوا رہے ہیں اور کبھی گرانی کے خلاف کبھی مساوات محبت اخوت سے فرقہ وارانہ ذہنیت کو مٹا رہے ہیں۔ ان مطالب کو ان ہی کے شعروں میں آپ نے قطعوں میں سنا۔

ریواڑی کے ہندو ہائی اسکول کی نظم میں اس اسکول کو بڑا بنانے اور مزید کشادہ کرنے کی بات چیت کا سہرا انہی کے سر ہے۔ ریواڑی میں جو مرزا غالبؔ کا سو سالہ جشن منایا گیا وہ بھی انہی کوششوں سے ہوا۔ بعض بڑے مشاعرے جس میں ڈپٹی کمشنر بیدیؔ اور کئی نامور شاعروں نے شرکت کی اور جنھیں اُس زمانے میں دور درشن سے نشر بھی کیا گیا۔ نیرنگؔ سرحدی کی بدولت تھا۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر بھی ضروری ہے کہ نیرنگؔ سرحدی نے 13/اکتوبر 1953ء کو بزمِ ادب کی بنیاد رکھی جو آج بھی ٹورنٹو میں رجسٹرڈ نیرنگؔ سرحدی بزمِ ادب میموریل کی شکل میں موجود ہے۔

ان خدمات کے اعتراف میں ریواڑی کی ایک سڑک نیرنگؔ سرحدی کے نام پر ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہریانہ اور بخصوص ریواڑی کی تاریخ نیرنگؔ سرحدی کے ذکر بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

نیرنگؔ سرحدی نے ہر ایک ایسے واقعے یا شخصیت کو نظم کیا ہے جس سے ریواڑی کی ترقی، تعمیر اور اہمیت میں اضافہ ہوا۔ نیرنگؔ کی شاعری میں سکّے کے دونوں رخ دیکھ سکتے ہیں اور یہی صداقت بھی ہے۔ شاعر اپنے ایک شعر سے وہ تاثیر پیدا کر دیتا ہے، جو دوسرا شخص پوری کتاب لکھ کر بھی نہیں کر سکتا۔ تاریخ میں ایسے واقعات محفوظ ہیں کہ شاعروں کی شعلہ بیانی جنگوں کی فتح کا باعث ہوئی ہیں، ان کی وطن دوستی اور دیارِ عشق کی منظر کشی لوگوں کو اپنی طرف ایسے جذب کی ہوئی ہے جیسے مقناطیس سے لوہے کے ذرات۔

ریواڑی کی زمیں پر کب سیاہ بختی نہیں آتی
کبھی پانی نہیں آتا، کبھی بجلی نہیں آتی
ہماری آنکھ سے کس روز طوفانی نہیں آتی
مگر افسوس نل سے بوند پانی کی نہیں آتی

یہاں صدیوں سے اب تک صورتِ انسان باقی ہے
تعجب ہے کہ زندہ کس طرح سے جان باقی ہے

ریواڑی کو آج کی ترقی یافتہ ریواڑی بنانے میں جو اہم شخصیتوں نے زحمتیں برداشت کیں جن کی وجہ سے یہاں امن آسایش کا چلن ہے ان کو نذرانہ محبّت پیش کرنا انسان کی اعلیٰ قدروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ذیل کے بندوں میں نیرنگ کہیں تلا رام تو کہیں بائی جی کی تعریف کر رہے ہیں لیکن اِن کا محور اور مرکز راؤ بیر یندر سنگھ ہی ہیں۔

تلا رام اِس زمیں کے صاحبِ اعجازِ عالم تھے
وہ اہل سیف تھے، جنگ آزما تھے، رازِ عالم تھے
وہ ہر ہنگِ اجل تھے، جنگجو، جانبازِ عالم تھے
وہ فخر خانداں، سرمایۂ صدِ نازِ عالم تھے
کیے ثابت بزرگوں کے چلن انگریز کے آگے
نہیں جھکنے دیے اہلِ وطن انگریز کے آگے

فدائے ملک و ملّت بائی جی شانِ وطن بھی ہے
وہ ہمدردِ ضعیفاں اور نگہبانِ وطن ہے
یہ وہ دل ہے کہ جس میں جوش و ارمان وطن بھی ہے
اُسی کا مدح خواں نیرنگ سخندانِ وطن بھی ہے
گزاری عُمر جس نے خدمتِ اُردو زباں کرتے
گزر جائے گی باقی بھی یونہی آہ فغاں کرتے

یہاں کے رہنمائے ملک و ملت راؤ صاحب ہیں
یہاں کے آفتابِ علم و حکمت راؤ صاحب ہیں
یہاں کے جلوہ فرمائے وزارت راؤ صاحب ہیں
یہاں کے منبع بحرِ سخاوت راؤ صاحب ہیں

اگر خواہد دلش، قاروں کند ہر روستائے را
شہنشاہے بگر داند اگر خواہد، گدائے را

یہی نہیں بلکہ جب اہم لوگ جیسے گورنر صاحب، انسپکٹر صاحب، ڈپٹی کمشنر، وزیر تعلیم یا وہ قوم کی خدمت گزار جو ریواڑی کی خدمت گزاری کر کے واپس ہوتے ہیں تو ان کی تحسین اور آفرین بھی کر کے نیرنگؔ یہ بتاتے ہیں کہ زندہ قومیں ہمیشہ اپنے لیڈر، قاید، ہیروز اور جانبازوں کو یاد کر کے زندہ رہتی ہیں۔ نیرنگؔ نے ایک غزل کی ہیئت میں بارہ شعروں کی خوب صورت نظم ہریانہ کے گورنر سر چندو لعل کی آمد پر ریواڑی میں لکھی جس میں انھوں نے گورنر کے اوصاف کا ذکر کر کے ریواڑی کے ہندو اسکول کی توسیع کی اپیل کی، جس کو گورنر نے قبول کیا۔ اس نظم کے کچھ شعر دیکھئے:

وارد ہوئے ہیں افسرِ اعلیٰ پنجاب کے
نازاں ہے جن کی ذات پر ہندوستان آج

خوش خلق و خوش مزاج ہیں عقل و غیور میں
حاکم ہمارے سر پہ ہیں کیا مہربان آج

ہے تجھ پہ ناز سب بجا سر چندو لعل جی
صُوبے کی تجھ سے بڑھ گئی ہے آن بان آج

ہاں ایک بات کی ہے گُزارش حضور میں
فرصت اگر مِلے تو کروں گا بیان آج

موجود شہر میں ہے یہاں ہندو ہائی اسکول
شہرہ ہے جس کے علم کا وردِ زبان آج

اِس مدرسہ میں ایک عمارت کی ہے کمی
لازم عطا ہو اُس کو زمین و مکان آج

ایک طرف ہندو اسکول کی توسیع کے بارے میں کہہ رہے ہیں تو دوسری طرف لڑکیوں کا کالج جو ریواڑی میں ہے جو "راؤ بہال سنگھ صاحب کے نام سے منسوب ہے جوان کی تعریف میں مسدس میں کہہ رہے ہیں۔ نیرنگ سرحدی چوں کہ اُردو فارسی تہذیب کے دلداہ ہیں اسی لیے ان ہستیوں کو مرحوم و مغفور کہہ کر معرفی کررہے ہیں۔ کچھ شعر آپ بھی سینے۔

طرب انگیز ہے کیسی یہ زمیں کالج کی
رُخِ محبوب سے بڑھ کر ہے جبیں کالج کی
دِل کشی حُور سے بڑھ کر ہے کہیں کالج کی
نظر آتی ہے ہر اِک چیز حسیں کالج کی
دِل خاموش سے خاموش سی فریاد آئی
یعنی اِک صاحبِ توقیر کی پھر یاد آئی

اِس کی زینت میں اِسی شخص کا حصّہ ہے ضرور
ہو نہ ہو یہ اُسی بے باک کا قصّہ ہے ضرور

اسی ریواڑی میں اسکول میں وزیر تعلیم آتے ہیں تو کہتے ہیں۔

ناگاہ سکول علم کی خوشبو سے بھر گیا
ہے اِس لیے نسیم یہاں عِطر بار آج

کرتے ہیں خیر مقدم عالی جناب ہم
انجام کار ختم ہوا اِنتظار آج

ڈپٹی کمشنر کی آمد پر کہتے ہیں۔

ترے تشریف لانے سے ہمیں ہے ناز قسمت پر
کہ مکتب کی زمیں اب رہ گئی ہے آسماں ہوکر

بہت مدت کے بعد آخر بہارِ جانفزا آئی
زمینِ خار بھی اَب بن گئی باغِ جناں ہوکر

جب سردار بھائی شیر جنگ سنگھ اے ڈی ایم کی تبدیلی ہوئی تو پانچ بند مسدس میں خوب صورت نظم لکھی۔ ہم یہاں اپنی بات ختم کرتے ہوئے ایک دو بند نقل کرتے ہیں۔

ایک ہی طرز چلتا ہے یہ قدرت کا نظام
ہے اگر کوچ کسی کا تو کسی کا ہے مقام
جانے والے تجھے صدبار ہمارا ہو سلام
ختم ہوتا ہے اِسی شعر پہ نیرنگ کا کلام
ہم کو بھی گلشنِ عالم سے چلے جانا ہے
فرق کچھ بھی نہیں یہ ایک ہی افسانہ ہے

آشیاں بُلبُل گُلشن سے ہُوا ہے خالی
بُلبُلِ باغ ہی آئے گی چہکنے والی

باغ آباد ہو جس باغ کا تو ہو مالی
گل فشاں نخلِ تمنا کی ہو ڈالی ڈالی

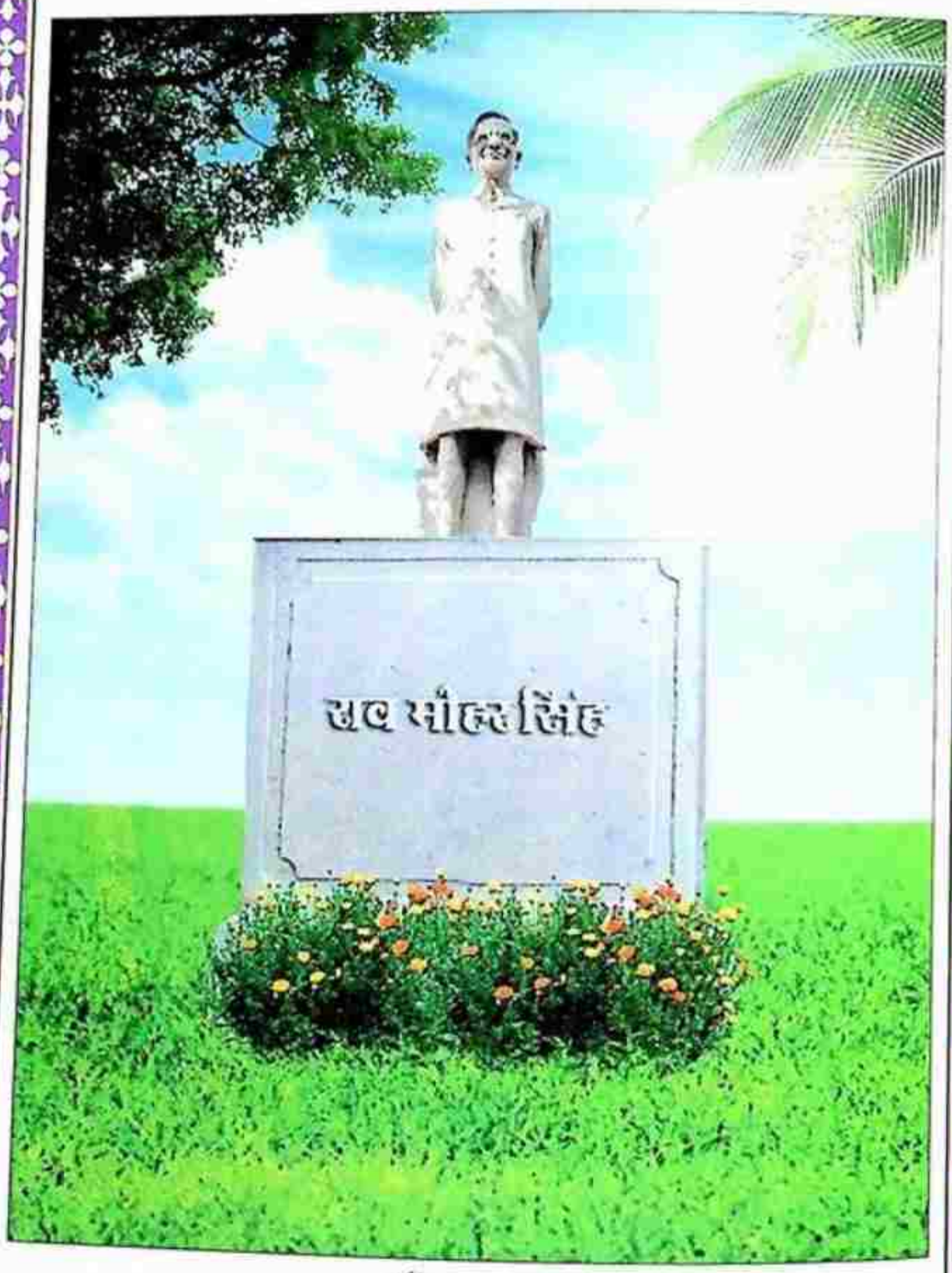
"ترے ہی دَم سے رہے مرے وطن کی رونق
"جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی رونق"
(علامہ اقبالؔ)

نیرنگؔ سرحدی اور راؤ موہر سنگھ

ریواڑی کی تاریخی اور ثقافتی داستان طولانی ہے۔ یہاں چند گروہوں میں ہمیشہ مقابلہ اور چشمک رہی ہے جو آج بھارت بنے کے ستر سال بعد بھی دیکھی سُنی اور بولی جاتی ہے۔ مگر یہ مقابلہ اور چشمک سب ریواڑی کو سجانے اور ترقی دینے کے مثبت راستوں کے لیے تھا۔ آزادی اور تقسیم ہند سے بھی پہلے انگریزوں کے خلاف ایک بڑی شخصیت ابھری جو راؤ موہر سنگھ تھے وہ درحقیقت بدھ پرہاوز کی بنیاد گزار تھے۔ بھارت بنے کے بعد راؤ موہر سنگھ ایم ایل اے کی عہدے پر 1957ء تک یعنی انتقال تک کام کرتے رہے۔ راؤ موہر سنگھ نے ریواڑی کی عوام کو سود کی رقم سے نجات دلانے کے لیے گرگانو میں پہلا کوآپریٹو بینک کھولا۔ اس کے علاوہ کئی عمدہ اور سماجی کام اپنی تمام زندگی میں کرتے رہے۔ آج بھی ان گے نبیرے (Great Grand Son) راؤ نبیر سنگھ ایم ایل اے ہیں۔ نیرنگؔ سرحدی نے موہر سنگھ کے لیے چار مصرعے لکھے جو پتھر میں کندہ ہیں۔

راؤ موہر سنگھ کے بُت سنگین کے نیچے
اہیر کالج میں بطورِ یادگار پتھر پر کندہ ہوا ہے۔

گُریزاں جن سے نیرنگ وصفِ انسانی نہیں ہوتے
وہ چشمِ دَہر سے پنہاں بآسانی نہیں ہوتے
جو کارِ خیر میں قوم و وطن پر جان دیتے ہیں
وہ اِس دُنیائے فانی میں کبھی فانی نہیں ہوتے



مجسمہ موہر سنگھ

نیرنگؔ سرحدی اور وزیر اعلیٰ ہریانہ راؤ بیریندر سنگھ

نیرنگؔ سرحدی کی شاعری کے آئینہ میں

اتنا تو ہمیں معلوم ہے کہ نیرنگؔ سرحدی اُردو کے عاشق اور قادر اللکلام شاعر بھی تھے۔ وہ ہر وہ شخص جو اُردو کا محسن، مخدوم، مجاہد، اور پرستار ہوتا اس کے بھی مداح خواں ہو جاتے، چناں چہ ان کا کلام ایسے مدحت کے پھولوں سے گلدستہ بنا ہوا ہے۔ اس مدح خوانی میں درباری شعرا کی طرح کوئی ذاتی منفعت سے کام نہ تھا نہ اس سے شہرت اور انعام کی کوئی اُمید تھی بلکہ یہ محبّت کا آبشار تھا جو دل سے نکل کر دوسرے دل پر گرتا تھا۔ نیرنگؔ کے کلام کے مطالعے سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ راؤ بیریندر سنگھ کے دلداہ تھے اور جب تک نیرنگؔ زندہ رہے ان کو اشعار میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہے۔ یہ شعری تحفہ کبھی قطعات کی شکل، کبھی غزل میں اور زیادہ تر نظموں میں نظر آتا ہے۔ نیرنگؔ زود گو شاعر تھے۔ ان کا زیادہ تر کلام جو محفوظ ہے اُس وقت بیریندر سنگھ ہریانہ کے چیف منسٹر تھے۔ اگر چہ کے بیریندر سنگھ کی سیاسی زندگی میں مختلف ادوار آئے لیکن ان کا رشتہ عوام سے کبھی منقطع نہیں ہوا۔

یہ بھی سچ ہے کہ نیرنگؔ سرحدی کا پورا کلام تو محفوظ نہ رہا لیکن جو موجود کلام ہے اس میں بیریندر سنگھ پر کم از کم تین قطعات اور چار نظمیں شامل ہیں۔ وزیر اعلیٰ ہریانہ راؤ بیریندر سنگھ کی تشریف آوری کا شکریہ یوں ادا کرتے ہیں۔

چھایا ہوا ہے اَبرِ کرم کچھ نہ پوچھئے
سب مٹ گئے ہیں رنج و الم کچھ نہ پوچھئے

اُردو کو جو مقام ملا ہے تیرے طفیل
کتنے ہیں شاد اہلِ قلم کچھ نہ پوچھئے

شاعر نے استعاروں میں جو اہل قلم کو وزیر اعلیٰ کے دفتر سے مدد ملی اس کا ذکر کر کے کہا کہ ان کے مادّی اور ادبی مشکلات کے مسایل حل ہو گئے۔ اس کے علاوہ ہریانہ اسٹیٹ میں جو اُردو کو مقام دیا گیا اس کا بھی ذکر اس قطعہ میں ہے۔

ایک اور قطعہ جس میں چیف منسٹر کی آمد کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اُمیدیں پھر پوری ہوں گی۔

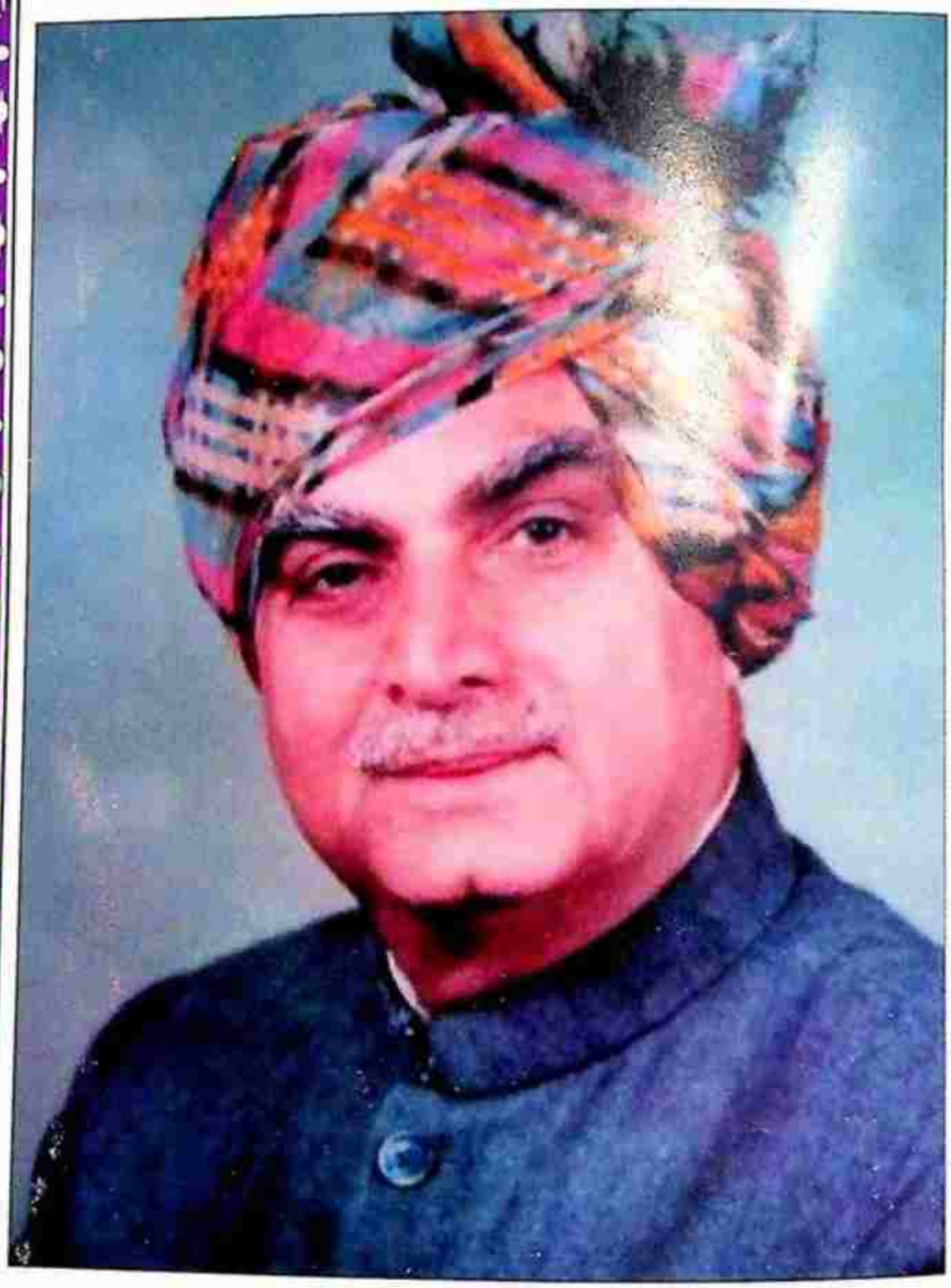
چار سُو حسن کی ہے جلوہ گری آج کے دن
بند شیشے میں ہوئی آ کے پری آج کے دن
حاکمِ اعلیٰ کی آمد کی خبر ہے نیرنگؔ
شاخِ اُمید ہوئی اپنی ہری آج کے دن

نیرنگؔ کی شاعری کا یہ بھی کمال ہے کہ محاوروں میں جو جلد سمجھ میں آجائیں مضمون کو ایسے بند کر دیتے ہیں۔ جیسے ''شیشے میں پری'' اور جس کو دیکھ ''حسن کی نمائش'' اور شاخ اُمید پھر سے ہری ہو جاتی ہے۔

کبھی دو شعروں میں ان کا احسان بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔

آمد سے تری آج گل و لالہ کھلے ہیں
کل تک تو یہاں پھول تھے کم خار زیادہ
تقدیر نے بخشا ہے ہمیں شرفِ ملاقات
احسان ترا ہم پہ ہے سرکار زیادہ

شاعر نے سادگی اور سلاست سے دل کی کیفیت گل و لالہ کے کھلنے سے جوڑ دی۔ یقیناً ایک شاعر کا چیف منسٹر سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا بھی مقدر ہے۔ مصرعے چہارم میں اس احسان زیادہ کو بیان کر دیا ہے۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر ضروری ہے کہ راجہ راؤ بیریندر سنگھ کے بیٹے راجہ راؤ اندر جیت سنگھ جو آج کل منسٹر آف



راؤ بیریندر سنگھ وزیر اعلیٰ ہریانہ



راجہ راؤ اندر جیت سنگھ مرکزی وزیر

اسٹیٹ ہیں اور Statises اور دیگر پروگراموں کا اجرا کروانے کا قلمدان رکھتے ہیں۔ ریواڑی ہی میں پیدا ہوئے۔ وہ دہلی یونی ورسٹی کے ہندو کالج سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ وہ گرگانو سے لوک سبھا کے ممبر آف پارلیمنٹ بھی ہیں۔ خود بیریندر سنگھ نے ان کی سیاسی تربیت کی ہے۔ یہ خاندانی شرف جو عوام کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہے ان کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا ہے جس کی عمدہ مثال خود راؤ اندر جیت سنگھ کی بیٹی آرتھی سنگھ راؤ ہے۔ جب نیرنگ سرحدی کا انتقال ہوا اُس وقت راؤ اندر جیت سنگھ کی عمر تئیس (23) سال کے لگ بھگ تھی۔ جہاں تک راؤ بیریندر سنگھ کی سیاسی کشمکش اور جدوجہد کا مسئلہ ہے وہ 1954ء سے ایم ایل اے، پھر پنجاب گورنمنٹ میں وزیر رہے۔ اور اسپیکر بھی رہے مگر شرما صاحب کے بعد 1967ء میں وہ ہریانہ کے چیف منسٹر بنائے گئے۔ نیرنگ سرحدی نے بیریندر سنگھ کے چیف منسٹر بنے پر خوب صورت نظم لکھی ہے۔ یہی نہیں بلکہ دو تین اور نظمیں لکھیں جن کے عنوانات اور مطلع کے مصرعے یہ ہیں۔

- فدائے ہریانہ جناب راؤ بیریندر سنگھ کا عہد زرین

ع : آنکھوں میں ہے شادابیٔ گلزار زیادہ

- شیدائے ملک وملّت وفخر خاندان راؤ بیریندر سنگھ صاحب (سابق وزیر اعلیٰ ہریانہ)

ع : اے ضیائے ملک تنویر وطن

- ندائے ہریانہ

ع : ہمیں جس روز سے حاصل ہوا انعام ہریانہ

- اعلان فتح انتخاب/محبوب ہریانہ اپنے حریف سے دونوں کی کثیر التعداد سے کامیاب ہوئے۔

فدائے ہریانہ راؤ بیریندر سنگھ کا عہد زرین چودہ شعر کی نظم ہے جو مردّف ہے۔ ''زیادہ'' کی ردیف نے اس میں خوب صورتی اور غنایت زیادہ کردی ہے۔ مضمون

مدحیہ ہے، زمین گلستانی ہے۔ شعروں میں صنعت تکرار، (گلزار- گلزار) صنعت اشتقاق (گلزار- گلریز- گلبار) صنعت مراعات النظیر (شاخ- خار- نخل- گلبار- مغیلاں)، (مسیحا- شفا- تن- بیمار) صنعت تضاد (خاموش- گفتار) (مسرت- غم- رنج) شاعری کا کمال یہ بھی ہے کہ قافیے کو ردیف میں اس طرح بٹھا دیا ہے کہ ردیف کا احساس جداگانہ محسوس نہیں ہوتا۔ کچھ شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

آنکھوں میں ہے شادابیٔ گُلزار زیادہ
گُلزار میں گُلریز ہیں اشجار زیادہ

ہر شاخِ مغیلاں ہے نِگوں خار زیادہ
ہر نخل بر و مند ہے گُل بار زیادہ

راس آئیں گی اب سب کو مسرت کی فضایں
ہوں گے نہ غم و رنج کے انبار زیادہ

خاموشِ زباں پُھول بھی ہوں گے نہ چمن میں
شاید گل و بُلبل میں ہو تکرار زیادہ

اب کشتِ گُل و لالہ میں کھٹکا ہو تو کیسے
آغوشِ چمن میں نہیں جب خار زیادہ

منزل پہ رسائی کا یقیں ہو تو چلا ہے
جب آہی گئی قوّتِ رفتار زیادہ

ایامِ گزشتہ میں سُنی کس نے ہماری
کہنے کو تو کہتے رہے ہر بار زیادہ

سُنتے ہیں مسیحا کی ہے آمد کی خبر آج
پائے گا شِفا ہر تنِ بیمار زیادہ

ہے مجھ کو تعجب مِری خاموشِ زباں میں
کیوں آنے لگی طاقتِ گفتار زیادہ

مُمکن ہے رسائی کے لیے حضرتِ نیرنگؔ
بن جائیں وسیلہ مِرے اشعار زیادہ

نیرنگؔ نے بیریندر سنگھ کی کامیابی اور حریف کی شکست پر خوب صورت نظم اٹھارہ اشعار کی کہی ہے اس میں ایک خوب صورت شعر مولانا ظفر علی خان کا بھی تضمین کیا گیا ہے۔ چوں کہ نظم سہل اور بہت خوب صورت طرز میں لکھی گئی ہے ہم مضمون کی طوالت کا خیال رکھتے ہوئے بغیر کسی تبصرے کے اس کے بند پیش کرتے ہیں۔

اِعلانِ فتح اِنتخاب

(محبوبِ ہریانہ اپنے حریف سے دونوں کی کثیر التعداد سے کامیاب ہوئے)

اَے آفتابِ حُسن، اَے رشکِ مہِ مبیں
اَے فخرِ قوم، نازشِ اقبال و حشم و دیں
دُشمن کی لاکھ کوششوں کے باوجود بھی
آئی ہے تیری شان میں ہر گز کمی نہیں

ہم کو تو اِنتخاب سے پہلے بھی تھا یقیں
ہوگا تو کامیاب بصد شان و آفریں
اِس بات کا ثبوت زمانے نے دے دیا
تیرے سِوا ہمارا کوئی رہنما نہیں

اَے رشکِ نوبہار، بہارِ چمن ہے تُو
اِس سر زمینِ خار میں مُشک ختن ہے تُو
اَب ہوگیا ہے اہلِ زمانہ پہ منکشف
دراصل اِس زمیں کا فدائے وطن ہے تُو

دانشوری میں آپ کی کس کو کلام ہے
اہلِ نظر میں آپ کا نقشِ دوام ہے
سب جلنے والے آتشِ دوزخ میں جل گئے
عَرشِ بَریں سے آپ کا اُونچا مقام ہے

دُشمن سے دِل کا داغ دِکھایا نہ جائے گا
تازِیست اُس سے ہوش میں آیا نہ جائے گا
"نُورِ خدا ہے کُفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھُونکوں سے یہ چراغ بُجھایا نہ جائے گا"
(مولانا ظفر علی خاں)

تو صاحبِ شعور ہے دانائے راز ہے
تیری زمیں کو تیری وزارت پہ ناز ہے
نیرنگؔ سُنا ہے اہلِ سیاست سے اِس قدر
شاعر نہیں ہے تو مگر شاعر نواز ہے
کچھ مے کشوں کے حال کی، جاں کی بھی فکر کر
رنگِ بہار، دیکھ خزاں کی بھی فکر کر
نیرنگؔ کی بات جانِ برادر قبول ہو
اہلِ زباں کے بعد، زباں کی بھی فکر کر

نیرنگؔ سرحدی نے بیریندر سنگھ کے کارناموں پر ایک غزل کی ہیئت میں چودہ (14) شعر کی مردّف نظم لکھی جس کے عنوان میں وزیرِ اعلیٰ کو شیدائے ملک اور ملّت اور فخرِ خاندان سے خطاب کیا۔ ہم جانتے ہیں یہ فخر آج بھی ستر اسّی سال سے اس خاندان میں جاری اور ساری ہے۔ چناں چہ اب ان کی دوسری تیسری پیڑی بھی سیاست اور سماجی کاموں میں نظر آتی ہے، جس کی زندہ مثال ان کے فرزند منسٹر اندر جیت سنگھ اور ان کی پوتی آرتھی سنگھ ہیں۔

مطلع دیکھیے: اَے ضیائے فلک! تنویرِ وطن
اَے فِدائے قوم، اَے میرِ وطن
شانِ ہریانہ و توقیرِ وطن
رہنما تو ہم ہیں رہ گیرِ وطن

یعنی بیریندر سنگھ کی وجہ سے ملک میں روشنی ہریانہ کی عزت اور شان ہے۔ یہاں کی عوام اس پر فخر کرتے ہیں کہ بیریندر سنگھ جیسا رہبر انھیں ملا ہے جس نے ملک کی تقدیر بدل دی اور اس کو فردوسِ بریں بنا دے گا۔ شاعر کہتا ہے، یہاں کے باسیوں میں خدمت کا شوق بڑھا دے اور علم اور دانش کی فراوانی کی وجہ سے ہر جوان کو ایک مدّبر بزرگ کر دے۔ مطالب کو ذیل کے مصروں میں سُنیے۔

سنتے آئے ہیں ثنا فردوس کی
کھینچ دے ویسی ہی تصویرِ وطن

موجزن دریائے دانش ہو یہاں
ہر جواں آئے نظر پیرِ وطن

عوام کو معلوم ہے کہ بیریندر سنگھ کے دور میں ہریانہ میں تعلیمی، تعمیری اور رفاہی کام بہت ہوئے۔ لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہوئی اور عوام سے غریبی، مفلسی، جہالت دور ہوئی۔ یہ سب اس عظیم رہنما کی بدولت اس لیے بھی ہوا کہ وہ ایک سلجھے ہوئے مدّبر تھے۔ اسی لیے کہتے کہ یہ ترقی آگے بڑھتی رہے اور رکنے نہ پائے۔

ختم ہونے دے نہ حدِ اِرتقا
بڑھتی جائے اور تدبیرِ وطن

اور اسی تدبیر سے تقدیرِ وطن بدل سکتی ہے۔

ہے مسلط تجھ پہ تحریرِ وطن
تجھ سے وابستہ ہے تقدیرِ وطن

ہریانہ کی زمین اکسیر اور کشمیر بنانے میں بیریندر سنگھ کی خدمات کا اعتراف بھی کیا ہے۔

نیرنگ لکھتے ہیں:

تیری برکت کی بدولت ہے کہ آج
اِس کا ہر ذرّہ ہے اکسیر وطن

ہے بہرسُو نہر عشرت کی رواں
ہے نشاط انگیز کشمیرِ وطن

نیرنگ سرحدی اُردو کے باغ کو پھولا پھلا دیکھنا چاہتے تھے اور وہ جانتے تھے

کہ اس باغ کی عظمت اس کے شاعروں، ادیبوں، تخلیق نگاروں اور معلموں سے ہے اسی لیے ہمیشہ گورنمنٹ کو ان کی تنگ دستی اور پریشانیوں کو دور کروانے کے لیے ہر قسم کا تعین ضروری سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بیریندر سنگھ اُردو کے حامی ہیں، اسی لیے اس نظم کے آخر میں ان کی عظمت اور ان کی وجہ سے ملک کی عزت اور شان بان اور پہچان کا ذکر کر کے کہتے ہیں۔

شاعرانِ قوم پر بھی ہو نظر
یہ ہوا کرتے ہیں جاگیرِ وطن

شاعر کو وطن کی جاگیر کہنا عمدہ اور نیا مضمون ہے۔ دونوں مصرعوں کو صاف اور سلیس زبان میں دلیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

بیریندر سنگھ کیوں کہ چیف منسٹر تھے اور ہر رفاہی اور ثقافتی کام کی مہار ان کے ہاتھ میں تھی۔ اسی لیے کہتے ہیں۔

ہاتھ میں ہے تیرے دولت کی عناں
تو بدل سکتا ہے تقدیرِ وطن

شاعر اس پوری نظم میں وزیر اعلیٰ کی شخصیت، ان کے کارنامے، قیادت اور رہبری کا عمدہ ذکر کر کے کیوں نہ فخر و ناز کرے۔ اسی لیے تو مقطع میں کہتے ہیں۔

ناز خطبہ ہو تجھے نیرنگ بجا
شاعری تیری ہے تشہیر وطن

مثنوی ساوتری کا مختصر تجزیہ

شاعر خوش نوا نند لال نیرنگؔ نے اُردو شاعری میں داستان ساوتری کو مثنوی کی شکل میں لکھ کر اُردو پرستاروں کو اس عمدہ فکری، تجلیاتی حکایت کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اگر چہ بعض اُردو شاعروں نے کچھ اشارے ضرور کیے ہیں لیکن جگر بریلوی متوفی 1975ء نے پورا ایک کتابچہ ''پیامِ ساوتری'' کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ نیرنگؔ چوں کہ اُردو، فارسی، ہندی کے علاوہ انگریزی اور سنسکرت سے بھی واقف تھے، اس لیے انھوں نے یہ ترجمہ سلیس اشعار میں مثنوی کی ہیئت سے (96) شعروں میں کیا۔ یہاں اس بات کی توضیح بھی ضروری ہے کہ یہ حکایت مہابھارت جو سنسکرت میں مذہبی عقیدتی رزمیہ کتاب سے ہے اس لی گئی ہے۔ اس نظم کو شری اروبندو نے فری ورس کے چوبیس ہزار مصرعوں میں انگریزی میں لکھا تھا۔ شری اروبندو بیسویں صدی کی پہلی چار دہائیوں میں یہ مثنوی تصنیف کر رہے تھے۔ ساوتری کو اروبندو نے پہلے تین حصوں میں تقسیم کر کے اس رزمیہ نظم کو بارہ کتابوں میں رقم کیا۔ پھر ہر کتاب کو آہنگ یا نغموں یا قطعوں میں یا Canto میں بیان کیا۔ اس آہنگ کے بھی مزید سکشن بنائے گئے، جو ہر مضمون اور مطلب کے اعتبار سے جدا ہے۔ اگر چہ ساوتری اساطیری حکایات میں شامل ہے لیکن اس کی عظمت اور اہمیت اِس لیے بھی ہے کہ اس میں ذات، کائنات، جہان، آنسوی جہاں، جسم و روح کے ساتھ موت کی بالیدہ اور گہری باتیں بھی ہیں۔ اروبندو نے آتما، پرماتما، دردورنج زندگی، روح کی تربیت اور ترقی اور فنا سے بقا کی تلاش کو عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے جس سے انسان کا معبود سے رشتہ اور معبود کی

صفات کا حامل ہونا شامل ہے۔

نیرنگ سرحدی نے زیادہ تر توجہ اِس داستان کے اساطیری اور واقعاتی مسایل پر دے کر بعض مصرعوں میں فکر اور سوچ کی بلندیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہاں مثنوی چھوٹی بحر میں نغمگی سے سرشار ہے۔ بیان صاف سلیس شگفتہ اور عام فہم ہے۔ داستان میں جو تسلسل ہوتا ہے جو اُس کی جان اور اہمیت کا حامل رہتا ہے وہ لطفِ بیان پوری مثنوی میں نظر آتا ہے۔

مثنوی کی تمہید میں اُردو، فارسی، ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کا سنگم ملاحظہ کیجیے۔ عہدِ سلف (پرانا زمانہ)، نیک فرجام (نیک انجام)، مہ لقا (چاند کا ٹکڑا)، ہون کی پوتر (عزت کی پاک)، ساوتری کا راگ (بلند فکری کا نغمہ)

یہ عہدِ سلف کی ہے اِک داستاں
کہ تھا وارثِ تختِ ہندوستاں
نِکو سیرت و نیک فرجام تھا
ہر اِک طرح کا اُس کو آرام تھا

طبیعت میں تھا جوہرِ راستی
اسے لوگ کہتے تھے اشواپتی
وہ بے لوث پاک اور معصوم تھا
مگر حقِ پدری سے محروم تھا

عبادت میں مصروف رہتا تھا وہ
خُدا سے دِلی راز کہتا تھا وہ
ہَون کی پوتر جلاتا تھا آگ
وہ گاتا تھا اُس پہ ساوتری کا راگ

اچانک اُس آتش سے اِک مَہ لِقا
نظر آئی راجہ کو اور یہ کہا،
تجھے حق سے بخشی گئی برتری
ترے گھر میں آئے گی ساوتری

جو ہوگی ترے گھر کا روشن دیا
وہ پھیلائے گی چار جانب ضیاء
یہی تھا دُعاؤں کا اس کی اثر
کہ لڑکی سے روشن ہوا اُس کا گھر

اُردو میں جو مثنویاں لکھی گئی ہیں وہ نرم لہجہ اور روانی میں بے مثال ہیں۔ یہ مثنوی بھی اُسی زمرے میں شامل ہوتی ہے۔ شاعر کو زبان اور بیان پر قدرت حاصل ہے۔ اشعار کی روانی بہتا ہوا پانی کے مانند ہے جو بڑی شاعری کی نشانی ہے۔

سراپا نگاری جس کو سکھ نکھ بھی کہتے ہیں شاعر نے بہت ہی اچھے طریقے سے صورت سیرت اور اخلاق کو ساوتری کے پیکر میں اُتار دیا۔

وہ تھی خُوبرو اور تنومند بھی
وہ دُختر تھی کاہے کو فرزند تھی
تھی پاک اور منزہ خیالات میں
لیاقت، شرافت، عبادات میں

وہ روشن دماغ اور بے باک تھی
ہر اک بات میں چُست و چالاک تھی
شگفتہ تھا دِل اُس کے ماں باپ کا
نہ تھا اس میں ذرّہ کوئی پاپ کا

تمام خوبیاں اور اوصاف حمیدہ بڑی خوبی کے ساتھ شاعر نے چار شعروں میں مثنوی کے بیان کر کے یہ لکھا کہ راجہ اور رانی کو بیٹی کی شادی کی فکر ہوئی تو ساوتری نے کہا کہ پہلے مقدس مقامات پر جائے گی، چناں چہ وہ جنگلوں سے جب گزر رہی تھی تو اُس نے ایک خوب صورت جوان دیکھا اور اس کی عاشق ہوگئی۔ ساوتری کے عاشق کا نام ست وان تھا۔ جب وہ گھر واپس ہوئی اور والدین کو ست وان سے شادی کرنے کا ارادہ بتائی تو جو نجومی نارد رشی محل میں تھا اُس نے بتایا کہ ست وان ایک سال میں مر جائے گا لیکن ساوتری نے کہا میں بہر حال اس کی بیوی ہوں۔

ساوتری نے سُن کر کہا اے پتا
جو ہونا تھا مجھ سے وہی ہوگیا
میں جو کر چکی ہوں رہے گا وہی
میں پتنی ہوں اس کی وہ میرا پتی

بہر حال شادی کی رسومات ہوگئیں۔ دولہے کا باپ اندھا تھا جنگلوں میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ ساوتری اور ست وان میاں بیوی کی زندگی گزار رہے تھے کہ وہ وقت آ گیا کہ موت کا فرشتہ ست وان کی روح قبض کرنے آ گیا۔

شاعر نے جو موت کے فرشتے کا حلیہ لکھا ہے دلچسپ ہے۔

ساوتری نے دیکھا جو سر کو اُٹھا
سیہ مَرد اِک پاس ہی تھا کھڑا
بڑی اس کی مونچھیں بڑے سر کے بال
گھنی اُس کی داڑھی تھی منہ اُس کا لال
جو دیکھا اُسے تو وہ گھبرا گئی
کہ ہے موت کا دیوتا واقعی

کہا اُس فرشتے نے ساوتری
اسے چھوڑ دے جو نہیں شے تری

ساوتری نے پہلے منت سماجت کی کہ وہ شوہر کی روح کو قبض نہ کرے لیکن فرشتہ مجبور تھا، وہ اس کی روح لے کر چلا لیکن ساوتری بھی اس کے پیچھے پیچھے جاتی رہی۔ فرشتے نے کہا! دوسری تیسری کوئی خواہش ہے۔ ساوتری نے کہا، میرے خسر کو بنیائی دے دے، فرشتے نے بنیائی لوٹا دی، لیکن وہ ست وان کی روح اس کے بدن میں نہیں کر رہا تھا۔ ساوتری نے کہا، میرا گھر پوتوں سے بھرا رہے فرشتے نے منظور کر لیا تو ساوتری نے کہا، بغیر باپ کے بچے کیسے پیدا ہوں گے۔ آخر میں شاعر نے ساوتری کی نظم کو یوں تمام کیا ہے۔

فرشتہ یہ سُنتے ہی گھبرا گیا
ساوتری کو ست وان واپس مِلا

اک آواز چاروں طرف سے اُٹھی
کہ جے ہو سَدا تیری ساوتری
چلی پھر ہوا ہوکے آئی وہاں
کہ تھی لاش مُردہ پتی کی جہاں

قریب اس کے آئی جگایا اسے
جو گُزرا تھا سچ سچ بتایا اُسے
ابھی پھر رہا تھا میں اَفلاک پر
جو اُٹھا تو دیکھا کہ ہوں خاک پر
چلی ساتھ لے کر وہ ست وان کو
کیا یاد دونوں نے بھگوان کو

جیسا کہ ہم نے لکھا ہے یہ انگریزی سے اُردو میں ترجمہ ہے۔ شری اروبندو نے چوبیس ہزار اشعار جو بارہ کتابوں میں تقسیم ہوئے، بڑے تفصیل سے لکھا ہے۔ نیرنگ نے اس کی فکری، عقیدتی، فلسفیانہ مطالب کو اس لیے نظم نہیں کہا کہ یہ مطالب ہزاروں اشعار کے متقاضی ہیں۔ اس نظم سے ہمیں یہ روشنی ملتی ہے کہ ہم اس طویل نظم کو انگریزی میں پڑھیں اور اُس کے پیام سے زندگی کی ابدی کیفیات اور محبت و خوشی کو دُنیا میں پھیلایں۔ ساوتری کی فلک پر سیر اور رشیوں اوتاروں اور مہا آتماؤں سے ملاقات اور ان سے عزم استقلال اور بیداری قلب کا حامل کرنا انسانیت کی معراج بتایا گیا ہے جس سے انسان امر ہو جاتا ہے اور اس کا وجود معبود میں حل ہو کر بقا کا حصّہ ہو جاتا ہے۔

نیرنگؔ کے قطعات میں اخلاق سازی

قطعہ اُردو شاعری کی وہ صنف ہے جس میں عموماً ایک مضمون یا ایک واقعہ کو قصیدہ یا غزل کی عروضی ترکیب میں لکھتے ہیں۔ مطلع کے علاوہ عموماً قطعہ میں کم از کم چار شعر ہوتے ہیں۔ مگر دو شعر کا بھی قطعہ ہوسکتا ہے قطعہ کی جمع قطعات ہے۔ اگرچہ قطع کی زیادہ اشعار پر پابندی نہیں۔ ایک عمدہ کامیاب کہنہ مشق شاعر اُس وقت قطعہ لکھتا ہے جب اُسے شعری مضمون میں ایک کیفیت، احساس، جذبہ، واقعہ، مسایل خارجی یا داخلی منظوم کرنا ہوتا ہے اس لیے قطعات میں موضوعات کی فراوانی اور مطالب کی بوقلمونی ہوتی ہے۔ قطعہ کسی بھی بحر میں ردیف کے ساتھ یا ردیف کے بغیر لکھا جاسکتا ہے۔ شاعروں کی یہ بھی کوششیں رہتی ہے کہ قطعے میں قصیدے یا غزل کا طمطراق اور رنگ نہ آجائے۔ اُردو کے دورِ قدیم میں اس صنف پر بہت کم لکھا گیا، لیکن زمانے کے ساتھ ساتھ اس کا استعمال بڑھتا گیا۔ خصوصاً جب سے صحافت اور قطعے کا رشتہ جڑا ہے ہر طرف عمدہ قطعہ نگاری ہورہی ہے اور عموماً قطعات میں اشعار کی تعداد بھی کم ہوتی ہے۔ دورِ قدیم سے تاریخی قطعات لکھنے کا عمل جاری ہے جس میں حروف کے اعداد سے تاریخ نکالی جاتی ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد جب ہم نند لال نیرنگؔ کی شاعری میں قطعات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک کامیاب قطعہ نگار ہیں جن کے قطعات کی تعداد تقریباً (180) کے قریب ہے۔ نیرنگؔ نے کچھ قطعات فارسی میں بھی لکھے ہیں۔ عموماً ان کے قطعات میں دو شعر ہوتے ہیں۔ موضوعات اور مطالب کی فراوانی قطعات میں نظر آتی ہے۔ بعض قطعات کو پڑھنے

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے رباعی کی طرح قطعہ میں بھی دوسرا شعر یا آخری مصرعہ مضمون کی معنی آفرینی یا شعری بالیدگی پر ختم کیا ہے۔ شاعر ماحول اور سماج کے مسایل سے الگ نہیں رہ سکتا، بخصوص ایسا شاعر جس کی شاعری کا مقصد اور محور حقوق بشر جس میں مساوات، اخوت، احترام اور عزتِ نفس سے زندگی گزارنے کا مشورہ اور عمل کی تاکید کا ذکر ہو۔

ہم نیرنگؔ کے قطعات کو ادبی، علمی، تہذیبی، سماجی، سیاسی، آزادی اور شخصی مضامین اور مطالب کے تحت تقسیم کر سکتے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ نیرنگؔ کے قطعات اُردو اور ہندی کے بعض روزناموں اور رسالوں میں چھپتے تھے اور قطعات سے ان کی شناخت اور شہرت بھی تھی۔ اکیسویں صدی کے ہمارے گلوبل ویلج میں اُردو شاعروں اور اُردو پرستاروں کی نظریں قطعات، نظمیں اور غزلیات پر ہی ہیں۔ نیرنگؔ قطعہ نگاری کے کامیاب شاعر اس لیے بھی ہیں کہ وہ اختصار کے رموز سے آشنا اور فن کے گُر سے واقف تھے اسی لیے وہ چار مصرعوں میں وہ بات کہہ دیتے تھے جو دوسرا شاعر پوری نظم میں بھی نہیں کہہ پاتا۔ نیرنگؔ کے قطعات کی مضمون آفرینی سے متاثر ہو کر انھیں ریواڑی میں کسی بھی معتبر شخصیت کے استقبال میں مدعو کر کے خیر مقدم کے اشعار پڑھوائے جاتے، یہی نہیں بلکہ ان کے یہ جاویدانہ مصرعے ذہنوں کے علاوہ پتھروں پر کندہ کروائے جاتے جس کی زندہ مثال موہر سنگھ کے مجسّمے کے نیچے انگریزی اشعار کے ساتھ ان کے اُردو اشعار آج بھی موجود ہیں۔

قطعات کے لیے نیرنگؔ نے اُسی معیار، لہجے، اور سادگی و طمطراق کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جس سے مضمون کی ترسیل اور اس کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ عموماً قطعات کی زبان عامیانہ اور صادقانہ ہوتی ہے۔

یہ بات ٹھیک ہے کہ نیرنگؔ کوئی فلسفیانہ یا کسی خاص نظریہ کی پرچار کے آدمی نہ تھے وہ اپنے قطعات سے عوامی درد کو دور کرنے کا ہنر جانتے تھے، وہ نفسیات سے

واقف تھے۔ درد، تحمل، غربت، مہاجرت، تنگ دستی، تعصب، فرقہ واریت اور حق و حقوق سے محرومی وغیرہ چوں کہ خود پر گزری ہوئی تھی اس لیے اس کی ترجمانی دل کی گہرائیوں سے کرتے تھے۔ نیرنگؔ نے خود یہ زہر کا جام پیا تھا اسی لیے اِس کی تلخی اور دردناک تاثیران کے مصرعوں سے ظاہر ہے۔

انسان جو حیوانِ ناطق ہے وہ اخلاق اور کردار کی بدولت ہی انسان کہلانے کا مستحق ہے۔ ذیل میں چند اخلاقی قطعات مزید کسی تفصیل کے پیش کرتے ہیں۔

جس سے نہ بجھے تشنگی اے حضرتِ نیرنگؔ
اُس ساغرِ مئے کو کبھی ساغر نہیں کہتے
''کعبہ میں مسلمان کو بھی کہہ دیتے ہیں کافر
بُت خانہ میں کافر کو بھی کافر نہیں کہتے''

زِندگی کو حُباب کہتے ہیں
اور زمانے کو خواب کہتے ہیں
اپنی شہرت کے واسطے نیرنگؔ
ہم ہر اِک کو خراب کہتے ہیں

وید میں ڈھونڈ نہ تو، اور نہ قرآن میں دیکھ
شکلِ اللہ، جو چاہے تو، وہ انسان میں دیکھ
ناصحا رندِ خرابات کی کچھ بات نہ کر
بڑھ کہ نادان ذرا اپنے گریبان میں دیکھ

تعلیم کی کمی ہے نہ اسباق کی کمی
ہم میں نہیں ہے شہرتِ آفاق کی کمی

یوں تو ہر اِک چیز ہے ہندوستان میں
لیکن کوئی کمی ہے تو اَخلاق کی کمی

آج کی شعری تفہیم کی ضرورت یہ بھی ہے کہ اُسے زمان اور مکان کے تقاضوں کے تحت اور پھران تقاضوں کے علاوہ بھی اس کی معنی آفرینی اورضرورت کے احساس پر بھی روشنی ڈال کر کی جائے۔ دُنیا سکڑ رہی ہے۔ نبی آدم اگر چہ ایک دوسرے سے مکانی فاصلہ رکھتے ہیں، لیکن کبھی ملے ہوئے رہتے ہیں اور کبھی فاصلہ نہ ہونے کے باوجود جدا رہتے ہیں اس لیے ہمیں ایک دوسرے کو جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے اور شاعروں کے کلام کا ترجمہ اور ترجمانی اس دور کی اہم ضرورتوں میں شامل ہے۔ اسی لیے شاید بزمِ ادب سرحدی میموریل کے منصوبوں میں اس شاعر کی آفاقی انسانی اور عالمی پیغام کو دوسری قوموں اور زبانوں میں ترجمہ کر کے پہنچانے کا کام بھی شامل ہے۔ شاعر نے ہندوستان میں اخلاق کی کمی کا گِلہ کیا ہے۔ جو بہت صحیح ہے لیکن یہ بیماری ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کے نفسیاتی علاج میں شاعری موثر ہو سکتی ہے اور یہاں جا کر شاعری پیمبری کہلاتی ہے۔ ناقدری اور انسان کی قدر و منزلت کا خسارہ قدیم مسئلہ ہے۔ جیسے کہ نیرنگ نے ان قطعات میں لکھا ہے۔

زندگانی میں کئی دَور بدلتے دیکھے
دیکھے بدلے ہوئے کچھ اور بدلتے دیکھے
رنگِ تقدیر بدلنے لگا جسدم نیرنگ
یار و احباب بھی فی الفور بدلتے دیکھے

افسوس کِسے ہوتا ہے گُلزار کے اندر
جب پُھول کِھلیں وادیٔ کُہسار کے اندر
ناقدریٔ عالم تو نئی چیز نہیں ہے
یُوسفؑ کا بھی نیلام تھا بازار کے اندر

ہمارے تبصرے اور مختصری تشریح کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ نیرنگؔ کے کلام کی روشنی سے انسانیت کے جوہر کو خودسازی اور جہاں سازی سے ملا کر پیش کریں۔ مقام انسان، احترام انسان، حقوق انسان اور عظمتِ انسان سے آشنائی ہو تو انسانیت کی منزل کا پتہ ہوگا۔ اور اس کٹھن مسئلہ کے لیے خودی کی تربیت اور تعلیم کی ضرورت ہے۔ نیرنگؔ بھکتی کے راز سے واقف تھے اسی لیے تو کہتے ہیں۔

سیرت خاص و عام دیکھی ہے
سب کی طرزِ کلام دیکھی ہے
مجھ کو دُنیا نے گو نہیں دیکھا
میں نے دُنیا تمام دیکھی ہے

اخلاق کا معلّم بداخلاق اور بدکردار کیسے ہوسکتا ہے۔ اخلاق سازی ذات سے شروع ہوتی ہے۔ یہ نشہ اُس کو چڑھتا ہے جس نے خون جگر پیا ہے یہ وہ سکون ہے جو زندگی کے درد رنج اور مشکلات سے حاصل ہوتا۔ جن افراد کو جسمانی راحتیں میسّر ہوتی ہیں وہ آرام تو حاصل کر سکتے ہیں لیکن انھیں سکون نہیں ملتا۔ یہ دُنیا چڑھتے سورج کی پجاری ہے یہاں غرض مندی ہی احترام گزاری کی وجہ ہے۔

کوئی جُھک کر سلام کرتا ہے
ظاہراً احترام کرتا ہے
بے غرض آج کل زمانے میں
کون کس سے کلام کرتا ہے

کس کس کا شکوہ کیجیے کس کا نہ کیجیے
بہتر تو ہے یہی کہ زباں وا نہ کیجیے
ہے کون راز دار جہاں میں بجز خدا
چرچا کسی کا راز کا اصلاً نہ کیجیے

اسی طرح کے کئی قطعات نیرنگؔ کے ملتے ہیں۔ ہم مضمون کی طوالت سے بچنے کی خاطر ایک دو معنی خیز قطعوں پر بات ختم کرتے ہیں۔

اس زمانے کے خرافات کو سمجھے کوئی
اِن بدلتے ہوئے حالات کو سمجھے کوئی
رغبتِ مال و مَتاع سے پہلے
مسئلہ مرگِ مفاجات کو سمجھے کوئی

گمراہ مجھ کو راہ بتائے گا کس طرح
ظلمت پسند روشنی پائے گا کس طرح
جس شخص کو گراں ہو کسی آدمی کی بات
بارِ غمِ حیات اُٹھائے گا کس طرح

اللہ رے یقین جو اہلِ جہاں پہ ہے
اور اعتبار اُن کی ہر اِک داستاں پہ ہے
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اِس کی حقیقتیں
دِل میں نہیں وہ بات جو اُن کی زباں پہ ہے

نیرنگؔ فہمی کا مختصر تعارف

نند لال نیرنگؔ سرحدی ان شاعروں میں شامل ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کے ہر پہلو کو اپنی شاعری میں اُجاگر کیا ہے۔ نیرنگؔ ''عرض حال'' میں لکھتے ہیں۔ ''میری شاعری میری زندگی کا آئینہ ہے، جو کچھ کہتا ہوں، زندگی کے واقعات کی جھلک اس سے صاف نمایاں ہوتی ہے۔'' ہم اس تحریر میں یہ کوشش کریں گے کہ صرف قطعات ہی کی مدد سے ان کی شخصیت اور فکر پر روشنی ڈال سکیں۔ چناں چہ نیرنگؔ کے بکھرے ہوئے قطعات کو مضمون کی نوعیت سے جمع کر کے نیرنگؔ سرحدی کو جاننے کی کوشش ہوگی۔ ہم اس تحریر میں تشریح اور تفسیر سے گریز اس لیے کر رہے ہیں کہ یہ قطعات عام فہم ہیں اور مضمون میں تفصیل کی گنجایش بھی نہیں ہے۔

مُحتاج ترے در کا ہر اک شاہ و گدا ہے
اَندازِ کرم سب کے لیے تیرا جُدا ہے
ہر چیز عطا کی ہے کہیں اپنے کرم سے
مجھ پہ بھی کرم ترا ہے، غم مجھ کو دیا ہے

آنکھوں کے لیے ذوقِ نظارا ہی بہت ہے
اور دِل کے لیے غم کا سہارا ہی بہت ہے
دُنیا کی ہر اک چیز عبث ہے مرے آگے
میرے لیے رحمت کا اشارا ہی بہت ہے

عرش سے آئی ندائے دلفگار
شاعرِ باطل پرست او نابکار
مدحتِ انساں نہیں ہے شاعری
شاعری ہے مدحتِ پروردگار

مہاجرت کا درد، دربدر ہونے کا غم جو تقسیم ہند کے ساتھ ان کی زندگی میں جمع ہوا، اس کی جھلک ان قطعوں میں محسوس کیجیے۔

کیے ہم پہ کیا کیا گماں دوستوں نے
مِٹایا ہمارا نشاں دوستوں نے
اثاثہ ہمارا تو دُونو نے لوٹا
مکاں دُشمنوں نے زباں دوستوں نے

ایسا تو کوئی دور نہیں گزرا نظر سے
تاریخ کے اوراق اُلٹ جاؤ جدھر سے

الٰہی تری رحمت خانۂ اغیار پر ہے
انگوروں کے وطن کا دانۂ انگور کو ترسے

منزل مجھے ملے نہ ملے اس کا غم نہیں
منزل کی جستجو میں مرا کارواں تو ہے
گو میں نہیں چمن میں اے اہلِ چمن تو کیا
اب تک بھی اُس چمن میں مرا آشیاں تو ہے

نیرنگ کی شاعری میں ملک کے تقسیم ہونے سے جو فرقہ وارنہ واردات، نفرت اور زہریلی فضا جو ماحول میں پھیلی اِس میں اِن کی ثابت قدمی قابل تحسین

اور تقلید بھی ہے۔

ہندو ہُوں زیادہ نہ مُسلمانِ زیادہ
نے قائلِ ناقُوسِ نہ اذان زیادہ
مَیں دامِ مذاہب میں نہیں اُلجھا ہوں نیرنگ
اِنسان مجھے سمجھے ہے اِنسان زیادہ

واعظ کی نظرِ تنگ میں کافر تھا اُن دنوں
کافر یہ جانتا ہے مسلماں ہوں آج کل
نیرنگ بدل رہا ہے زمانے کا رنگ خوب
طرزِ ادائے نو میں غزل خواں ہوں آج کل

ہندو نہیں سمجھے ہیں مُسلماں نہیں سمجھے
صد حیف کہ وہ مقصدِ ایماں نہیں سمجھے
کیا اہلِ زمانہ سے میں واقف نہیں نیرنگ
اب تک بھی جو انسان کو انساں نہیں سمجھے

اگرچہ کے ذیل کے قطعوں سے ان کی پریشانیاں، تنہایاں اور مشکلیں ظاہر ہوتی ہیں لیکن وہ ناامید نہیں بلکہ محنت اور جدوجہد ہی کو اپنا ہتھیار بنا کر زندگی فتح کر لیتے ہیں اور ان کے کلام کا یہ پیغام عوام کے لیے انعام ہے۔ چند منتخب قطعات دیکھئے:

سر زمینِ عشق میں صبح بشکلِ شام ہے
یہ زمیں وہ ہے جہاں عرفانِ رحمت عام ہے
حضرتِ نیرنگ نہ گھبرا عشق کے انجام سے
کامیابی اصل میں ناکامیوں کا نام ہے

انقلاب آگیا ہے پل بھر میں
کوئی آتا نہیں تصوّر میں
میں ہی جاتا ہوں سب کے گھر نیرنگ
کون آتا ہے اب مرے گھر میں

قسمت میں نہیں آئی کبھی شامِ تمنا
افسوس مجھے مِل نہ سکا جامِ تمنا
احباب مِری شکل سے بیزار ہیں نیرنگ
ہر شخص مجھے کہتا ہے ''ناکامِ تمنا''

بہت زندگی میں صبح و شام آئے
مقدر میں لیکن نہ آرام آئے
کسی نے بھی حالِ غمِ دل نہ پوچھا
مرے غم ہی اکثر مرے کام آئے

اگر ہم صرف قطعات ہی کو مرکز بنا کر نیرنگ فہمی شروع کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی فکر کا ایک بڑا حصّہ مختلف موضوعات کے تحت اسی ایک صنف میں اتنا زیادہ ہے کہ ان کا مقصد سمجھا جا سکتا ہے۔ چند قطعات جن میں کائنات کا تجسّس اور زندگی موت کی حقیقت آسان و سہل بیان میں آشکار ہے یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

کون کہتا ہے کہ قدرت کے نظاروں کو نہ دیکھ
بر سرِ ارض و سما پھول ستاروں کو نہ دیکھ
چشمِ روشن تجھے گر حق نے عطا کی نیرنگ
دیکھ انجام کو آغازِ بہاروں کو نہ دیکھ

شمع سے یہ کہہ رہی ہے خاکِ پروانہ ابھی
رات آخر ہوگئی باقی ہے افسانہ ابھی
ختم ہو جائے گی اس کے بعد تفسیرِ حیات
زندگی کہنے کو ہے اِک اور افسانہ ابھی

اَب نہ پہلی سی شان باقی ہے
ہے غنیمت کہ جان باقی ہے
سب بلائیں تو دیکھ لیں نیرنگ
مَوت کا اِمتحان باقی ہے

حالتِ بے بسی سے ڈرتے ہیں
اور تری بے رُخی سے ڈرتے ہیں
لوگ ڈرتے ہیں موت سے اکثر
ہم مگر زندگی سے ڈرتے ہیں

بہارِ عیش کہاں لذتِ خزاں بھی گئی
چمن کے ساتھ ہی بنیادِ آشیاں بھی گئی
کسی بھی چیز کے جانے کا غم نہیں نیرنگ
جو رنج ہے تو یہی ہے کہ اب زباں بھی گئی

ہوگئی جب سے مئے ناب سے اُلفت ساقی
نہ رہے سجدہ و تسبیح و عبادت ساقی

پوچھتے کیا ہو نشاں رند خرابات کا نام
نام نیرنگ ہے ریواڑی میں سکونت ساقی

میری ہستی بھی کوئی ہستی ہے
پارسائی نہ مے پرستی ہے
درد و غم کا ہجوم ہے دِل میں
ایک دُنیا یہاں بھی بستی ہے

کچھ تعلق نہیں نیرنگؔ کو کسی فرقے سے

نندلال نیرنگؔ فرزند سادھولال پشاور کے ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے اور آج ان کی اولاد جو دُنیا کے مختلف ملکوں میں ہے وہ بھی ہندو دھرم کی ماننے والی ہے۔ اگرچہ نیرنگؔ ہندو تھے لیکن مذہبی تعصب اُن میں نہ تھا۔ وہ ہر مذہب اور مذہب کے دیگر فرقوں کو عزت کی نظر سے دیکھتے اور دوسروں کو اس کی تاکید بھی کرتے تھے۔

ان کا وصیت نامہ جو اُردو اخبار ''ہند سندیش دہلی'' میں 25/مئی 1974ء کو ''شاعر کسی خاص مذہب کا قایل نہیں ہوتا'' شائع ہوا اور اس کی ایک کاپی اسی کتاب میں بھی موجود ہے۔ نیرنگؔ لکھتے ہیں۔ ''میرے فرزند اگر ہو سکے تو خواہش و عقائد مندرجہ ذیل باتوں پر عمل سرا ہوں تا کہ میری روح کو تسکین نصیب ہو۔'' (1) میں رضا کا قائل ہوں اور آہ و بکا کو خلافِ عقیدہ سمجھتا ہوں۔ (2) میرے بیٹوں میں سے کوئی بھی سر نہ مُنڈوائے۔ سادہ طریقے سے لکڑیوں میں رکھ کر آگ لگا دیں۔ کوئی منتر وغیرہ نہ پڑھا جائے۔ (3) اگر چوتھے روز ہڈیاں (پھول) چُننے کی نوبت آئے تو ان ہڈیوں کو بجائے ہردوار لے جانے کے کسی اتفاق سے دِلّی جا کر اپنی مرضی سے دریائے جمنا میں اس طرح ڈال دیں۔ جیسے کوئی چیز ڈال دی جاتی ہے۔ (5) مرنے کے بعد کسی باعث یا کسی مذہبی آدمی کے کہنے سُننے سے میرے نام کھانا پہنچانا میرے عقیدے کے خلاف ہوگا۔ اگر کبھی بھولے سے میری یاد آجائے تو دُعائے مغفرت فرما کر مجھ پر احسان کریں۔''

یہاں اِس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ نیرنگؔ کے بیٹوں نے جیسا وصیت

میں لکھا تھا اُسی طرح کیا۔ نیرنگؔ سرحدی خود عملی آدمی تھے وہ جیسا دوسروں کو تاکید کرتے اپنے لیے بھی وہی کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹوں کے ناموں کے ساتھ اسلامی تہذیب کے نام بھی رکھّے تھے۔ جیسے راجکمار خاں، نریش سلیم، ستیش شکیل، ادیب اقبال وغیرہ۔ جیسا کہ ہم نے لکھّا ہے وہ جب گھر سے باہر جاتے تو کالی شیروانی، شینل کی ٹوپی پہنے رہتے۔ وہ کبھی نظام الدین اولیا کی درگاہ میں عارف صاحب کی درخواست پر نعتیہ مشاعرے میں شرکت کررہے ہیں۔ اُس نعت کا تجزیہ ہم نے اس کتاب میں بھی کیا ہے۔ اور یہاں اس کی تکرار کی ضرورت نہیں کبھی 24/مارچ 1967ء کو جامعہ ملیہ دہلی میں عید پر خوب صورت غزل کی ہیت میں نظم سُنا رہے ہیں۔ آپ بھی اس نظم کے چند شعر سینے اور سر دھنیے۔

نگاہِ لُطف و کرم ہو تو عید ہوتی ہے
نصیب دولتِ غم ہو تو عید ہوتی ہے

کبھی جو آنکھ میں نم ہو تو عید ہوتی ہے
خوشی بشکل الم ہو تو عید ہوتی ہے

عُروجِ عشق یہی ہے تمہارے نام کے ساتھ
ہمارا نام رقم ہو تو عید ہوتی ہے

جبینِ شوق نے سجدے کہاں کہاں نہ کیے
تمہارے در پہ جو خم ہو تو عید ہوتی ہے

نِشاط شعر و سخن میں یہی تو ہے نیرنگؔ
زباں ہو، زورِ قلم ہو تو عید ہوتی ہے

کتنی خوب صورت نظم ہے جس کے صرف چند شعر ہم نے یہاں نقل کیے ہیں۔ کبھی محرم کے موقع پر نواسے رسولؐ امام حسینؑ کی عظمت میں کہہ رہے ہیں۔

سجدوں کا نام ہے نہ نیاز و دُعا کا نام
ہے اصل بندگی تو خُدا کی رضا کا نام
ثابت کیا ہے اہلِ جہاں پر حُسینؑ نے
نکلا بوقتِ قتل بھی لب سے خُدا کا نام

بھارت میں کہی مذاہب کے لوگوں بستے ہیں اس لیے بھی قومی یکجہتی ملک کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ نیرنگ نے ہندو دھرم اور بھارت کے ملی تہواروں پر خوب صورت نظمیں لکھی ہیں جو اِس مجموعے میں شامل ہیں اور ان کا ذکر اس تحریر میں ضروری نہیں اس کے علاوہ مہابھارت کی اساطیری حکایت ''ساوتری'' کو (96) اشعار کی خوب صورت مثنوی میں پیش کیا ہے۔ نیرنگ نے گورو نانک صاحب، گورو گوبند صاحب، اہنسا کے پیمبر مہاویر سوامی اور مہرشی دیانند کے بارے میں جو عقیدتی نظمیں لکھی ہیں اُس سے نیرنگ کی قلبی وسعت، علمیت، رواداری اور ان مذہبی ہستیوں کی عظمت کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ تمام نظمیں اسی مجموعے میں شامل ہیں ہم آیندہ ان کی اقتباسات پیش کریں گے۔ یہ مطلب بھی دلکش ہے کہ علاّمہ اقبالؔ نے بھی رام اور نانک پر عمدہ تمجیدی نظمیں ''بانگ درا'' میں لکھی ہیں۔

نیرنگ کے اِس کلیات ''تعمیر بقا'' میں گورو نانک پر تین نظمیں اور گورو گوبند سنگھ پر ایک نظم نظر آتی ہے۔

ا : گورو نانک..... یہ نظم مسدّس کی شکل میں پانچ بندوں میں لکھی گئی ہے۔ یہاں گورو نانک کی تعلیمات کا اثر اُس زمانے کے بگڑے ماحول کو سدھارنے کے لیے شاعر نے سلیس اور شگفتہ لہجے میں نظم کیا ہے۔

اُفقِ ہند پہ ظلمت کے نشاں تھے ظاہر
یعنی اِس باغ میں آثارِ خزاں تھے ظاہر

حق پرستی کی جگہ وہم و گماں تھے ظاہر
جس قدر ظلم تھے سارے وہ یہاں تھے ظاہر
تُو یہاں آیا تو پھر ہند کا تارا چمکا
ظلمتیں دُور ہوئیں بخت ہمارا چمکا

گورو نانکؔ سے مخاطب ہو کر شاعر کہہ رہا ہے تیری تعلیمات سے لوگ بہرہ ور ہیں۔ تو بندوں سے پیار کرتا ہے، ان کے غم دور ہوتے ہیں۔ نیرنگؔ کہتے ہیں جب بھی غمگینی میں تجھ کو آواز دی مجھے طوفانِ زندگی میں کنارا مل گیا۔

تیری تعلیم کا دُنیا پہ اثر ہے اب بھی
دیکھ! مسجود خلائقِ ترا در ہے اب بھی
اپنے بندوں پہ تری خاص نظر ہے اب بھی
تجھ پہ رحمت کی نظر شام و سحر ہے اب بھی
دلِ غمگیں سے تجھے جب بھی پُکارا میں نے
پالیا بحرِ محبت کا کنارا میں نے

ہند میں نانک نے غفلت سے لوگوں کو جگا کر سیدھے راستے پہ چلایا۔ وہم اور گمان کو نکال کر یقین ان کے دلوں میں بھر دیا۔ توحید کی خوشبو سے گلستانِ ہند معطر کیا۔ اخلاق سازی سے دیووں کو انسان بنا دیا۔

خوابِ غفلت سے جہاں بھر کو جگایا تُو نے
راستہ صِدق و محبت کا دکھایا تُو نے
صفحۂ دہر سے باطل کو مِٹایا تُو نے
درسِ توحید زمانے کو پڑھایا تُو نے
وہم کا نام زمانے سے مِٹا کر چھوڑا
دیو زادوں کو بھی انسان بنا کر چھوڑا

گرو صاحب کی تعلیم اور تربیت سے ملک میں پھیلے اونچ اور نیچ کے فرق

نمایاں ہوئے، انھوں نے حق پرستی کا اِس اندھیرے ماحول میں چراغ جلایا۔

اُونچ اور نیچ کا سب فرق مِٹایا تُو نے
اور غریبوں کو سرِ عرش بٹھایا تُو نے
حق پرستی کا سبق ہم کو پڑھایا تُو نے
ایک اونکار کی مشعل کو جلایا تُو نے

ب : دوسری عمدہ مگر مختصر مثنوی گورو نانک صاحب پر تیرہ (13) اشعار کی ملتی ہے جس میں توحید کو محور بنا کر میخانے کی فضا میں عمدہ نظم نگاری کی ہے۔ گرو صاحب کی تعلیمات کی کشش اور روشنی کو زمانے کی ضرورت اور بیمار ذہنوں کی شفا کے لیے لازم بتایا ہے۔ ہم اس مثنوی کے دوسرے اشعار جس پر میخانہ وحدت کا اثر ہے بغیر تشریح کے بیان کرتے ہیں۔

تو نے پُھونکی ہے دلوں میں وہ ہوا توحید کی
جُھومتی ہے نشۂ ہستی میں ہر گُل کی کلی

نامِ نقشِ دو جہاں مٹ جائے پر باقی ہے تُو
اِس جہاں کے میکدے کا اِک حسیں ساقی ہے تُو

پی رہے ہیں بادۂ توحید کے جام و سبو
سچ تو یہ ہے سارے رندوں کا فقط ساقی ہے تُو

چل رہا ہے دور مے ہر ہر گھڑی شام و سحر
ایسی مستی ہے کہ رندوں کو نہیں اِس کی خبر

چڑھ کے مستی پھر نہ اُترے دورِ پیمانہ رہے
کیفیت رندوں یہ طاری وجدِ مستانہ رہے

مجھ کو نیرنگؔ وہ عطا کر مستی جام و سبو
جس کے ہر ہر سانس سے نکلے صدائے تُو ہی تُو

ج : نیرنگؔ کی تیسری نظم گرونانک پر ''اظہارِ عقیدت'' کے عنوان سے ملتی ہے جو مردّف غزل کی ہیئت میں آٹھ اشعار پر مبنی ہے۔ مطلع ہے۔

ہماری قوم کے اِک قافلہ سالار نانک تھے
نہ تھا جس کا کوئی والی اُسی کے یار نانک تھے

علاّمہ اقبالؔ نے اپنی نظم نانک میں لکھا تھا۔

پھر اُٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے

نیرنگؔ کی اس نظم کا بھی جوہر نانک کی رہبری، درس وحدت، تعلیمات کی روشنی اور محبّت ہے۔ چند مصرعے ہی ہمارے بیان کے لیے کافی ہیں۔

ع : ہماری قوم کے اِک قافلہ سالار نانک تھے
ع : مگر اِس راستے کے رہبرِ ہوشیار نانک تھے
ع : مئے وحدت کے رنگیں جام سے سرشار نانک تھے
ع : ملائک کی نظر میں کاشفِ اسرار نانک تھے
ع : ضرورت تھی کہ دُنیا کو کوئی بیدار تب کرتا
نہ آیا کام جب کوئی علم بردار نانک تھے

د : نیرنگؔ سرحدی نے گورو گوبند سنگھ پر بھی ایک چار بندوں میں مسدس نظم لکھی اور اُن کو خراج عقیدت پیش کیا۔ انھوں نے مشکل وقت میں ملک اور قوم کی خدمت کی۔ ہمارے سامنے تاریخی حقایق موجود ہیں اسی لیے ہم چند اشعار ان بندوں کے پیش کرتے ہیں۔

مرحبا اے قوم کے سالارِ اعظم مرحبا
تیرے قدموں پر ہوئے سات آسماں خم مرحبا

تُو نے اپنی قوم کی مُشکل کو آساں کر دیا
مورکِ ناچیز کو دم میں سُلیماں کر دیا

''میری چڑیوں میں ابھی تک جذبۂ جانباز ہے''
یہ صَدا تیری نہیں، یہ غیب کی آواز ہے
رُوح آزادی کی پُھونکی تو نے مُردہ جان میں
آ گئی پرواز مُشتِ خاک کو اِک آن میں

کاروانِ راہِ گُم کردہ کا تُو سردار ہے
تیری اس توصیف کا دُشمن کو بھی اِقرار ہے
سَر زمین ہند پر بارانِ رحمت ہوگئی
زِندگی تیری سَراسَر خیر و برکت ہوگئی

اس جہاں پر جب کہ طاری حالت سیلاب تھی
کشتیِ ہندوستاں جب مائل غرقاب تھی
عظمتِ قومی کوئی دَم میں خیال و خواب تھی
رَحمتِ حق پردۂ ظلمت میں تب بیتاب تھی
ڈوبتی کشتی کو وہ تیرا سہارا یاد ہے
تیرے بچّوں کو شہادت کا نظارا یاد ہے

: نیرنگ سرحدی کی شاعری میں ''ادب برائے ادب'' اور ''ادب برائے ہدف'' دونوں نظر آتے ہیں۔ وہ امن اور محبّت کے پجاری ہیں۔ وہ مظلوموں، ستم کشوں، غریبوں اور کمزوروں کے حامی ہیں۔ انھیں ہر اُس شخص سے محبّت ہے جس کے عمل اور قول میں عشق و محبّت ہو۔ اسی لیے انھوں نے ہندوستانی عوام

کے مذاہب پر عمدہ شاعری کی ہے۔ نیرنگؔ کیوں کہ اہنسا کے حامی اور سپوت تھے اسی لیے وہ کبھی اہنسا کے پیمبر مہاویر سوامی، کبھی مہرشی دیانند اور کبھی گاندھی جی پر عقیدتی پھول نچھاور کر رہے تھے۔ نیرنگؔ کی نظموں میں ہمیں مہاویر سوامی پر دو نظمیں اور مہرشی دیانند پر ایک نظم اور دو قطعات بھی ملتے ہیں۔

و : اہنسا کے پیمبر مہاویر سوامی کے عنوان سے مسدس کی شکل میں چار بندوں پر مشتمل دلکش نظم ہے۔ ہم یہاں چند اس نظم کے مصرعے اور شعر چن کر گلدستے کی شکل میں پیش کرتے ہیں تاکہ نظم کے رس اور جَس کا پتہ چل جائے۔ یاد رہے کہ ایک پوری علاحدہ نظم بھی اہنسا پر نیرنگؔ نے رقم کی ہے جو اسی مجموعے میں شامل ہے۔

اَے زمانے کو اَہنسا کے دکھانے والے
مِہر و اُلفت کا نیا رنگ جمانے والے

تُو تو وہ ہے کہ جسے حق کا پیمبر کہیے
حُسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ یا ڈگمبر کہیے

واقعی حق و صداقت کا مہاویر ہے تُو
ہے جہاں خواب اگر، خواب کی تعبیر ہے تُو

آج بھی تیرے اصولوں پہ ہے دُنیا کا نظام
ہوگئے جور و تشدّد تو جہاں میں ناکام

نُورِ ریزی رہے دُنیا میں ترے نام کے ساتھ
کیف طاری ہو جہاں والوں پہ ہر جام کے ساتھ

ز : مہاویر سوامی کی پیدائش پر ''ویر جنتی'' کے عنوان سے غزل کی ہیئت میں نیرنگ کے مجموعے کلام میں گیارہ اشعار کی عمدہ قصیدہ نما نظم ملتی ہے جس کی تمہید دُنیا کی ریت اور روایت سے جوڑی گئی ہے۔

چمن کی آبیاری کو ہزاروں باغباں آئے
نظامِ گلستاں بدلے نگہبانِ جہاں آئے

پریشانی کبھی آئی، کبھی امن و اماں آئے
بہاریں ہوگئیں رُخصت تو سامانِ خزاں آئے

سیاست نے بدل ڈالا ہے اکثر اہلِ ایماں کو
بسا اوقات جھگڑوں کے مذاہب درمیاں آئے

کبھی صورت بنائی ظلم نے محمود و نادر کی
غبارِ آتشیں کے کارواں در کارواں آئے

خوب صورت تشبیب یا تمہید کے بعد گریز کر کے کہتے ہیں۔

اِسی تاریک عالم میں نہ آئی کام جب طاقت
پیامِ مہر و اُلفت لے کے ویرِ مہرباں آئے

جھکادی سب کی گردن ایک شمشیر صداقت سے
مِٹا جور و ستم، مہر و محبّت کامراں آئے

جُھکی جاتی ہے اِحسانوں سے گردن اہلِ عالم کی
زباں پر جب کبھی اَے ویر تری داستاں آئے

ح : اِس تحریر کے آخر میں ہم نیرنگؔ کے ممدوح مہرشی دیانند کے بارے میں شاعر نے جن خیالات اور جذبات کو شعروں میں ڈھالا ہے پیش کرتے ہیں۔ یہاں دو قطعات اور ایک دس اشعار کی غزل کی ہیئت میں، جو نظم ہے نقل کرتے ہیں۔

اَے مہرشی زمانے میں تُو شانِ ہند ہے
اور جسم پاکِ ہند میں تو جانِ ہند ہے
تہذیبِ عصر نو کے گُلستاں کے باغباں
شاداب تیرے دم سے گُلستانِ ہند ہے

قطعہ

قُوتِ قلب و جگر، رُوحِ بدن، جانِ وطن
فخر ہے ذات پہ تیری اے نگہبانِ وطن
تیری تعلیم کا ہے آج اثر یہ نیرنگؔ
رشکِ صد رنگِ بہاراں ہے گُلستانِ وطن

نیرنگؔ ان تہنیتی عقیدتی نظموں کو قصیدہ کی طرح تمہید یا تشبیب سے سجا دیتے ہیں۔ وہ زمانہ جب یہ بڑے لوگ پیدا ہوئے تاریکی جہالت اور مایوسی کا دور تھا، پھر ان رشیوں، قایدوں، اوتاروں، پیغمبروں کے قول و عمل، مسلسل محنت اور خدا کاری سے صحرا گلشن میں تبدیل ہوگیا۔ روشنی ہوتے ہی اندھیرے غائب ہوجاتے ہیں۔

نغمۂ زاغ سے مانوس تھے گوشِ انساں
بُلبُلِ باغ کا کوئی بھی طلب گار نہ تھا
اِک زمانہ تھا یہاں جنس بتاں کا طالب
جنسِ وحدت کا مگر کوئی خریدار نہ تھا

رہبرِ ہند ترا آنا مُبارک سب کو
جادۂ دُوریٔ منزل تجھے دشوار نہ تھا

ہے ترا درس زمانے کو ہدایت کا چراغ
تجھ سا بڑھ کر تو کوئی مطلعِ انوار نہ تھا

کیوں نہ ہو ترے لیے وقف کلامِ نیرنگؔ
تیرا بندہ تھا کوئی شاعرِ اغیار نہ تھا

فیض احمد فیضؔ اور نیرنگؔ سرحدی

فیض احمد فیضؔ کے بعض اساتذہ جن سے وہ بعض اوقات اشعار کی اصلاح کی خاطر مراجعہ کرتے تھے اور بعض وقت تاکید بھی کرتے تھے کہ دیکھو یہ نظم چراغ حسن حسرتؔ کو دکھا لینا وغیرہ جملے سننے میں آتے ہیں اگرچہ ہم سب جانتے ہیں کہ فیضؔ نے رسمی طور پر کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی تھی۔ اُسی طرح سے ان کے شاگردوں کا بھی پتہ لگانا مشکل ہے لیکن ہمارے پاس دستاویز کی شکل میں یہ موجود ہے کہ نند لال نیرنگؔ سرحدی اِن کے شاگرد تھے۔ فیض احمد فیضؔ اور نیرنگؔ سرحدی ہم عمر تھے۔ دونوں 1912ء میں پیدا ہوئے۔ فیضؔ سیالکوٹ میں اور نیرنگؔ ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک چھوٹے سے قصبے مندھرا میں پیدا ہوئے۔ نیرنگؔ ''میری شاعری'' میں لکھتے ہیں:

> پشاور پہنچ کر میں نے باقاعدہ غزل، قطعہ، رُباعی، مُخمس، مُسدس وغیرہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ میری خوش قسمتی سے جناب فیض احمد خان صاحب فیضؔ سے مجھے ملاقات کا موقع نصیب ہوا۔ آنحضرت سرخ پوش لیڈر خان عبدالغفار خان کے پیرو تھے۔ پشتو، فارسی اور اُردو میں اُن کا کلام بہت بلند پایہ ہے۔ میں نے اپنا کلام اُن کو دکھایا۔ وہ میری زبان دانی کو دیکھ متجسس ہوئے اور معمولی اِصلاح کے بعد میرا کلام واپس دے کر فرمایا کہ ''آپ کا کلام کسی اِصلاح کا محتاج نہیں۔ بے کھٹکے لکھا کیجیے۔'' میں اُن کی اِجازت

سے کبھی کبھی اپنے کلام کا کچھ حصّہ جہاں شک ہوتا دکھاتا۔ اور اِصلاح قبول کرتا۔ اِس وقت صاحب موصوف حیات ہیں، خدا اُن کی عُمر دراز کرے۔

چوں کہ ہم سب کے تعلقات صوبہ سرحد کے سرخ پوش لیڈر، رہنمائے اعظم، مُحب وطن خان عبدالغفار خاں صاحب سے براہ راست رہے ہیں۔ اس لیے وہاں کے تمام شعراء اور اُدبا اپنے نام کے ساتھ سرحدی لکھنا اور اس نسبت سے خان کہلانا باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔

اس مستند تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فیضؔ پشتو میں بھی اچھی خاصی شاعری کرتے تھے۔ اگرچہ ہمارے درمیان ان کے صرف فارسی اور اُردو منظومات موجود ہیں۔

نارنگؔ سرحدی نے جو اپنی منظوم سوانح حیات مسدس کی شکل میں چھتیس (36) بندوں میں لکھی ہے جو فارسی اور اُردو میں ہے اور ہم نے اس سوانح حیات کو انہی کے خوش خط میں اس مجموعہ میں بھی شامل کیا ہے، فیضؔ کو ایک بند میں بہت احترام سے خوب صورت خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ہم پہلے فارسی کا بند لکھتے ہیں پھر اس کا سلیس ترجمہ درج کریں گے۔

مرا شرفِ تلمذ شُد، بہ قدم فیضؔ احمد خاں،
بدو زانو نشستہ ام بہ پیشِ خدمتِ ایشاں
رجوع خدمتش یک سال کردم با ہمہ یاراں
فنون شاعری آموختہ ام بیش از دگراں
نمی دانم کہ احسانش چگو نہ بر زباں آرم
نہ طرزِ گفتگو دارم کہ آں را درمیاں آرم ۔

(ترجمہ: مجھے فیضؔ احمد خان کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے ان کی خدمت میں زانو تہہ کیے اور ایک سال تک ان سے مراجعت کرتا رہا اور شاعری کے فن کو دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ اُن سے سیکھا۔ میں اِن کا احسان کبھی زبان سے ادا نہیں

کرسکتا کیوں کہ مجھے وہ بات چیت کے الفاظ مہیا نہیں جن سے ان کا شکریہ ادا ہو۔)

نیرنگؔ سرحدی کے کلام میں انہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزل ملتی ہے جو انھوں نے فیضؔ کے مشہور شعر کی بحر، قافیے اور ردیف میں (9) نو اشعار میں لکھی ہے۔ فیضؔ کا شعر ہے۔

وہ بات سارے فسانہ میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

استاد کے مصرعے پر شاگرد کی غزل کے چند شعر دیکھئے:

جدھر بھی برقِ تجلیِ یار گُزری ہے
نگاہِ شوق اُدھر بار بار گُزری ہے

کیے ہیں فرطِ محبّت سے سیکڑوں سجدے
جہاں خیال میں تصویرِ یار گُزری ہے

وہی ہے آنکھ حقیقت میں آدمی کے لیے
شبِ فراق میں جو اشکبار گُزری ہے

نہ جانے کہہ دیا کیا بے خودی کے عالم میں
"وہ بات اُن کو بہت ناگوار گُزری ہے"

عزیز کیوں نہ ہوں رنج و غم و الم نیرنگؔ
انھیں میں زندگیِ خاکسار گُزری ہے

یہی نہیں بلکہ نیرنگؔ کی غزلیات میں فیضؔ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یہ دو شعر بھی ملتے ہیں۔

حضرتِ فیضؔ کی صحبت کا اثر ہے نیرنگؔ
صاحبِ سیف بھی اِک اہلِ قلم ہو کے رہا

فیضِ قدم سے جن کے میں نیرنگؔ فیض یاب ہوں
میرے دلِ نیاز میں اُن کا مقام اور ہے

[illegible]

غزل

کبھی کبھی جو نسیم بہار گزری ہے ۔ تو حسنِ خدا کی بہت ناگوار گزری ہے ۔

جدھر بھی برقِ تجلی یار گزری ہے ۔ نگاہِ شوق اُدھر بار بار گزری ہے ۔

جمالِ حسن ہے نیرنگیں ادا کیا کہنے ۔ نظر سے رفعتِ پروردگار گزری ہے ۔

کیے ہیں ذرہ محبت نے کیا کیا جلوے ۔ جہاں دل میں تصور بار گزری ہے ۔

وہی ہے آنکھ حقیقت میں آدمی کی سمجھ ۔ شبِ فراق میں جو اشکبار گزری ہے ۔

نہ پوچھ کیسے شبِ انتظار گزری ہے ۔ یہ جانتا ہے کسی راز دار گزری ہے ۔

قدم قدم پہ گلے یار کو لگایا ہوں ۔ مری نگاہ سے یوں خار گزری ہے ۔

نہ کار زار کیا بے خودی کے عالم میں ۔ وہ بات اُن کو بہت ناگوار گزری ہے ۔

عزیز کیوں نہ ہو نیرنگؔ رنج و غم و الم ۔
انہیں میں زندگی خاکسار گزری ہے ۔

نیرنگؔ سرحدی کامیاب تضمین نگار

قدرت نے نیرنگؔ سرحدی کو زندگی گزارنے کے لیے صرف اکسٹھ باسٹھ سال دیئے۔ چناں چہ انھوں نے کنبہ پروری، معاشی مسایل، تنگ دستی، مہاجرت کی صعوبتیں سب کچھ جھیل کر بھی شاعری کے صحیفے میں وہ دستاویزیں جمع کر دیں جو انھیں امر کرنے کے لیے کافی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ جب کبھی ہم اِس دُنیا سے کوچ کریں گے بہت سے کام ادھورے اور نامکمل رہیں گے۔ نیرنگؔ سرحدی کے کلام میں چند تضمینات نظر آتی ہیں۔ اگر انھیں موقع ملتا تو ضرور کئی تضمینات لکھتے یہاں ہم صرف ایک قطعہ اور دو غزلوں کے اشعار پر جو ان کی تضمینات ہیں، گفتگو کریں گے۔

تضمین وہ شعر یا نظم ہے جس میں شاعر کسی شاعر کے مصرعے یا شعر پر اپنے مصرعے جوڑ دیتا ہے۔ نیرنگ نے اساتذہ میں خواجہ میر دردؔ اور مرزا غالبؔ کی غزل کے چند منتخب شعروں پر تضمین باندھی کی ہے۔ انھوں نے بسملؔ سعیدی کی غزل کے شعر پر دو مصرعے اضافہ کر کے قطعہ بنا دیا۔

جس سے نہ بجھے تشنگی اے حضرتِ نیرنگؔ
اُس ساغرِ مئے کو کبھی ساغر نہیں کہتے
''کعبہ میں مسلماں کو بھی کہہ دیتے ہیں کافر
بُت خانہ میں کافر کو بھی کافر نہیں کہتے''
(بسملؔ سعیدی)

تضمین نگاری آسان نہیں یہاں کہنہ مشقی اور قادر الکلامی کی ضرورت اس

لیے بھی ضروری ہے کہ ایک کامیاب تضمین میں شاعر معنی آفرینی کے ساتھ تضمین کیا گیا شعر کے مضمون کے اثر کو دوآتشہ کردے اور سننے والا تضمین کے دونوں اشعار کے مقام کی بلندی کا احساس کر سکے۔ نیرنگؔ خود بھگت تھی ان کی شاعری میں بھکتی شاعری کی تمام قدریں نمایاں ہیں۔ وہ تصوف کے دلدادہ تھے ان کی غزلوں، نظموں، قطعوں اور مثنوی میں اشارے موجود ہیں۔

نیرنگؔ سرحدی نے خواجہ میر دردؔ کی مشہور غزل کے تین شعروں پر مخمس میں تضمین کی اور اس تضمین کا نام ''نغمۂ توحید'' رکھا۔ یہاں یہ بھی ذکر ضروری ہے کہ نیرنگؔ وحدت کے قایل تھے اور فلسفۂ توحید پر یقین رکھتے تھے۔ ہم یہاں تینوں بند کو اس لیے بھی پیش کر رہے ہیں کہ نیرنگؔ کے مصرعوں کی غنایت، مصرعوں میں قافیوں کی حلاوت اور الفاظ کی بندش وغیرہ ایسے جوڑے گئے ہیں کہ پیوند مشکل سے نظر آتا ہے۔ چوں کہ خواجہ دردؔ کی غزل میں عربی اور فارسی کے الفاظ اور تراکیب کا جاہ و حشم ہے۔ اسی لیے نیرنگؔ نے بھی اسی رنگ میں تضمین کو رنگ دیا جس کو دیکھ کر اُردو کا پرستار حیرت سے دنگ ہو جاتا ہے۔ تینوں بند ملاحظہ کریں۔

وہ سَر کہ جو منکر ہو ترے لُطف و کرم کا
اُس سَر پہ چلے وار تری تیغِ سِتم کا
مُمکن نہیں تحریر میں ہو ذِکر نِعم کا
''مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خُداوند ہے تو لوح و قلم کا''

کُن کہنے سے عالم کو بَپا تُو نے کیا ہے
اور خود تو اُسی گلشن ہستی میں چُھپا ہے
حیران ہوں رہنے کی ترے کون سی جا ہے
''اس مَسندِ عزّت پہ کہ تو جلوہ نُما ہے
کیا تاب گُزر ہووے تعقل کے قدم کا''

ہوتے ہیں تجلّی سے تری نُور کا مسکن
شاہوں کے شبستان گداؤں کے نشیمن
دونوں ہیں کرم یاب وہ ہے دوست کے دُشمن
"بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن"
آباد تجھی سے تو ہے گھر دَیر و حَرم کا

اگرچہ کہ اس تضمین میں بہت سے شعری حُسن ہیں لیکن ہم صرف یہاں تراکیب اور مصرعوں میں تضاد اور معنی خیز الفاظ پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ لطف و کرم، تیغِ ستم، ذکرِ نعیم، نور کا مسکن، گداؤں کے نشیمن کے ساتھ شاہ و گدا، دوست دشمن اور مترادف الفاظ کی ترتیب نے شعر کو سونے پہ سہاگہ کر دیا۔

نیرنگؔ غالبؔ کے عاشق تھے۔ ان کے فرزند نریش سلیمؔ سرحدی کہتے ہیں ہمیشہ غالبؔ کے دیوان کا مطالعہ کرتے رہتے۔ ان کے گھر میں جو ایک بڑی فریم والی تصویر غالبؔ کی تھی وہی ان کے مشاعروں اور شعری نشست کی زینت بھی تھی۔ نیرنگؔ نے غالبؔ کی چھوٹی بحر کی معنی خیز غزل کے چھے شعروں پر مخمس ہیئت میں تضمین کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں اس غزل میں غالبؔ کی ظرافت کی چاشنی بھی ہے۔ جس کے مزے کو نیرنگؔ نے اپنے مصرعوں میں بھی بھر دیا ہے یعنی جیسا شعر اُسی طرح کی تضمین بھی کی۔

مطلع کا بند دیکھئے:

جوشِ شباب میں اُسے سرشار دیکھ کر
ذرّے میں ایک حُسن کا اَنبار دیکھ کر
پیشِ نگاہ مطلعِ اَنوار دیکھ کر
"کیوں جل گیا نہ تابِ رُخِ یار دیکھ کر
جلتا ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر"

اب تنگیٔ زمانہ سے اُکتا گیا ہوں میں
سامانِ لُطفِ دشت میں کچھ پا گیا ہوں میں
ہر ایک سنگِ راہ کو ٹھکرا گیا ہوں میں
"اِن آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا ہوں میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر"

نیرنگؔ غالبؔ کے مقطع کے شعر پر آخری بند میں غالبؔ کی عظمت اور ان کے کمال کا اقرار ان کی شاعری میں جمالیات کی روشنی سے کرتے ہوئے تضمین کو نورانی بنا دیتے ہیں۔

نیرنگؔ یہ ہے ذِکر اس اِک باکمال کا
عاشق وہ ایک صاحبِ حُسن و جمال کا
طالِب رہا وہ عُمر بھر اس کے وصال کا
"سَر پھوڑنا وہ غالبؔ شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تِری دیوار دیکھ کر"

نیرنگؔ کی قلبی واردات شعروں کی زبانی

شاعرِ ہندوستان ہونا خدا کا قہر ہے (نیرنگؔ)

نیرنگؔ سرحدی نے خود لکھا تھا کہ ''میری شاعری میری شخصیت اور زندگی کا آئینہ ہے۔'' ان کی آپ بیتی، جگ بیتی اس لیے بھی ہے کہ وہ آج بہت سے لوگوں کی نمایندگی کررہے ہیں۔ انھوں نے دل میں زیادہ نہ رکھا بلکہ سب فضاؤں میں بکھیر دیا۔ مہاجرت کے بعد انھوں نے ایک چھے شعر کی احساساتی، جذباتی اور داخلیت سے مملو نظم ''نذرِ احباب'' لکھی اور اسی نظم میں جس طرح سے انھوں نے کہا تھا، آخری عمر تک اپنی زندگی کا افسانہ دُنیا کو سناتے رہیں گے، چناں چہ کبھی پانچ بند مسدس کی نظم اپنی شریکِ حیات پشپا کے لیے لکھی، کبھی نیرنگؔ اسپتال میں، کبھی دل کا غبار قطعات سے دھو ڈالا۔ ہم شاعر کی نظم سے پہلے نذرِ احباب پیش کرتے ہیں جو ڈیرہ اسماعیل خان سے ریواڑی کا سفر یا دوسرے الفاظ میں ان کی زندگی کا سفر ہے۔ تمام نظم روز مرّہ، سادہ سلیس پیرائے میں ہے اس لیے کسی مزید تشریح اور تبصرے کے یہاں نقل کرتے ہیں۔

سنائیں کسے جاکے اپنی زباں سے
نکالے گئے کس طرح ہم مکان سے

ابھی یاد تازہ ہے اپنے چمن کی
ابھی اُڑ کے پہنچے ہیں ہم آشیاں سے

نہیں جانتے ہم کدھر جارہے ہیں
نہیں یہ بھی معلوم آئے کہاں سے

کریں پھر سے افسانۂ غم بیاں ہم
جہاں سے کہیں ہم سنائیں وہاں سے

پتہ پوچھنے والے احباب سن لیں
ہم آگاہ کرتے ہیں اپنے نشاں سے

تکالیف و زحمات سے بچ کے نیرنگؔ
ریواڑی میں پہنچے ہیں، ڈی. آئی. خاں سے

نیرنگؔ نے ایک نظم ''ایک شاعر بے زر اور اس کی بیوی'' کے نام سے لکھ کر اپنی شریکِ حیات کی محنتوں، فداکاریوں اور زندگی نبھانے کی قربانی کا تذکرہ کر کے تہہ دل سے ان کا شکریہ ادا کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا ہے۔ یہ نظم مسدس کے پندرہ اشعار پر پھیلی ہوئی ہے۔ جو شاعر نے مرنے سے کچھ سال قبل تصنیف کی ہے۔ پشپا نیرنگؔ سرحدی سے عمر میں بارہ سال چھوٹی تھیں۔ پشپا نے تقریباً بتیس سال شوہر کے ساتھ زندگی کی اور ان کے بطن سے آٹھ بچے پیدا ہوئے۔ نریش سلیمؔ سرحدی نے اپنی ماں کی فداکاریوں کا ہمیشہ ذکر کیا ہے۔ یہ نظم جو نیرنگؔ سرحدی کی بیاض میں محفوظ ہے اتفاق سے Mother day ''روز مادر'' میں نے نریش کو سنائی جس سے گھر کا کوئی فرد واقف نہ تھا۔ یہ نظم اس مجموعے میں موجود ہے ہم صرف کچھ شعر یہاں سناتے ہیں۔ ہم یہ نظم اس لیے بھی نمایاں کر رہے ہیں کہ بہت کم اُردو کے شاعروں کو ایسی سعادت نصیب ہوتی ہے۔

اے مِری مونس، مِری ہمدرد، میری غمگسار
زینت کاشانۂ ظلمت مِری عفت شعار
میری بدبختی پہ تو دائم رہی ہے اشکبار
تیرے دم سے ہے خزاں میں بھی مجھے لطفِ بہار
گو زباں خاموش ہے لیکن دلِ احساس ہے
میرے ہر لفظِ تمنا کو بھی تیرا پاس ہے

کاتبِ تقدیر نے کی سادگی تجھ کو عطا
مجھ کو فطرت نے بنایا شاعرِ رنگیں نوا

کیا خبر تھی زندگی گزرے گی اِس ذلت کے ساتھ
تیری بھی قسمت ہے وابستہ مری قسمت کے ساتھ

میں سراپا سوز ہوں اور تو سراپا ساز ہے
تجھ کو مجھ پر ہو نہ لیکن مجھ کو تجھ پر ناز ہے
میرے ہر اک درد و غم میں تو مری دم ساز ہے
میرے ہر اک شعر کی لَے میں تیری آواز ہے
رنگِ الفت بھر دیا ہے تو نے ہر اک تصویر میں
دیکھتا ہوں تجھ کو پنہاں شعر کی تاثیر میں

نیرنگؔ اس نظم کے آخری بند میں جو اپنی شریکِ حیات پشپا کو آگاہ کر رہے ہیں وہ آج بالکل آشکار ہے آج ہم یہ مضمون اور اس طرح سے پشپا کی قدر دانی اسی غریب شاعر کی نظم سے کر رہے ہیں جس نے یہ اشعار لکھ کر اپنی بیگم کی قدر دانی کی جس کی قیمت سونے اور چاندی کے جواہرات اور زیورات سے کہیں زیادہ ہے۔

نیرنگؔ کہتے ہیں۔

سیم و زر سے ہے زیادہ شعر کی دولت مِری
قدر دانوں میں ہے اب بھی عظمت و شہرت مِری
اہلِ دانش کے دِلوں میں ہے سوا عزت مِری
پوچھئے اہلِ ادب سے آج بھی قیمت مِری
سیم و زر کا شاعری سے ایک فطری بیر ہے
''شاعرِ ہندوستاں ہونا خُدا کا قہر ہے''

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ جب نیرنگؔ سرحدی شعری نشست اور مشاعرے گھر پر کرتے تھے تو ان کی بیوی پشپا تقریباً تمام رات شاعروں اور سامعین کو چائے بنا بنا کر تواضع کرتی تھی اور اس تنگ دستی اور مالی مشکلات میں بھی شوہر جو شاعر تھا اس کی خواہشات اور ادبی شعری محافل کی ضروریات کو ہنسی خوشی پورا کرتی تھی، جس کا ذکر مسلسل ان کے بیٹے نریش سلیمؔ کرتے رہتے ہیں۔ نریش کی بیگم سونیتا Sunita جنھوں نے کبھی اپنے خسر کو نہیں دیکھا۔ نیرنگؔ صاحب کی تمام شعری بیاضوں کو اپنے دل سے لگا کر محفوظ رکھا اگر سونیتا ان بیاضوں کو بھارت سے لا کر محفوظ نہ کرتیں تو تمام نیرنگؔ کا کلام ختم ہو جاتا۔ آج اس کلام کی حفاظت کا سہرا سونیتا کے سر ہے، اور اسی کلام کی وجہ سے نیرنگؔ ہمیشہ امر رہیں گے جیسا کہ ذوقؔ نے کہا ہے۔

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے رہے یہی دو پشت چار پشت

کلامِ نیرنگؔ

میں ملک کے آزاد خواہوں کی جلوہ گری

نند لال نیرنگؔ ایک ترقی پسند شاعر تھے چوں کہ ترقی پسندی کا مرکز حقوقِ بشر ہے اور حقوق بشر کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ انسان جو آزاد پیدا ہوا ہے اور وہ جو زندگی اِس دُنیا میں بسر کرتا ہے وہ بھی آزاد قدروں سے سجی رہے جس میں مساوات، حریت، آزاد خیالی، سماج اور مذہب کی آزادیاں ہوں اور اِس دُنیا میں مواقع اور مطالبوں کی یک سوئی شامل ہو۔ یہاں انسان کو رنگ، قوم، قبیلوں، جنس اور اقتصاد کی بنیاد پر تقسیم نہ کیا جائے۔ اگر ہم نیرنگؔ کی شاعری کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ نادرات ان کے اشعار میں بکھرے پڑے ہیں۔ برصغیر پر یورپ کے ممالک نے صدیوں یہاں کے افراد کو کولی نیزم (Colonism) کے تحت محکوم کیا جن میں انگلش ایمپائر سب سے آگے اور شدید تھی۔ جن لیڈروں، قایدوں، جانبازوں نے دامے، درمے سخنے اور یہاں تک کہ اپنی جان کی بازی بھی لگادی۔ شاعر کے دل میں ان کی بڑی عزت ہے اور وہ ان کو خراج محبت اور عقیدت پیش کرتا ہے جو اُس کے دل سے نکلے ہوئے اشعار ہیں جو قرطاس پر منوّر ہیں اور ہم تقریباً پچاس سال بعد ان قیمتی موتیوں کو چن کر آزادی کے دھاگے میں پرو کر پیش کر رہے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی جاننی چاہیے کہ نیرنگؔ کے پاس رنگ رنگ میں ایسے اشعار کی تعداد زیادہ ہے اور تمام آزادی کے ہیروز اور مجاہدوں پر اس تحریر میں گفتگو ممکن نہیں۔ نیرنگؔ سرحدی نے جن افراد پر نظمیں

اور قطعات لکھے ہیں وہ یا تقسیم ہند و پاک سے قبل انگریزوں سے مقابلہ کر رہے تھے یا بھارت کے آزاد ہو جانے کے بعد دن رات اپنے ملک کو اُن کے قول کے مطابق جنّت نشان اور فردوس مقام بنانے میں لگے ہوئے تھے۔ ہم اس تحریر میں پہلے تمہید کے طور پر اُن اہم ہستیوں کے نام کے ساتھ اُن نظموں کا ذکر کر کے پھر نمونے کے طور پر ہر نظم سے کچھ اقتباس پیش کریں گے۔ نظم کے عنوانات نیرنگؔ صاحب کے دئے ہوئے ہیں۔

1. مہاتما گاندھی = چھے (6) شعر کی غزل نما نظم ہے۔
مطلع : کیا دِل نواز موجِ صَبا کا خرام ہے

2. مہاتما گاندھی = آٹھ (8) شعر کی غزل نما نظم ہے۔
مطلع : مردِ خلیق و خوشتر گاندھی مہاتما تھا

3. مہاتما گاندھی اور ہندوستان = پانچ مسدس کے بند ہیں۔
مطلع : اَے وطن کی سَرزمیں اَے رشکِ فردوسِ بریں

4. مرثیہ وفات پنڈت جواہر لال نہرو = مسدس کی شکل میں چھے بند کی نظم ہے۔
مطلع : وائے حسرت حامیٔ اَمن واَماں رُخصت ہوا

5. سبھاش چندر بوس کے یوم پیدائش پر = یہ سات شعر کی غزل نما نظم ہے۔
مطلع : اَے مایۂ صدنازِ وطن تیری قسم ہے

6. شہیدِ اعظیم سردار بھگت سنگھ = چار بند کی مسدس میں نظم ہے۔
مطلع : اے کہ تیرا نام ہے نقش و نگارِ انجمن

7. لالہ لاجپت رائے "شیرِ پنجاب" = چار بند کی مسدس میں نظم ہے۔
مطلع : دُشمنوں کی لاٹھیوں سے تیری قربانی ہوئی

8. مرثیہ بروفات: آنجہانی ہنس راج = سات بند کی مسدس میں نظم ہے۔
مطلع : محوِ خرام بادِ صبا آج کیوں نہیں

9. لال بہادر شاستری وزیرِ اعظم ہند کی یاد میں = چار قطعات ہیں۔

مطلع : چُھپ گیا روس میں وہ ماہِ مبیں

10. عبدالغفار ''عیداور وطن'' = بارہ شعر کی مثنوی ہے۔

مطلع : زمینِ سرخ پوش شانِ پشاور یاد آتی ہے

11. خان عبدالغفار خان کو سلام = سولہ شعر کی مثنوی ہے۔

مطلع : کچھ دور ہے یہاں سے ایک خطۂ زمیں

نیرنگؔ سرحدی نے مہاتما گاندھی پر تین نظمیں لکھیں۔ یہاں ہم یہ بھی بتادیں کے مہاتما کا خطاب گاندھی جی کو مولانا محمد علی جوہرؔ نے دیا تھا جو آگے چل کر ان کے نام کی دستار ہو گیا تھا۔ گاندھی جی کے روابط تمام فرقوں کے سربراہوں سے تھے، ان کا خط علامہ اقبالؔ کے نام بھی موجود ہے۔ گاندھی اہنسا اور آزادی کی تحریک سے تمام دُنیا میں جانے پہچانے جاتے تھے۔ نیرنگؔ کی ایک چھے شعر کی غزل نما نظم ہے جس کے مطلع کو موجِ صبا اور باغ سے جوڑا ہے۔

کیا دِل نواز موجِ صَبا کا خرام ہے
گاندھی کے دَم سے باغ کا یہ اہتمام ہے

ایک شعر میں گاندھی کے قول کو نظم کیا ہے۔

''لازم ہر اِک بشر پہ ہے آزادیٔ وطن''
کِتنا حسیں زمانے کو اُس کا پیام ہے

مقطع میں گاندھی کی شہرت کو یوں پیش کیا ہے۔

موقوف بزمِ ہند پر نیرنگؔ کچھ نہیں
جس بزم میں چلیں وہاں گاندھی کا نام ہے

دوسری نظم جس کا مطلع ہے۔

مردِ خلیق و خوشتر گاندھی مہاتما تھا
سب رہبروں کا رہبر گاندھی مہاتما تھا

اِس نظم میں شاعر نے گاندھی جی کی شخصیت ان کے عزم و استقلال اور لیڈر

شب پر سادگی میں لیکن پُر اثر بات کی ہے۔ ہم یہاں اِس نظم کے چند شعر بغیر کسی تشریح اور تبصرے کے اس لیے بھی پیش کر رہے ہیں کہ شاعر نے خوب صورت نغمگی سے سرشار ردیف میں اشعار جو معنی خیز ہیں گلدستہ بنا کر پیش کیا ہے۔

صدق و صفا کا مظہر گاندھی مہاتما تھا
اِس نور سے منور گاندھی مہاتما تھا

عہدِ شباب میں تھا بے باک مردِ کامل
پیری میں بھی دِلاور گاندھی مہاتما تھا

بحرِ فنا میں اکثر آکر سفینے ڈوبے
اِس بحر کا شناور گاندھی مہاتما تھا

جس جوہرِ وفا کی دُنیا کو جستجو ہے
وہ راستی کا جوہر گاندھی مہاتما تھا

انگریز جس کی ہیبت دُنیا پہ چھا رہی تھی
لرزاں تھے جس سے اکثر گاندھی مہاتما تھا

اپنے وطن کی خاطر قرباں جان کر دی
یعنی شہیدِ اکبر گاندھی مہاتما تھا

نیرنگ سرحدی نے تیسری نظم مہاتما گاندھی اور ہندوستان میں بتایا ہے کہ جس طرف ملک جا رہا اور جس میں غریبوں اور بیکسوں کا کوئی یار و مددگار نہیں وہ گاندھی جی کی فکر سے علاحدہ ہو چکا ہے۔ گاندھی جی کے قتل کے بعد اس باغ کا مالی جو اس کی

نگہداشت اور نشو ونما کرے نظر نہیں آتا۔ مطلع کے بند کے دو شعر دیکھئے ؎

اَے وطن کی سَر زمیں اَے رشکِ فردوسِ بریں
تجھ کو بخشی ہے یدِ قدرت نے نُورانی جبیں
یوں تو شاد و خرم ہیں اب اِس زمیں کے سب مکیں
حیف لیکن اِس چمن کا باغباں اس میں نہیں

پھر سوال اٹھاتے ہیں کہ یہ وہ سحر تو نہیں جس کا انتظار تھا، جس کی ذمہ داری یہاں کے لیڈروں اور حکمرانوں پر ہے کہ ملک کو مشکلات اور خرابیوں سے دور کریں۔

کیا یہی نقشہ ہے اُس آزاد ہندوستان کا
کیا تصوّر ہے یہی اُس نیک دِل اِنسان کا
کیا یہی نعم البدل ہے رہبری کی شان کا
کیا تحفظ ہے یہی اُس قیمتی سامان کا
کل جو ضامن تھا ہر اِک فردِ زمانے کے لیے
آج خود محتاج ہے وہ دانے دانے کے لیے

میرے ہم وطنوں میں جینے کی ادا باقی نہیں
اِس کے مرد و زن میں پہلی سی حیا باقی نہیں
باغِ جنّت ہے وہی لیکن فضا باقی نہیں
ساکنانِ ہند میں خوفِ خُدا باقی نہیں
رشوتوں کی اِس زمیں میں گرم بازاری ہے آج
ہر جگہ نااہل کرداروں کی سرداری ہے آج

کاش سمجھیں اہلِ ہند اُن رہبروں کی شان کو
خون سے سینچا جنھوں نے کشتِ ہندوستان کو
درسِ آزادی دیا، تھا جس نے ہر اِنسان کو
جان بخشی جن شہیدوں نے تن بے جان کو

اُن کی قربانی کا بدلہ بَر ملا ہے صاف صاف
کیا ہو انجام اَے وطن والو! یہ گستاخی معاف

جب 27/مئی 1964ء کو پنڈت جواہر لال کا انتقال ہوا تو مسدس کی شکل میں اٹھارہ شعر کا مرثیہ لکھا جس کے بعض اشعار پر علاّمہ اقبالؔ کا طرزِ بیان کی چھاپ نظر آتی ہے۔ مطلع کے بند کے دو شعر دیکھئے۔

وائے حسرت حامیِ اَمن و اَماں رُخصت ہوا
اہلِ عالم کے دلوں کا دِلستاں رُخصت ہوا

اِس چمن کی شاخ پر تُو نے بنایا آشیاں
نغمہ زن ہیں گلشنِ ہستی کے طائر سب جہاں

بابِ جنّت اے جواہرؔ تیرے آگے باز ہے
سُوئے فردوسِ بریں تو مائل پرواز ہے

تیری میّت سُوئے جمنا آج زیبِ دوش ہے
باغبانِ گلستاں ہندوستاں خاموش ہے

آخر میں اپنے دل کو شاعر مطمئن کرتا ہے۔

اور ہوں گے اِس چمن میں جاں نثارانِ چمن
ہوگا فردوس بریں سے بھی سوا تیرا چمن
روشنی دیتی رہے گی چار سُو یہ انجمن
چلتی جائے گی یونہی اپنی روایاتِ کُہن

جب بھارت کے وزیرِ اعظم لال بہادر شاستری کا تاشقند میں انتقال ہوا جو تاشقند معاہدے کے لیے روس گئے ہوئے تھے تو سارے بھارت میں غم کی لہر پھیل

گئی۔ نیرنگ سرحدی نے بھی چند قطعات لکھے ہم صرف ایک قطعہ اور قطعوں کے کچھ منفرد شعر یہاں نقل کرتے ہیں جو سادہ اور سلیس ہیں۔

چُھپ گیا روس میں وہ ماہِ مبیں
ہوگیا عرش پر وہ خُلد نشیں

ہائے بھارت کا پاسباں نہ رہا
راس پردیس کی نہ آئی زمیں

مُردنی چھا گئی ہے گُلشن پر
ہائے رُخصت ہوئی بہارِ چمن

گو بظاہر تھا خرقہ پوش وطن
باطناً شہریار بَن کے رہا

سبھاش چندر بوس کی پیدائش پر ایک تقریب منعقد کی گئی تھی جس میں نیرنگ نے یہ سات اشعار کی غزل نما نظم میں خوب صورت خراج عقیدت پیش کیا ہے یہ نظم سبھاش چندر بوس پر لکھی جانے والی اُردو نظموں میں اپنی زبان و بیان اور مضمون کے لحاظ سے صف اوّل کی نظموں میں شمار کی جاسکتی ہے۔

اَے مایۂ صدنازِ وطن تیری قسم ہے
تیرا نہ کریں ذِکر اگر ہم تو ستم ہے

ہمت کا تری چرچا ابھی تک ہے جہاں میں
افسانہ ترا دُنیا کے سینوں پہ رقم ہے

ہر ذرہ ہے رشک مہہ خورشید وطن کا
تو کاش اِسے دیکھتا، اِس بات کا غم ہے

اب مردہ دِلی ختم ہوئی تیری بدولت
کیا تیرا یہ اِحسان وطن والوں پہ کم ہے

مدت ہوئی قربان ہوئے راہِ وطن میں
تو زندہ ابھی تک ہے یہ لوگوں کا بھرم ہے

ہوتا ہے تیرا ذِکر شہیدوں کے بیاں میں
مسجود جوانانِ وطن تیرا قدم ہے

حیراں ہوں تِری ہمتِ مردانہ پہ نیرنگؔ
عاجز ترے اوصاف کے لکھنے سے قلم ہے

نیرنگؔ سرحدی نے پنجاب کے دو سپوت شہید سردار بھگت سنگھ اور شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے پر دو خوب صورت نظمیں چار چار بند مسدس کی شکل میں لکھیں۔

شہید بھگت سنگھ کے لیے کہتے ہیں:

اے کہ تیرا نام ہے نقش و نگارِ انجمن
تِرا قصّہ دلنواز و دلفگارِ انجمن
اے کہ ترا خون ہے ذوقِ نثارِ انجمن
اے کہ تو ہے اب تلک بھی یادگارِ انجمن

تو ہوا قربان ناموسِ وطن کے واسطے
بُلبُلیں قربان ہوتی ہیں چمن کے واسطے

ہے کہیں منشائے اِنساں شان و شوکت کے لیے
یا کوئی وارد ہوا ہے اپنی شہرت کے لیے
عیشِ فانی کے لیے کوئی عبادت کے لیے
یا کوئی آتا ہے تعمیرِ حکومت کے لیے

جب دلوں میں خاک سے تعمیرِ انسانی ہوئی
اہلِ دُنیا میں تری تخلیق لاثانی ہوئی
ترے حصّے میں رقم ایثار و قربانی ہوئی
تری قربانی سے دُشمن کو بھی حیرانی ہوئی

تری ہستی اِک شعاعِ عشق باطل سوز ہے
زندگانی تری کتنی وائے درس آموز ہے

تختۂ دارِ ستم پر تری قربانی ہوئی
پھول وہ ٹوٹا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی

اُسی طرح شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے کو شیر پنجاب کہہ کر چار مسدس کے بند میں اعتراف کیا ہے کہ وہ مجسمہ ایثار قربانی اور آزادی تھے۔ ہمارے درمیان ان کے خطوط جو انھوں نے سر سید احمد خان کو لکھے تھے عمدہ سرمایہ ہے۔

دُشمنوں کی لاٹھیوں سے تیری قربانی ہوئی
تیری قربانی سے دُنیا بھر کو حیرانی ہوئی

بارگاہِ ایزدی میں جا کے فریادی ہُوا
تو شہیدِ قوم ہو کر فخرِ آزادی ہُوا

زندگی کیا ہے فقط اِک درد کی آواز ہے
تھرتھراتی چند تاروں کا طلسمی ساز ہے

طائرِ ہستی دمادم مائلِ پرواز ہے
تیری ہستی پر مگر تیرے وطن کو ناز ہے

آرہی ہے یہ صدا کانوں میں سقف و بام سے
زندۂ جاوید ہے تو لاجپت کے نام سے

آج اُس تیرے وطن کی سر زمیں آزاد ہے
یعنی انگریزوں کی چوکھٹ سے جبیں آزاد ہے

نیرنگؔ نے ایک سات بند مسدس میں آنجہانی پنڈت ہنس راج کا مرثیہ لکھا۔ ہم یہاں کچھ مصرعوں کو جمع کر کے مطلب پیش کرتے ہیں۔ شاعر نے صحیح کہا تھا کہ ع

''ماتم کناں ہر ایک ترا ہنس راج ہے''

کل جو فضا تھی شہر کی اَب وہ فضا نہیں
محوِ خرام ناز اب بادِ صبا نہیں
وہ کون سا بشر ہے جو ماتم سرا نہیں
ہے کون سی جگہ جہاں چرچا ترا نہیں

ہندو چلا گیا نہ مُسلماں چلا گیا
اپنی زمیں کا آج اِک انساں چلا گیا

آزاد ہو کے بندِ غمی شیرِ نر گیا
اُس کی تلاش ہے کہ کہاں ہے کدھر گیا

جادو بھرا ہُوا تھا وہ تیرے بیان میں
تقریر وہ کہ جس میں تھا جادو بھرا ہُوا

نیرنگؔ سرحدی کو سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان سے دلی لگاؤ تھا۔ وہ لکھتے ہیں: ''ہم خان صاحب کے ساتھ سرخ پوش گروہ میں شریک تھے اور اسی گروہ میں فیضؔ بھی آتے جاتے تھے۔'' خان عبدالغفار پر نیرنگؔ نے اپنی سوانح حیات کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی ذکر کیا ہے۔ انھوں نے دو نظمیں ''عبدالغفار، عید اور وطن'' مثنوی کی ہیئت میں لکھی اور ''خان عبدالغفار خان کو سلام'' مثنوی کی شکل میں سولہ شعر کی مثنوی لکھی ہے۔ جو ہم پہلے پیش کر رہے ہیں۔

نیرنگؔ نے یہ نظم لکھنؤ میں پڑی۔ وہاں کے اُردو ادب کے کارکنان نے نیرنگؔ سرحدی کو ''مجاہدِ حُب وطن'' کا خطاب دیتے ہوئے کہا۔

''اِس نظم کے سننے کے بعد آج مجھے حبِ وطن کے صحیح مطلب سے آگاہی ہوئی۔ لہٰذا میں بحیثیت محل یو. پی ''ادارہ سخن داں'' کے نائب صدر جناب نیرنگؔ سرحدی کو ادارہ مذکور کے اصول کے تحت ''محبِ وطن'' کے خطاب سے مخاطب کر رہا ہوں۔''

نیرنگؔ نے پہلے اُس سرزمین جس سے خود ان کا تعلق تھا خوب صورت منظر کشی کر کے پٹھانوں کا ذکر کیا اور پھر خان عبدالغفار خان کا تعارف اور تعریف کی۔ پوری نظم مجموعہ میں موجود ہے، ہم یہاں پر چند شعر پیش کرتے ہیں۔

اُس سرزمین کا نام پٹھانوں کی ہے زمیں
دُنیا میں جس زمین کا ثانی کوئی نہیں

دیکھا کبھی ہو جاکے علاقہ وہ پار کا
شاید سُنا ہو نام بھی عبدالغفار کا

وہ آسمانِ حُسن کا ماہِ تمام ہے
ہر ایک خان، خان کا اَدنےٰ غلام ہے

بس سادگی ہی سادگی اُن کے اُصول ہیں
اُن کی نظر میں رنگِ تکلّف فضول ہیں

ہر اِک بشر کے دِل میں سمائی ہے اُس کی چاہ
کہتے ہیں سب پٹھان اُسے خان بادشاہ

حبِ وطن سے کام شب و روز ہے اُسے
رکھتا یہی خیال جگر دوز ہے اُسے

صد حیف ایسا شیر ہو جیلوں میں خستہ حال
اب تک کسی کے دِل میں نہ آیا ہے کچھ مَلال

حبِ وطن نہیں ہے مری جاں کوئی قصور
قیدِ گراں سے شیر وہ نکلے گا اب ضرور

اس تحریر کے آخر میں ہم ''عبدالغفار عید اور وطن'' مثنوی کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔ اس مثنوی میں نیرنگ نے اپنے احساسات اور دلی جذبات کو اپنی پرانی یادوں میں شامل کر کے عمدہ طریقے سے پیش کیا ہے۔

مطلع میں کہتے ہیں:

زمینِ سرخ پوش شانِ پشاور یاد آتی ہے
بزرگانِ سلف کی یاد دِل میں گدگداتی ہے

ع : وہی نغمے بلائل کے وہی سُر و سُمن اپنے

ع : پئے گُل گشتِ شاہی باغ کی جانب رواں ہونا

ع : وہ گھنٹہ گھر سے آگے گورگٹھڑی سے گزر جانا

ع : کنگھم پارک کے پھولوں کا منظر دِل کشا ہونا

ے : زیارت گاہِ دِل وہ آستانہ بادشاہ خاں کا
جہاں اب تک بھی سر جھکتا ہے اِس ناچیز وناداں کا

ے : وطن والو! مُبارک ہو یہ نغمے جانفزا تم کو
رکھے شاداب و سر سبز خرمِ دائم خدا تم کو

از ذوقِ دل کلام بگویم بفارسی (نیرنگؔ)

نیرنگ سرحدی کی فارسی شاعری

(قندِ پارس ولطفِ عجم)

نیرنگؔ سرحدی نہ صرف فارسی زبان کے معلّم تھے بلکہ وہ فارسی زبان کے منشی فاضل بھی تھے۔ وہ جوانی میں سیاحوں کو افغانستان کے سفر پر گائیڈ بن کر لے جایا کرتے تھے۔ ان حقایق کو نیرنگؔ نے ایک فارسی خط میں بھی لکھا ہے، جو اس کتاب میں شامل ہے۔ نیرنگؔ سرحدی نے جو اپنی منظوم سوانح چھتیس (36) مسدس کے بند میں لکھی وہ فارسی اور اُردو میں ہے۔ نیرنگؔ سرحدی کے کلام کی اشاعت ان کے دل ہی میں گھٹ کر رہ گئی لیکن اس کو ان کے فرزند نریش نے احسن طریقے سے شائع کیا۔ نیرنگؔ نے شاعری کی بیاض میں اپنے ہی خط سے ایک صفحے پر اس کو ''قند پارس و لطفِ عجم'' کا نام دے کر ''حصّہ سوم'' لکھ کر دستخط کی اور تاریخ 25/مئی 1968ء لکھی۔

ہم اس تحریر میں نیرنگؔ کا ہی منتخب فارسی کلام جو قطعات وغزلیات پر مشتمل ہے پیش کریں گے۔ انھوں نے اپنی سوانح حیات میں چار بند فارسی میں لکھ کر مزید بعض اُردو بند کے ٹیپ کے شعر بھی فارسی میں لکھے ہم یہاں ان کا سلیس ترجمہ اس لیے بھی پیش کر رہے ہیں کہ سب قارئین کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ نیرنگؔ سرحدی غالبؔ کے کلام کے عاشق تھے اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ وہ غالبؔ کی اُردو اور فارسی شاعری سے واقف تھے اور یہ سعادت ہر شخص کے حصّہ میں نہیں آتی۔ نیرنگؔ سرحدی کا جو فارسی کا انتخاب ہے اس میں حسب ذیل منظومات ہیں۔

ف۱ : فارسی میں ایک خط جس کا اُردو ترجمہ راقم نے کیا ہے اس مجموعہ میں شامل ہے۔

ف۲ : سوانح حیات میں شامل چار بند اور پانچ مفرد شعر یعنی کل سترہ شعر جس کا ترجمہ راقم نے کیا اور یہاں موجود ہے۔

ف۳ : فارسی کی پانچ غزلیں جن کے مجموعی اشعار کی تعداد چالیس ہے جو راقم کے ترجمہ کے ساتھ موجود ہے۔

ف۴ : تین قطعات جن کے مجموعی اشعار کی تعداد چھے ہے۔

ہم اِس مختصر تحریر میں فارسی شاعری کا انتخاب در انتخاب کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نیرنگ کو فارسی شاعری پر مکمل عبور تھا۔ افسوس یہ تھا کہ فارسی سننے اور سمجھنے والے موجود نہ تھے۔ ورنہ یہ فارسی شاعری کا قدرتی چشمہ اپنی بہار پوری طرح سے دکھاتا لیکن پھر بھی سنگلاخ زمینوں کو عبور کرتا ہوا یہ چشمے کا شرین پانی ہمارے ساغر تک پہنچ گیا جس کا لطف آج ہم سب لے رہے ہیں۔ اگر چہ یہ تو نیرنگ سرحدی کا دل ہی بتائے گا کہ انھوں نے جو دل سے نکلی درد سے بھری حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔

ع : شاعرِ ہندوستان ہونا خدا کا قہر ہے

نیرنگ سرحدی نے کسی زبان کی تخصیص نہیں کی لیکن ان کا اشارہ اُردو کی طرف زیادہ تھا جب اُردو کے شاعر کا یہ حال ہو تو فارسی کا غم کسی سے کہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ فارسی کا وہ خط جو ہمارے ترجمے کے ساتھ اس دیوان میں شامل ہے کس کے لیے لکھا گیا تھا جس میں نیرنگ نے اپنی علمی ادبی تعلیمی اور ثقافتی قابلیتوں کو بیان کر کے یہ کہا تھا کہ اگر مجھے کسی سفارت یا کسی کلچرل ہاوز میں جو فارسی زبان کے ممالک میں ہیں بحیثیت مشاور بھیجا جائے تو میں ملک کے لیے بہت مثبت کام کر سکتا ہوں لیکن افسوس منفی ذہنوں نے نفی میں جواب دیا ہوگا تب ہی تو یہ فارسی کا عالم، شاعر اور معلّم برصغیر کے محاورے ''فارسی پڑھیں گے تو بیچیں گے تیل'' کا مصداق ہو گیا۔

☆ ہم یہاں دو قطعات ترجمے کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

نہ گنجِ مال و زر خوا ہم نہ شانِ قیصری خواہم
نہ جاہ و حشمتِ دُنیا نہ برکس برتری خواہم
بفضل خویش اَز لطفِ وکرم برمن نگاہی کُن
الٰہی! اَز درت نقدِ مَتاعِ شاعری خواہم

ترجمہ: نہ تو مجھے سونے اور گراں اشیا کا خزانہ چاہیے اور نہ روم کی بادشاہیت۔ نہ مجھے دُنیا کی عزت اور فخر اور نہ کسی پر برتری چاہیے۔ تو مجھ پر اپنے فضل وکرم کی نظر عنایت کردے۔ میرے مالک تیرے دروازے سے سچی شاعری کی دولت چاہتا ہوں۔

دانم مَتاعِ شعر و سخن ہم فضول نیست
در مجلسِ، ناقدرداں، رفتن اُصول نیست
خواہی زباں دراز ہم آنچہ مرا بگو
توہینِ شاعری مرا ہر گز قبول نیست

ترجمہ: میں جانتا ہوں شعروسخن کی دولت معمولی چیز نہیں۔ اسی لیے ناقدروں کی محفل میں ہمارے جانے کا قاعدہ نہیں۔ آپ جو چاہیں زبان دراز مجھے کہیں لیکن شاعری کی توہین میں برداشت نہیں کرسکتا۔

نیرنگ سرحدی نے اپنے فارسی انتخاب میں جو پانچ فارسی غزلیں بیاض میں لکھی تھی اُس کا سلیس اُردو ترجمہ راقم نے کردیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ غزل کا شاعر جب فارسی غزل بھی کہتا ہے تو اپنا سکّہ منوالیتا ہے۔

ہم یہاں ہر غزل سے تین چار شعر نثری ترجمے کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

من آنم اِشتیاق دِیدنِ زلفت ہمی دارم
اَسیرے را درایں زندان زنجیرے پسند آید

ترجمہ : میں تری زلف کو دیکھنے کا صرف شوق رکھتا ہوں
اس قیدی کو زندان میں صرف زنجیر پسند ہے

•••

شوم چُوں قتل اَز دستت مریزی آب در حلقم
شہیدے را بہ مقتل آبِ شمشیرے پسند آید

ترجمہ : جب ترے ہاتھ سے قتل ہوں تو پھر میرے حلق میں پانی نہ ڈال
تیرے شہید کو قتل گاہ میں تلوار کا پانی پسند ہے

•••

اگر خواہی بدامت مرغِ دل را مُبتلا سازم
شنیدہ ام کہ صیادے را نخچیرے پسند آید

ترجمہ : اگر تو چاہے تو اپنے مرغِ دل کو تیرے پھندے میں گرفتار کردوں
میں نے سنا ہے شکاری کو شکار پسند ہوتا ہے

•••

دِل نیرنگؔ نگشتہ مائلِ رنگینیِ عالم
نہ دارد احتیاجِ رنگ، تصویرے پسند آید

ترجمہ : نیرنگؔ کا دل دُنیا کی رنگینی کی طرف مایل نہیں
اگر تصویر پسند ہو تو پھر اس میں رنگ بھرنے کی ضرورت نہیں

•••

نیرنگؔ نے مشکل ردیف ''پسند آید'' میں خوب صورت رومانی غزل لکھی لیکن اس میں بھگتی کی شاعری کا مزا بھی نشہ دو بالا کر دیتا ہے۔ نیرنگؔ کا الفاظ پر اختیار اس نغمگی سے لبریز بحر میں فارسی کے عمدہ شاعر ہونے کی سند عطا کرتا ہے۔

بہر تیرے کہ بر قلبم بیاید مہماں دانم
و ہر دردی کہ پیدا می شود آں ارمغاں دانم

ترجمہ : ہر تیر جو میرے دل پر لگے میں اُسے مہمان سمجھتا ہوں
ہر درد جو مجھے ملتا ہے اُس کو تحفہ سمجھتا ہوں

•••

گُمانم ہست در صحنِ چمن فصلِ بہار آمد
بہارے را کہ ہم دل خُوش نمے باشد خزاں دانم

ترجمہ : یہ وہم ہے کہ چمن میں بہار آئی ہے
وہ بہار جس میں دل خوش نہیں میں خزاں سمجھتا ہوں

•••

غُلامش می شوم ہر کہ مرا لُطفِ زباں آرد
چُنیں دُشمن اگر پیشم بیاید مہرباں دانم

ترجمہ : میں ہر اُس شخص کا غلام ہوں جو مجھے زبان کا لطف دکھائے
اگر وہ دشمن بھی ہے سامنے آئے تو میں اُس سے مہربانی کروں گا

•••

چرا در محفل اہلِ زباں نآلم کہ من نیرنگؔ
زباں دانم، سخن دانم و اندازِ بیاں دانم

ترجمہ : کیوں اہل زبان کی محفلوں میں نیرنگؔ فریاد کرتا رہتا ہے کہ
میں زبان داں ہوں، سخن داں ہوں اور میں طرز بیان جانتا ہوں

•••

نیرنگؔ نے تیر کو جو معشوق کی طرف سے دل پر بیٹھے ''مہمان'' کہا ہے جو نیا مضمون ہے۔ یہاں ہم کو یہ بھی محسوس کرنا ہے کہ نیرنگؔ پشاوری پٹھان خان بھی ہیں اور سارے خطّے میں ان کی مہماں نوازی معروف ہے۔

سچ ہے کہ سچی بہار دل اور فکر میں ہوتی ہے اگر دل ویران ہو اور فکر غمگین تو لاکھ گلشن میں پھول کھلیں، بادِ صبا کے جھونکے چلیں، خوشبو مہکے دل میں بہار کا گزر نہیں ہوتا۔

اُردو غزل ہو کہ فارسی زبان کا درد اس کا چٹ خارہ اور اس کی گفتگو نیرنگؔ کی حدیثِ دلبری ہے اُس کے غلام بنا جس کے پاس لطف زباں ہے وہی تو سخن شناسی،

سخن فہمی، سخن نوازی، سخن پروری اور سخن دانی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ان سب کے مجموعے کا نام نندلال نیرنگ سرحدی ہے۔

شکوہِ گردشِ ایام کُنم یا نہ کُنم
ساقیا! ذِکرِ مَے و جام کُنم یا نہ کُنم

ترجمہ : گردشِ ایام کی شکایت کروں یا نہ کروں
ساقی ساغر اور شراب کا تذکرہ کروں یا نہ کروں

•••

دام گیسوئے سیہ فام نگارے بینم
خواہشِ رُستن زیں دام کُنم یا نہ کُنم

ترجمہ : کالے کاکل کے جال کو پھیلا ہوا دیکھ رہا ہوں
اس پھندے میں پھنسنے کی خواہش کروں یا نہ کروں

•••

زخم تازہ برسد از غمِ جاناں بردِل
سجدۂ شکر بہرگام کُنم یا نہ کُنم

ترجمہ : میرے دل پر معشوق کے غم سے تازہ زخم لگا ہے
اس کا ہر قدم پر شکر کا سجدہ کروں یا نہ کروں

•••

فارسی کے ممتاز شعرا نے ''کنم یا نہ کنم'' کروں یا نہ کروں کی مرغوب ردیف اور عنایت سے سرشار چھوٹی بحر میں اچھے اچھے شعر کہیں ہیں۔ نیرنگ ایک علمی شخصیت کے ساتھ ایک وسیع مطالعے کے آدمی بھی تھے۔ غالب نے کہا تھا۔

ع : بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

نیرنگ نے گردشِ ایام کے ساتھ گردش پیمانے کا دور ملا کر ایسا مطلع کہا ہے۔ جو سہل ممتنع میں ہے۔ ساقی سے شاعر نے خطاب کر کے گردشِ ایام کو شراب کے

نشے میں حل کر دیا۔ ہر چیز جو معشوق سے عاشق کو ملتی ہے اس کا شکر اس لیے بھی عاشق کرتا ہے کہ اس کا دل درد سوز گداز رنج و غم کا منتظر رہتا ہے اور یہی تو عشق کے واردات ہوتے ہیں۔ کہیں شاعر گیسوؤں کے پھندے میں پھنسنے کا خواہش مند ہے تو کہیں زخم کھا کر شکر کا سجدہ کرنے پر آمادہ ہے۔ مضمون کو چست الفاظ سے ایسا باندھا گیا ہے کہ ستار کے تار کی طرف مصرعے غزل میں تنے ہوئے ہیں صرف فکر کے مضراب کی ضرورت ہے کہ کوئی تار کو چھیڑ دے۔

ہر گناہی را اشتہار کُنم
حُسنِ رحمت را شرمسار کُنم

ترجمہ : ہر گناہ کو زیادہ کر کے
رحمت کے حُسن کو شرمندہ کروں گا

•••

زخم ہائے دِلم شگفتہ اَست
مَن چرا خواہشِ بہار کُنم

ترجمہ : میرے دل کے زخم تازہ ہیں
پھر کیوں بہار کی خواہش کروں

•••

دوستاں راچہ ذِکر اے نیرنگؔ
برعدُوے ہم اعتبار کُنم

ترجمہ : دوستوں کا نیرنگؔ کیا ذکر ہے
میں تو دشمنوں پر بھی اعتبار کرتا ہوں

•••

یہ غزل خاص موڈ میں رحمت باری کو جوش دلوانے کے لیے شاعر نے بندگی کے اعلیٰ معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہی ہے۔ شاعر کہہ رہا ہے کہ اگر میں گناہ نہ کرتا تو

پھر تو رحیم کیسے بنتا اور تری رحمت کیا کرتی، اِس لیے میں گناہ کر رہا ہوں کہ تیری حُسن رحمت کو شرمسار کروں کہ مجھے ضرور معاف کر دے۔ عاشق چاہتا ہے کہ درد و غم تازہ رہے ہمیشہ اس تازگی سے زندگی میں بہار رہے۔ شاعر بہت انصاف پسند اور آدمیت کا حامل ہے اس کی دوستی اخوت بردباری اور بخشیں نہ صرف دوستوں کے لیے ہے بلکہ وہ دشمنوں کے لیے بھی کھلے دل سے آگے بڑھتا ہے اور ان پر اعتبار کرتا ہے۔

اے دوستاں ز روئے من چادر مبر کشید
دَر دامن اِیں روئے سیاہ در آورم

ترجمہ : میرے دوستو میرے چہرے سے چادر مت کھینچو
کیوں کہ میرا کالا چہرہ نمایاں ہو جائے گا

•••

از تشنگی بہ چاہ زنخداں ہمے روم
دیوانہ ام کہ خود را بہ چاہ در آورم

ترجمہ : پیاس کی شدت سے چاہ زنخداں کی طرف جا رہا ہوں
میں دیوانہ ہوں شاید خود کو کنویں میں ڈال دوں

•••

از ذوقِ دِل کلام بگویم بفارسی
ورنہ کیم کہ خود را بجاہ در آورم

ترجمہ : میں دل کے ذوق سے فارسی شعر کہتا ہوں
ورنہ میری کیا حیثیت کہ میں یہ عظیم کام کروں

•••

چوں من شوم بہ محفلے نیرنگؔ سخن طراز
ہم از دہانِ مُردگان واہ در آورم

ترجمہ : نیرنگؔ جب کسی محفل میں شعر سناتا ہے تو

قدیم اساتذہ یعنی مردوں کے منہ سے تحسین و آفرین
حاصل کرلیتا ہوں اور واہ واہ کروا لیتا ہوں

•••

یہ پوری غزل عشق مجازی اور عشقِ حقیقی کے ساتھ جادۂ تسلیم و رضا کی حامل ہے۔ اس غزل میں نو شعر مردّف ہیں۔ بندہ کفن میں مالک سے شرمسار ہے اسی لیے کہہ رہا ہے کہ میں روسیاہ ہوں چادر میرے منہ سے مت ہٹاؤ۔ عاشق کے لیے معشوق کا چاہ زنخداں ڈوب کر ابھرنے کے مماثل ہے کیوں کہ عشق کی حد جنون ہے جہاں عقل کا دخل نہیں بلکہ دیوانگی کی فرزانگی ہے۔ نیرنگؔ نے یہ کہہ کر کہ دل کے ذوق وشوق کے لیے فارسی میں شاعری کر رہا ہوں، ورنہ میرا کیا مقام اس عظیم زبان کے شاعروں میں شمار رہو سکوں عجز وانکساری سے کام ہے۔ وہ ایک عمدہ کہنہ مشق فارسی کے شاعر ہیں اسی لیے تو نیرنگؔ مقطع میں تعلّی کر کے کہتے ہیں کہ جب میں محفل میں شعر سناتا ہوں تو اساتذہ قدیم جو مر چکے ہیں ان سے داد تحسین حاصل کر لیتا ہوں۔

ندالم ناندہ اَست چہ نسبتم آں پر جمالے را
دِل خُود را مُنَور ساختہ اَم ایں خیالے را

ترجمہ : میں نہیں جانتا اب کیا نسبت باقی ہے اس پر جمالی سے
بس میں نے اپنے دل کو منوّر کیا ہے اس روشن خیالی سے

•••

ہمیں جامو لدو مسکن شدہ اَست ایں غیرب را
جُدا کردند بعد از مدتے ایں بدنصیب را

ترجمہ : اُسی جگہ اِس غریب کی پیدائش اور گھر بھی تھا
ایک مدت کے بعد اس بدنصیب کو وہاں سے جدا کیا گیا

•••

اگر خواہد دلش، قاروں کند ہر روستائے را
شہنشاہے بگر داند اگر خواہد، گدائے را

ترجمہ : اگر وہ چاہیں تو ہر دیہاتی کو قارون کردیں
وہ اگر چاہیں تو ہر بھکاری کو شہنشاہ بنا دیں

•••

بدارم اِعتقادِ تام آں مردِ بزرگے را
بیاد آرم صُبحدم نام آں مردِ بزرگے را

ترجمہ : میں اس عظیم شخص کے نام کا معتقد ہوں
ہر صبح اس عظیم شخص کا نام لیتا ہوں

•••

زبانِ بہر زباں آموختہ اَم قدرِ آں دانم
اگرچہ نیست قدر من میانِ دوستاں دانم

ترجمہ : میں نے زبان، ادبی زبان کی طرح سیکھی ہے اس کی قدر جانتا ہوں
اگرچہ کہ میں جانتا ہوں میرے دوستوں میں مری قدر نہیں ہے

•••

شنیدہ اَم کہ پدرانم دبیر خالصا بودُند
خُدارا یاد می کردند کہ مردان خدا بودُند
زمینے کا شتند از مرزع اش اہل غنا بودُند
ازیں بہتر خُداداند کہ آں دیگر کہ ہا بودُہ
ازآں مردان کالے اِم مردِ با ہنر بودُہ
او تشویقِ سیاحت و دائم در سفر بودُہ

ترجمہ : میں نے سنا ہے کہ میرے باپ خالصا کے دبیر تھے
وہ ہمیشہ خدا کی یاد میں رہتے اور مردِ خدا تھے

کھیتی کی زمین کے مالک تھے اور خوش حال تھے
وہ اپنے مقام پر دوسروں سے بہتر تھے
کالی رام ان مردوں میں ہنرمند تھے
انھیں سیاحت کا شوق تھا اور ہمیشہ سفر کرتے تھے

•••

مرا شرفِ تلمذ شُد، بہ قدم فیضؔ احمد خاں
بدو زانو نشستہ ام بہ پیشِ خدمتِ ایشاں
رجوع خدمتش یک سال کردم با ہمہ یاراں
فنون شاعری آموختہ ام بیش از دگراں
نمی دانم کہ احسانش چگو نہ بر زباں آرم
نہ طرزِ گفتگو دارم کہ آں را درمیاں آرم

ترجمہ : مجھے فیض احمد خان سے شاگردی کا شرف ملا
میں نے ان کے سامنے شاگردی کا زانو تہہ کیا
میں ایک سال تک دوستوں کے ہمراہ اُن کی خدمت میں جاتا رہا
شاعری کے فن کو دوستوں کی نسبت میں نے اُن سے زیادہ سیکھا
مجھے نہیں معلوم کہ ان کا احسان کو کس طرح سے زبان سے ادا کروں
نہ مجھے وہ گفتگو کرنے کا طریقہ ہے جس سے ان کا احسان ادا کرسکوں

•••

نکاح کردم و لیکن بامرادم دل نشد آنجا
کہ اولادے بچندے درمیاں شامل نشد آنجا
برائے مقصدِ من شاید آب و گل نشد آنجا
در ختے کاشتم لیکن ثمر حاصل نشد آنجا

بباغِ بامرادِ من گُل اوّل شگفتہ شد
شدہ بیدار بخت اینجا بآں جائے کہ خفتہ شد

ترجمہ : نکاح تو کیا لیکن دل کی مراد وہاں بر نہ آئی
مجھے وہاں اولاد نصیب نہ ہوئی
شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہاں میرے حصّے کا پانی اور مٹی نہ تھی
میں نے جھاڑ تو بویا لیکن اس کا پھل نہ ملا
میرے مرادوں کے باغ میں میرا پہلا پھول کھلا
اس مقام پر میرے نصیب جاگے جہاں میری قسمت خراب ہوئی

◆◆◆

نیرنگؔ کے کلام میں آزادی کی خوشبو

محبت کی زمیں ہوگی نیا دور زماں ہوگا

نند لال نیرنگؔ برٹش کولی نیزم (Colinism) کے دور میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک آزاد منش تعلیم یافتہ، انسانی قدروں کے حامی ترپسند شاعر اور ادیب تھے۔ ان کی شاعری میں رُخ جاناں کے ساتھ ساتھ غم دوراں کی جلوہ نمائی بھی تھی جس میں وہ اپنی سوچ اور عمل سے مجبور تھے جیسا کہ اُن کے استاد فیض احمد فیضؔ نے کہا تھا۔

ع : لوٹ جاتی ہے اُدھر کو بھی نظر کیا کیجیے

وطن سے محبت اور وطن کے جانثاروں سے الفت اور آزادی کے پیغام کی تشہیر کے پرخلوص جلوے ان کی نگارشات میں بکھرے پڑے ہیں۔ برصغیر کی تقسیم سے پہلے کی زیادہ تر شاعری ضائع ہوگئی لیکن وہ کلام جوان معرکوں میں انھوں نے انجام دیا تھا ان کے کارناموں اور قدروں کو خراجِ عقیدت دینے کے طور پر اس کلیات میں جگہ دی گئی ہے۔ اور اس کی تشریح اور تفسیر بھی راقم نے کی ہے۔ نیرنگؔ کے کلام میں آزادی، وطن اور مجاہد، عقیدتی معنی کے حامل ہیں۔ ان کی وطن دوستی منظر کشی سے زیادہ وطن کے باشندوں کی زندگی کو سنوارنے عوام کی مشکلات کو حل کرنے اور سرمایہ دار، جاگیردارنہ طبقاتی نظام سے نجات کا سامان فراہم کرنے میں نظر آتی ہے۔ یہ سچ ہے ہر دہی بچنے والی اپنے دہی کو میٹھا کہتی ہے۔ ہر ماں کی نظر میں اس کا فرزند سب عزیز اور دلبر ہے اُسی طرح نیرنگؔ بھی جو مہاجرت کر کے ہندوستان کو اپنا وطن بناتے ہیں اس کے دلدادہ اور مدح خواں ہیں۔ وہ اس کو ترقی کے راستے پر مسلسل گامزن دیکھنا چاہتے

ہیں۔ انھیں بھارت کی ہر چیز سے پیار ہے۔ وہ شرق اور غرب دونوں تہذیبوں اور تمدنوں کو قبول کرتے ہیں۔ اقبالؔ نے کہا تھا۔

مشرق سے ہو بیزار نہ، مغرب سے حذر کر
فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر شب کو سحر کر

نیرنگؔ بہرحال مشرق کے دلدادہ ہیں اور وہ مغرب کی ترقی سے مشرق کو سنوارنا بھی چاہتے ہیں، جس کا خوب صورت پیام انھوں نے اپنی ایک نظم ''کسی دوست کی امریکہ سے واپسی پر'' چھے بند کی مسدس نظم کے اٹھارا شعار میں کیا ہے۔ نیرنگؔ نے جہاں پر غربی دُنیا کی ترقی پر خوشی کا اظہار کیا، اس سے زیادہ بھارت کو آگے بڑھانے کی بات ہے، انھوں نے ان مقامات کو بھی پیش کیا ہے جسے غرب نہیں پیش کرسکتا۔ ایک صحت منداور صحیح فکر شاعر سے یہی امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ دُنیا کے ایک حصّے کو دوسرے حصّے کے منابع ذرائع اور امکانات سے سجادے۔

مُلکِ امریکہ سے آنا ہو مُبارک نوجواں
تیری اِس توقیر پر شاداں ہے ہر خُورد و کلاں

سَیر کی ہے تُو نے امریکہ کے ارضِ پاک کی
تو نے دیکھی ہے زمیں واشنگٹن، نیویارک کی

لوگ کہتے ہیں نرالی ہے وہاں کی سر زمیں
کوہ دَریا کے مناظر ہیں وہاں سحر آفریں

کیا کوئی دریا وہاں پر ہمسرِ جمنا بھی ہے
کیا ہمالہ کی بلندی ہے وہاں گنگا بھی ہے

تاج کی صورت عمارت کوئی دیکھی ہے وہاں
ہے زمینِ ہند پر جو یادگارِ شہِ جہاں

کیا وہاں بھی دفن ہے کوئی محبّت کا نشاں
جس کے آگے سر جھکاتے ہوں زمین و آسماں

تُو نے امریکہ کے عِلم و فن سے پائی آگہی
تجھ کو بھارت میں نظر آئے اگر کوئی کمی

منتشر کر دے وہاں عِلم و ہُنر کی روشنی

روشنی میں ہو اضافہ تاکہ تیری ذات سے
پار بیڑا ہند کا ہو قلزمِ ظلمات سے

اسی طرح کے مضمون کو ایک قطعے میں کہتے ہیں:

نرگس و لالہ و گُل سرو سمن لوٹ آئے
یعنی گلہائے چمن سوئے چمن لوٹ آئے
جن کی فرقت دِل احباب پہ تھی بار گراں
آج وہ جانِ وطن اپنے وطن لوٹ آئے

نیرنگ سرحدی کے کلام میں جو نظمیں ان موضوعات پر ملتی ہیں ان کی فہرست کچھ اس طرح ہے۔

- ہمارا ہندوستاں = یہ نظم مسدس کی شکل میں پانچ بند پر مشتمل ہے۔ اس میں پندرہ شعر ہیں۔
- مادرِ ہندوستان = یہ نظم تین ترکیب بندوں پر مشتمل ہے۔ اس میں پندرہ

شعر ہیں۔

- قوالی= یہ نظم مسدس کی شکل میں پانچ بند کی ہے جس میں پندرہ شعر ہیں۔
- شانِ وطن= یہ نظم مسدس کے سات بند یعنی اکیس شعر کی ہے۔
- ترانہ وطن= یہ نظم مسدس کے چھے بند یعنی اٹھارہ شعر کی ہے۔

ان نظموں کے علاوہ نیرنگ نے دیش محبت، جانثاری اور عوام بھگتی پر بھی نظمیں لکھ کر ان افراد کے عزائم، محنتیں، خدمت گزاری اور ترقی کے منصوبوں پر جن نظموں میں شعر کہیں ہیں ان کے یہ نام ہیں۔

- عزم جواناں ہند= یہ نظم پانچ بند یعنی پندرہ شعر کی ہے۔
- للکار= یہ نظم چار بند یعنی بارہ اشعار پر مشتمل ہے۔
- عزائم= غزل نما نظم آٹھ اشعار کی ہے۔
- ارادے= یہ نظم تین ترکیب بند پر مشتمل ہے جس میں پندرہ اشعار ہیں۔
- گوا کے شہیدوں کی یاد میں= یہ نظم نو شعر کی غزل نما نظم ہے۔
- نیا زمانہ عالم تخیل میں= یہ آٹھ شعر کی غزل نما نظم ہے۔
- یوم جمہوریت کے موقع پر= یہ نظم مسدس کی شکل میں چار بند یا بارہ اشعار پر مشتمل ہے۔
- اہنسا= یہ نظم مسدس کی شکل میں سات بند اور (۲۱) شعروں پر مشتمل ہے۔

نیرنگ نے اس کے علاوہ غزل کے اشعار اور قطعات میں بھی انہی مضامین کو پیش کیا ہے۔ دو قطعات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

قطعہ

سُنایا ہے عنادِل نے ہمیں پیغامِ آزادی
الٰہی کس قدر پیارا ہے دِل کو نامِ آزادی
اب اس مدّت میں اتنا تو ہوا معلوم اے نیرنگ
غلامی کی سحر سے ہے حسیں تر شامِ آزادی

قطعہ

اَے خُدا ایسے بھی انسان ہوئے جاتے ہیں
جن کے ایثار پہ حیران ہوئے جاتے ہیں
تُو تو قربان ہُوا نامِ وطن پر لیکن
ہم ترے نام پہ قرباں ہوئے جاتے ہیں

اس تحریر میں ہم ایک درجن سے زیادہ نظموں کے کچھ منتخب اشعار اس لیے پیش کریں گے کہ اُن اشعار سے نظموں کا موضوع اور شاعر کا طرزِ بیان ظاہر ہو سکے اور قاری ان مطالب سے روشناس ہو کر اصل منظومات پر رجوع کر سکے۔ ان اشعار میں عامی سے عالم تک کے لیے ان کی فکر اور ضرورت کے مطابق مواد موجود ہے۔

نیرنگ کی نظم مادرِ ہندوستان سے دو بند یہاں نقل کیے گئے ہیں۔

دِل میں ہمارے حسرت و ارمان ہیں کئی
گھر ایک ہے مگر یہاں مہمان ہیں کئی
حاصل یہاں یہ عیش کے سامان ہیں کئی
لُطفِ کنار آب ہے، طوفان ہیں کئی
ہندو ہیں اِس میں اور مُسلمان ہیں کئی
عالِم وید، حافظِ قرآن ہیں کئی
ہے ایک در مگر، وہاں دربان ہیں کئی
دُشمن کی کیا مجال نگہبان ہیں کئی

صدیوں لپٹ کے سوئے ہیں اِس آشیاں سے ہم
پیدا ہوئے ہیں مادرِ ہندوستاں سے ہم

اُونچا جہاں میں پرچمِ ہندوستاں رہے
یہ فکر ہے جہاں میں ہمارا نشاں رہے

ہندوستاں کی ہر نوا دردِ زباں رہے
ناقوس کی صدا رہے بانگِ اذاں رہے
بُلبُل کا شور شمعِ سوزاں یہاں رہے
ہر شے یہاں کی رونقِ بزمِ جہاں رہے
دِل میں ہمارے عظمتِ ہندوستاں رہے
بیتاب منزلوں کے لیے کارواں رہے
نیرنگؔ نہ غم کریں جو گزر جائیں جاں سے ہم
پیدا ہوئے ہیں مادرِ ہندوستاں سے ہم

فراقؔ گورکھپوری نے کہا تھا۔ع: ''قافلے آتے رہے ہندوستان بنتا گیا''
نیرنگؔ کی جو مسدس کی شکل میں ''ہمارا ہندوستان'' نظم ہے۔ یہاں ہم صرف مطلع اور مقطع کے بند کے ساتھ دو شعر بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ اشعار خود اپنی بات بتا رہے اس لیے یہاں مزید سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

ہمالہ سا پربت جہاں پاسباں ہے
جہاں آبِ گنگا و جمنا رَواں ہے
جہاں جلوہ افشاں ترنگا نشاں ہے
جو گاندھی کی بھومی جواہر کی جاں ہے
کروڑوں عنادِل کا جو آشیاں ہے
ہمارا وہی دیش ہندوستاں ہے

کسی سے یہاں کا جواں کم نہیں ہے
مصائب ہوں ہر سو اُسے غم نہیں ہے
تلاظم میں بھی دیدہ پُرنم نہیں ہے
کوئی تفرقہ ان میں باہم نہیں ہے

جہاں شورِ ناقوس و بانگِ اذاں ہے
ہمارا وہی دیش ہندوستاں ہے

جسے لوگ کہتے ہیں جنّت نشاں ہے
ہمارا وہی دیش ہندوستاں ہے

بہاروں سے بہتر جہاں کی خزاں ہے
ہمارا وہی دیش ہندوستاں ہے

نیرنگؔ سرحدی نے ہندو اسکول ریواڑی میں ایک عمدہ قوالی کا انتظام کیا جس میں اسکول کے طلبا نے حصّہ لیا اور اس قوالی کے اسٹیج کو بھی خود نیرنگؔ نے اپنی نگرانی میں بنوا کر طلبا کو قوالی کے انداز سکھا کر پیش کیا تھا۔ یہ قوالی میں جو قول ہوتا ہے جس کی قوال تکرار کرتا ہے۔ مسدس کے بند کا آخری مصرعہ ہے ''وہ کون سی زمین ہے؟ ہندوستان ہے'' اس کے چند مصرعے سینے، اگر چہ کہ قوالی کا لطف قوال کی تکرار میں ہے۔

ع : وہ سر زمیں جو آج بھی فخرِ جہان ہے
ع : گردش میں جس زمیں کے لیے آسمان ہے
ے : اپنا وطن ہے وید اور گیتا کی سرزمیں
پیدا ہوئے ہیں رام و کرشن اور بدھ یہیں

•••

ے : گوبند اور بھگت دلاور یہاں ہوئے
سب دیوتا و پیر و پیمبر یہاں ہوئے

•••

ع : ہم ہی نے دی ہے روشنی سارے جہان کو

ے : کیا کہنے جس زمین کی اِس درجہ شان ہے
وہ کون سی زمین ہے؟ ہندوستان ہے

نیرنگ سرحدی غزل، مسدس اور ترکیب و ترجیع بند میں فن کے کمال کے ساتھ زبان اور طرز بیان کی سادگی دکھانے کا ہنر جانتے ہیں۔ان کی نظم ''ترانہ وطن'' جو ترجیع بند میں ہے اس کے صرف چند شعر یہاں ہم لکھ رہے ہیں۔

عیاں برگ و بر سے بہارِ چمن ہے
جہاں خاک بھی رشکِ مشک ختن ہے
جہاں عیش سے دامنِ دِل بھرا ہے
وہی رشکِ فردوس
میرا وطن ہے

محبت کی دُنیا جہاں کامراں ہے
جہاں شورِ ناقوس بانگِ اذاں ہے
منادر مسجد کی حُرمت جہاں ہے
وہی رشکِ فردوس
میرا وطن ہے

جہاں میکدے ساقی و جامِ لاکھوں
ہزاروں گُل اندام گُلفامِ لاکھوں
جہاں مردِ مزدُور بھی اہلِ فن ہے
وہی رشکِ فردوس
میرا وطن ہے

بڑی اور عمدہ شاعری کا عنصر یہ بھی ہے کہ اس کے مطالب ذود فہم رہیں جیسا کہ ان نظموں سے ظاہر ہے۔دوسری مسدس کی شکل میں اٹھارہ شعر کی نظم ''شانِ وطن'' ہے۔اس نظم میں شاعر نے قدیم کو جدید سے مقابلہ کر کے وطن کی شان بڑھائی ہے۔

مُدت سے خوگرِ سِتمِ آسماں رہے
ہم محوِ انقلابِ زمین و زماں رہے
فصلِ بہار میں بھی ہم مثلِ خزاں رہے
مُنہ میں زبان رکھتے ہوئے بے زباں رہے
اظہارِ دل کے لفظ ہمیں یاد تک نہ تھے
یعنی مجازِ نالہ و فریاد تک نہ تھے

وہ دِن گئے کہ مذہب و ایمان تھے کئی
ہندو کئی تھے اُن میں مُسلمان تھے کئی
اُن میں کئی ذلیل تھے ذی شان تھے کئی
سینے میں ایک دِل تھا اور ارمان تھے کئی
اب سرزمین ہند کا انسان ایک ہے
طائرِ تو بے شمار گُلستان ایک ہے

ہر مرد گامزن ہے ترقی کی راہ پر
نازاں ہر ایک آدمی ہے عز و جاہ پر
رکھتا گدا بھی فوق ہے اب بادشاہ پر
ایواں کو برتری نہیں اب خانقاہ پر
ہم کو نصیب دولتِ امن و اماں ہے اب
گہوارۂ نشاط میں خورد و کلاں ہے اب

نیرنگ سرحدی ایک مشرقی شاعر ہیں۔ وہ صرف صبح آزادی کی پھیلی ہوئی روشنی سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ اس روشنی سے فایدہ اٹھا کر زیست کے مسایل کو ٹھیک کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے وہ عزم، استقلال اور کوشش و جدوجہت کی ترغیب

کرتے ہیں۔ ہماری کامیابی اس بات پر بھی منحصر ہے کہ ہم اپنے ارادوں میں کتنے پکے اور مستعد ہیں۔ ذیل کے چند شعر جو ایک ترکیب بند میں ہیں سینے۔

ہمارا عزم ہے خاکِ وطن کو آسماں کردیں
جو دِل کی بات ہے کیوں کر نہ ہم سب پر عیاں کردیں
نشاطِ چند روزہ ہم فِدائے آشیاں کردیں
بہاروں کو بلا کر اپنے گھر کا پاسباں کردیں
نئی تہذیب کی مشعل سے روشن ہر مکاں کردیں
نگاہِ اہلِ عالم قائلِ ہندوستاں کردیں
فریبِ اہلِ دُنیا اُن کی منزل کا نشاں کردیں
زمینِ ہند کا ہر فرد میرِ کارواں کردیں
یہاں کا ذرہ ذرہ رشکِ مہرِ ضو فشاں کردیں
حقیقت میں زمینِ ہند کو باغِ جناں کردیں

ہر قوم اور ملک کا قیمتی اثاثہ ان کی جوان نسل ہوتی ہے۔ آج کے پر آشوب دور میں دنیا نیوکلیر ہتھیاروں کے زور پر موت کے دروازے پر کھڑی ہے۔ یہاں ایک قوم اور ایک ملک کی تباہی تمام دُنیا کی تباہی محسوب ہوگی اسی لیے امن کے پرستاروں کا نعرہ ہے۔"Live and let them Live" ہے۔ یہاں کچھ منتخب اشعار نظم ''عزمِ جوانانِ ہند'' کے پیش کیے جاتے ہیں۔

پیامِ امن ہمارا ہے اِک جہاں کے لیے
ہیں مثلِ بادِ صبا صحنِ گُلستاں کے لیے
ہیں رہنمائے سفر اہلِ کارواں کے لیے
صلائے عام ہے یارانِ مہرباں کے لیے
تلاش جس کی ہے ہم اُس کو پا کے چھوڑیں گے
ہم اپنے دیش کو جنّت بنا کے چھوڑیں گے

ہمارا عزم ہے دُنیا کی شانتی کے لیے
بڑھائے ہاتھ ہمیشہ ہی آشتی کے لیے
سہے ہیں رنج سدا غیر کی خوشی کے لیے
پیام سب کو دیا ہم نے زندگی کے لیے

نقوش اپنے جہاں پر بیٹھا کے چھوڑیں گے
ہم اپنے دیش کو جنّت بنا کے چھوڑیں گے

برصغیر کی آزادی کا موثر ہتھیار ''اہنسا'' یا "Non Violence" تھا۔ جس نے دُنیا کی عظیم طاقتِ سرمایہ داری کو جس کی نمایندگی اُس وقت انگلستان کر رہا تھا اور جس کے پنجے میں برصغیر اسیر تھا، شکست دی تھی۔ گاندھی جی اس تحریک کے قاید تھے۔ نیرنگ کی ایک نسبتاً طولانی نظم جو اکیس اشعار پر مبنی ہے اس کلیات میں ''اہنسا'' کے عنوان سے موجود ہے۔ اس مسدس میں زمانے کے حالات کو پیش کر کے اس کا علاج اہنسا کی صورت میں بتایا گیا ہے۔ ہم اس نظم کے بیالیس مصرعوں سے صرف دس مصرعے یہاں پیش کرتے ہیں جو آپ اپنی داستان بیان کر رہے ہیں۔

جانتا ہے ہر بشر دُنیا کے ہر اِک راز کو
خود بجانا چاہتا ہے زندگی کے ساز کو

سب محبّت اور اَہنسا کے کرشمے ہیں عیاں
چار سُو دُنیا میں اَہنسا کا سکہ ہے رواں

گُل اَہنسا کا کِھلا ہے وادیٔ پُر خار ہیں
ہم نشیںِ گُل کو ملتا ہے مزا آزار میں

اَلغرض ہے سب اَہنسا سے نظام کائنات
تھم رہی ہے دستِ قُدرت میں زمام کائنات

ہاں اگر دونو جہاں میں چاہتے ہو آبرو
تو اَہِنسا کے اصولوں سے کرو تم گفتگو

علاّمہ اقبالؔ نے کہا تھا ع: ''جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے''۔ نیرنگؔ سرحدی کے اشعار ان کے دل کی گہرائیوں سے اُبلتے ہیں جن میں صداقت کی چاشنی کا چٹ خارہ بڑی دیر تک ذہن کو محفوظ رکھتا ہے۔ اگر چہ نیرنگؔ کی خاص توجہ بھارت پر ہے لیکن وہ دراصل تمام انسانوں کو خوش حال اور کامیاب دیکھنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ وہ اس فرسودہ ستم گر، حق تلف، خود غرض معاشرے کو بدلنے کے لیے ایک نیا جہان کا تصوّر رکھتے ہیں۔ اپنی نظم ''نیا زمانہ: عالمِ تخیّل میں'' کے چند شعر دیکھے

نئے سر سے لکھا جائے گا افسانہ ملائک کا
نئی حوریں، نئے غلماں، نیا باغِ جناں ہوگا

دو بارہ اِس جہاں میں ہوگی پھر تخلیق آدم کی
یہ دُنیا تو نئی دُنیا نیا اِک آسماں ہوگا

سمجھ لی جائے گی باطل یہاں تبلیغ مذہب کی
فقط دُنیا میں ہی اخلاق کا اُونچا نشاں ہوگا

نہ سرمایہ پرستی ہوگی محوِ خواب بستر پر
نہ مزدوروں کی گردن پر کبھی بارِ گراں ہوگا

نہ حد بندی، نہ جھگڑے، مفت میں ہوں گے زبانوں کے
محبّت کی زمیں ہوگی نیا دورِ زباں ہوگا

بارہ رتن

(قطعات نیرنگؔ سرحدی)

جس سے نہ بجھے تشنگی اے حضرتِ نیرنگؔ
اُس ساغرِ مئے کو کبھی ساغر نہیں کہتے
"کعبہ میں مسلماں کو بھی کہہ دیتے ہیں کافر
بُت خانہ میں کافر کو بھی کافر نہیں کہتے"

زِندگی کو حُباب کہتے ہیں
اور زمانے کو خواب کہتے ہیں
اپنی شہرت کے واسطے نیرنگؔ
ہم ہر اِک کو خراب کہتے ہیں

ہندو نہیں سمجھے ہیں مُسلماں نہیں سمجھے
صد حیف کہ وہ مقصدِ ایماں نہیں سمجھے
کیا اہلِ زمانہ سے میں واقف نہیں نیرنگ
اب تک بھی جو انسان کو انساں نہیں سمجھے

آج کل گرمئ بازار فقط ہیں کپڑے
آدمیّت کے بھی آثار فقط ہیں کپڑے
کل تو اِنسان کا معیار تھا اخلاقِ بلند
آج انسان کا معیار فقط ہیں کپڑے

تعلیم کی کمی ہے نہ اسباق کی کمی
ہم میں نہیں ہے شہرتِ آفاق کی کمی
یوں تو ہر اِک چیز ہے ہندوستان میں
لیکن کوئی کمی ہے تو اَخلاق کی کمی

کوئی جُھک کر سلام کرتا ہے
ظاہراً احترام کرتا ہے
بے غرض آج کل زمانے میں
کون کس سے کلام کرتا ہے

اللہ رے یقین جو اہلِ جہاں پہ ہے
اور اعتبار اُن کی ہر اِک داستاں پہ ہے
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اِس کی حقیقتیں
دِل میں نہیں وہ بات جو اُن کی زباں پہ ہے

عرش سے آئی ندائے دلفگار
شاعرِ باطل پرست او نابکار
مدحتِ انساں نہیں ہے شاعری
شاعری ہے مدحتِ پروردگار

کیے ہم پہ کیا کیا گماں دوستوں نے
مِٹایا ہمارا نشاں دوستوں نے
آشیانہ ہمارا تو دُونو نے لوٹا
مکاں دُشمنوں نے زباں دوستوں نے

میری ہستی بھی کوئی ہستی ہے
پارسائی نہ مے پرستی ہے
درد و غم کا ہجوم ہے دِل میں
ایک دُنیا یہاں بھی بستی ہے

حالتِ بے بسی سے ڈرتے ہیں
اور تِری بے رُخی سے ڈرتے ہیں
لوگ ڈرتے ہیں موت سے اکثر
ہم مگر زندگی سے ڈرتے ہیں

واعظ کی نظرِ تنگ میں کافر تھا اُن دنوں
کافر یہ جانتا ہے مسلماں ہوں آج کل
نیرنگ بدل رہا ہے زمانے کا رنگ خوب
طرزِ ادائے نو میں غزل خواں ہوں آج کل

غزل کے منتخب اشعار

(اس ترکش میں بہتر 72 تیر ہیں)

تگ و دو آج بھی انسان کی باغِ جناں تک ہے
ہوا رُسوا جہاں آدم نظر اُس کی وہاں تک ہے

•••

سیم و زر کا شاعری سے ایک فطری بیر ہے
"شاعرِ ہندوستاں ہونا خُدا کا قہر ہے"

•••

ادب جان سمجھو ادیبوں کی نیرنگؔ
تو قدرِ زباں ایک شاعر سے پوچھو

•••

محبّت کی ہے میں نے اعترافِ جُرم کرتا ہوں
گُناہ تھا، تو مزاجِ عاشقانہ کس لیے بخشا

•••

شعر جب تک نہ شعر ہو نیرنگؔ
ہم کبھی مرحبا نہیں کہتے

•••

چُھپا سکتا تھا اپنا رازِ دِل کیوں کر بھلا نیرنگؔ
غم وَرنج والَم ہی جب مِرے اشعار تک پہنچے

• • •

رُوحِ نیرنگؔ مذہبوں کی قید سے آزاد ہے
واسطہ اُس کو نہیں ہے کفر اور اسلام سے

• • •

وہی سب سے بھلے ہیں دُنیا میں
جو کسی کو بُرا نہیں کہتے

• • •

بنتے ہیں سب حریف جہانِ خراب میں
آتے ہیں جب خراب کسی آدمی کے دِن

• • •

یا تو کچھ آگئی کمی تیرے ہی اِلتفات میں
یا مِری دُعاؤں میں جو تھا اثر بدل گیا

• • •

ناکامیوں کے بعد بھی پا دَر سفر تو ہے
منزلِ کی جُستجو میں بیچارا بشر تو ہے

• • •

تم دیکھتے ہی رہ گئے اَغیار کی طرف
اور ہم فقط تمہاری نظر دیکھتے رہے

• • •

نیرنگؔ! شاعری تھا مِرا مقصدِ حیات
معلوم کیا ہو حال مِرا شاعری کے بعد

•••

جب نماز آئی تو دُنیا میں مساوات آئی
اَہلِ عالم میں مساوات کہاں تھی پہلے

•••

تعبیرِ خواب کچھ بھی کریں اہلِ دِل مگر
دُنیا ہے ایک خوابِ پریشاں مِرے لیے

•••

تم مؤذن بھی ہو، ناصح بھی ہو، واعظ بھی ہو، شیخ
یہ بتاؤ کہ کِسی وقت تم انسان بھی ہوئے

•••

عرش سے دُور اگر تیری تگ و تاز نہیں
تُو تو گنجشکِ فر و مایہ ہے شہباز نہیں

•••

وہی آوازِ حقیقت ہے جو دِل سے نِکلے
لَب سے نِکلی ہوئی آواز تو آواز نہیں

•••

واقفِ نہ غم سے ہو کوئی تیری نظر تو ہے
کافی ہے اس قدر بھی کہ تجھ کو خبر تو ہے

•••

کیا غم جو بند ہوگئے دَر ہائے زندگی
رَحمت کا دَر کُھلا ہوا شام و سحر تو ہے

• • •

جب تک نہ ایک دیر و حرم کا ہو فیصلہ
میری جبیں ہے اور ترا سنگِ دَر تو ہے

• • •

ہر اِک مقام ہے تیرا ہر اِک تِری منزل
کوئی بتا دے کہ سجدہ کہاں کہاں کرتے

• • •

عزمِ سفر تو تھا مِرا جانبِ کعبۂ محترم
آپ کی دید سے مگر عزمِ سفر بدل گیا

• • •

نہیں موقوف کچھ دَیر و حَرم پر حضرتِ واعظ
جہاں جُھک جائے سر سجدے میں اُس کو آستاں کہیے

• • •

مُجھے بھی کچھ نہ کچھ نسبت ہے سرحد کے پٹھانوں سے
چلا جائے اگر سب کچھ وفاداری نہیں جاتی

• • •

چمنِ دَہر میں آسُودہ نہیں ہے کوئی
گُلِ خوش رنگ کو بھی چاکِ گریباں دیکھا

• • •

غم و آلام بھی فطرت کو بدلتے کیوں کر
جب گُلِ تر کی طرح خاروں میں خنداں بھی ہوئے

•••

کیوں نہ ہو چرخ تری ہیچ نوازی کا گلہ
محوِ آلام یہاں اہلِ ہنر آج بھی ہے

•••

عِشق کی راہ میں ایسے بھی مقام آتے ہیں
نہ جہاں قید سے نے دام سے ڈر لگتا ہے

•••

کوئی کہہ دے زباں رکھنے کا مُنہ میں فائدہ کیا ہے
کسی کے سامنے جب داستاں ہم کہہ نہیں سکتے

•••

غمِ حیات سے پائی ہے آگہی میں نے
تمام عُمر غموں میں گُزار دی میں نے

•••

ہم تو ہر بات پر ہیں چُپ لیکن
آپ کہیے کہ کیا نہیں کہتے

•••

کی گفتگو تو دِل کی شگفتہ گلی ہوئی
نیرنگ کی زبان، زبانِ بہار ہے

•••

جدید رنگ میں لکھتا ہوں اب غزل نیرنگؔ
قدیم رنگ ہو جب ناگوار کیا کہیے

• • •

آئے گی میری یاد مِری زندگی کے بعد
ہوگی نہ روشنی کبھی اِس روشنی کے بعد

• • •

پسِ حیات یہی شعر ہوں گے اَے نیرنگؔ
علاوہ اِس کی تری یادگار کیا ہوگی

• • •

فرقہ واروں کی یہ بستی ہے جسے دُنیا کہیں
کاش رہتا مَیں اِسی بستی میں اِنسانوں کے ساتھ

• • •

میکدے میں نماز پڑھ لیں گے
کاش ساقی اِمام ہو جائے

• • •

مجھے منظور ہے فاقہ کشی کی آگ میں جلنا
مگر احساں کمینوں کا گوارا ہو نہیں سکتا

• • •

بے نیازی تِری عادت ہی سہی
عِشق سے صاف یہ انکار نہیں تو کیا ہے

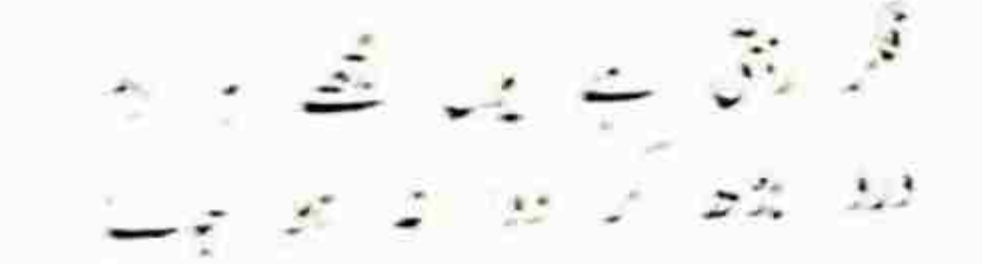
• • •



•••



•••



•••

غزل خوانی میں ہوں پیرائے اظہار سے نیرنگ
یہ افسانے تو دُہرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

•••

گامزن ہوتا ہوں جب شیخ حرم کی جانب
ہر قدم پر مجھے بُت خانہ نظر آتا ہے

•••

شبِ فرقت میں ملا غم کا سہارا مجھ کو
دیدۂ شوق میں برسات کہاں تھی پہلے

•••

نہیں معلوم کیوں کر ہوں، کہاں ہوں، کون ہوں نیرنگ
میں جس کے پاس آیا ہوں وہ پہچانے تو اچھا ہے

•••

کبھی کبھی اتفاقِ پیشہ روزہ اور بھی کرے
کہ زندگی کو بھی مجھ سے بہت سے کام ہوتے ہیں

• • •

مری خموشی سے کسی کا مقابلہ کیا ہے
ہوں مثلِ بسملِ قفس میں بھی آشیاں کی طرح

• • •

ہے شاعر کا سارا خشک ہوتا ہے ہر اس میں
نہیں ہوتی ہے جا کر پختہ کاشتِ سخن برسوں

• • •

سبھی پہچان ہنر مند کی ہوتی ہے ندیم
وہ زمانے میں ہوا کرتے ہیں نادار بہت

• • •

آبرو، صحت و خود داری و شکلِ انساں
غرض ہر چیز بگڑ جاتی ہے تقدیر کے ساتھ

• • •

کس بات کی نیرنگ ہے کمی جب کہ خدا نے
بخشی ہے تجھے دولتِ ایمان زیادہ

• • •

عنادل کی طرح آہ و فغاں جب تک نہ ہو نیرنگ
رُموزِ گل سے تو ہرگز شناسا ہو نہیں سکتا

• • •

حریمِ عشق میں خاموش ہیں صدائیں بھی
نماز ہوتی ہے لیکن اذاں نہیں ہوتی

• • •

بہا نہ اَشک مآل شباب پر نیرنگؔ
چمن ہے کون سا جس میں خزاں نہیں ہوتی

• • •

مرا ذوقِ تمنا خود مِری منزل کا جویا ہے
بلا سے کوئی میرِ کارواں باقی نہ رہ جائے

• • •

اے تہی دست مَیں تیری طرح نادار نہیں
میرے ورثے میں ہے باقی غمِ جاناں اب تک

• • •

یُوں تو ہر چیز زمانے میں گراں ہے لیکن
ایک انساں ہے جو قیمت میں ہے ارزاں اب تک

• • •

دانے دانے کو ترس کر جس نے دُنیا چھوڑ دی
پھر کوئی اُس کی بنانے یادگار آیا تو کیا

• • •

عِشق اللہ کی رحمت کا نشاں ہوتا ہے
سب کی قِسمت میں یہ اعزاز کہاں ہوتا ہے

• • •

عُمر پر کچھ نہیں موقوف جوانی کی بہار
وہ جواں ہوتا ہے دِل جس کا جواں ہوتا ہے

•••

ہو نہ سجدوں کی تڑپ جس میں وہ پیشانی کہاں
دِل کسی پر جب نہ قرباں ہو تو قربانی کہاں

•••

کعبے میں نہ بُت خانے میں نے کُوئے بتاں میں
تسکین کی صورت نظر آئی نہ جہاں میں

•••

کیوں نہ اے نیرنگؔ میں خود خادم الشعرا کہوں
اِن سے ہی تو میں شناسائے زباں ہوتا گیا

•••

پارسائی کی شرائط پیرِ میخانہ سے پوچھ
ترکِ خورُد و نوش سے تو پارسا ہوتا نہیں

•••

دارِ منصور چہے یوسف و جُوئے فرہاد
عشق کی راہ میں حائل نہیں ہونے پاتے

•••

دَورِ حاضر کی سیاست ہے زبانوں کا فساد
کیا مسائل ہیں کہ جو حَل نہیں ہونے پاتے

•••

یوں تو ہے ساری زندگی کی زندگی غزل
دِل ہے اگر مکان تو ہے روشنی غزل

•••

وفا شعار جو کل تک حبیب کہلائے
وہ پوچھتے ہیں کہ تو کون ہے کہاں کا ہے

•••

خدا کرے کہ نہ سمجھے کوئی سیاست کو
کہیں ہے جھگڑا زمین کا کہیں زباں کا ہے

•••

ہزار افسوس ہے ایسی زمیں پر حضرتِ نیرنگؔ
جہاں مجبوریوں میں شاعرِ خود دار بکتے ہیں

•••

یوں تو ہے ساری زندگی کی زندگی غزل
کس درجہ مجھ کو تجھ سے ہے وابستگی غزل (نیرنگؔ)

نند لال نیرنگؔ غزل کے شاعر ہیں، غزل ان کی حدیثِ دل ہے جس میں وہ اپنی رودادِ زندگانی اور مشاہداتِ کائنات عمدہ طریقے سے بیان کر سکتے ہیں۔ کسی شاعر نے غزل کے بارے میں سچ کہا ہے کہ

غزل میں ذات بھی ہے اور کائنات بھی ہے
ہماری بات بھی ہے اور تمہاری بات بھی ہے

یعنی یوں کہہ سکتے ہیں کہ ع: جو سنتا ہے اُسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے، مگر غزل کہنا آسان نہیں کیوں کہ بقول عمدہ غزل گو شاعر فراقؔ گورکھ پوری صرف حاصل خیز پختہ مطلب و متن ہی غزل کی آن بان جان اور پہچان ہے یعنی اس میں کوئی چیز سوائے خام مضمون و مطلب و بیان کے خام نہیں ہو سکتا۔ شاید اسی لیے یہ بھی کہا گیا کہ ع: غزل اربابِ فن کی آزمایش ہے۔

غالبؔ نے غزل کی تنگ دامنی کا شکوہ کیا جو ان ہی کو جچتا ہے، ان کے مطالب اور تخیل کے بیان کو غزل کا ساغر کافی نہ تھا، غالبؔ نے بالکل صحیح کہا تھا کہ ع: ''کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے'' لیکن کسی مغلوب شاعر نے کچھ اور سمجھ کر کچھ اس طرح سے کہا کہ معنی اس کے کچھ اور ہو گئے ؎

غزل اور تنگ دامانی کا شکوہ
سلیقہ ہو تو گنجایش بہت ہے

غزل پر ایک طرف گردن ''ذ دنی کا حکم'' دوسری طرف نیم وحشی صنف کا الزام تو تیسری طرف اُردو شاعری کی آبرو کا اس کے سر پر تاج رکھنے کی ہدایت، غرض آج کے گلوبل ویلج اور اکیسویں صدی میں بھی نظم کے گلزار میں غزل کا خاص چمن ہے جس پر بلبل چہک رہے ہیں اور انہی بلبلوں میں نیرنگؔ سرحدی بھی نغمہ سرائی میں مشغول رہے۔ غزل کی جان تخیل ہے جو ہر اچھے شاعر کی پہچان ہے اسی لیے نیرنگؔ سرحدی ایک عمدہ غزل کے شاعر ہوتے بھی منفرد قطعہ نگار، مثنوی نویس اور خوب صورت نظموں کے خالق بھی ہیں۔

ہمارے اس کلیات میں نیرنگؔ سرحدی کی ڈیڑھ سو سے زیادہ غزلیں شامل ہیں۔ نیرنگؔ اُردو اور فارسی میں غزلیں کہتے تھے۔ عموماً ان کی غزلیں چھوٹی یا متوسطہ بحر میں ہوتی ہیں مگر بعض غزلیں طولانی بحر میں بھی ہیں۔ وہ قافیہ پیمائی نہیں کرتے تھے اور ان کی غزلیں کم از کم پانچ شعر اور زیادہ سے زیادہ گیارہ بارہ شعر کی ہوتی ہیں۔ ان کی غزلیں زیادہ تر ردیف دار یعنی مردّف ہوتی ہیں اور مقطع میں تخلص عموماً ہوتا ہے۔ ان کی غزل سلیس، سادہ، ہوتے ہوئے بھی فارسی، عربی الفاظ کے جاہ و حشم سے مزین رہتی ہیں۔ نیرنگؔ کی نظموں اور قطعوں میں اگر واقعہ نگاری، منظر کشی اور بیانیہ اپج کی جلوہ گری ہے تو ان کی غزلوں میں داخلیت جذبات نگاری اور زبان برتنے کی ہنر مندی اپنے عروج پر ہے۔ نیرنگؔ چوں کہ فارسی کے معلّم اور قادر اللکلام شاعر تھے۔ عربی، ہندی، پنجابی، سنسکرت اور انگریزی سے واقف تھے۔ اس لیے تخیل کو قرطاس کے جامعہ میں پیش کرنا ان کے لیے مشکل کام نہ تھا۔ نیرنگؔ کا مطالعہ وسیع، دقیق مشاہدہ، اور منفرد انداز بیان نے مل کر غزل کو عام غزل گویوں سے علاحدہ رنگ دیا جس کی زبان ٹکسال باہر نہ تھی۔ یہ سچ ہے کہ چراغ سے چراغ چلتا ہے، دُنیا میں باتیں دھرائی جاتی ہیں، اس کے باوجود نیرنگؔ کی غزل کی انفرادیت اور اس کا تیکھا پن جس میں طنز و مزاح کی چاشنی بھی موجود ہوتی ہے غزل کو پر اثر بنا دیتی ہے۔

نیرنگؔ سرحدی کی ایک مشہور آٹھ شعر کی مردّف غزل ہے جس کا مطلع ہے ؎

چمن میں تو نے مجھ کو آشیانہ کس لیے بخشا
کسی قابل نہ تھا تو آب و دانہ کس لیے بخشا

غزل استفہامیہ یا سوالیہ لہجے میں ہے اور سوال اپنے مالک اور خالق سے ہے۔ اس میں زندگی کے مسائل اور روزانہ پیش آنے والے واقعات کا نقشہ نظر آتا ہے۔ اگرچہ ہر شعر اکائی ہے لیکن اس میں شاعر کی تمام زندگی منعکس ہے۔ اس غزل میں شاعر کی آپ بیتی اور کئی زاویوں سے دوسرے ہنرمندوں کی زندگی کے رخ نظر آتے ہیں۔ یہ رومانی، حُسن پرور شاعر، جو بلند پرواز اور عالم ہے، جسے ایسے مقام پر رکھا گیا ہے جہاں وہ گمنام ہے تو لوگوں کو اس کی قدر و منزلت کا پتہ نہیں اسی لیے شاعر پوچھ رہا ہے کہ یہ شاعری کی سعادت جو بازو کے زور سے نہیں بلکہ عرش سے حاصل ہوتی ہے تو ع: ''شاعر بنا کہ کیوں میری مٹی خراب کی'' یہ خوب صورت غزل کے چار پانچ شعر جو خود سوال کے ساتھ ہیں سنیے۔

چمن میں تُو نے مجھ کو آشیانہ کس لیے بخشا
کسی قابل نہ تھا تو آب و دانہ کس لیے بخشا

محبت کی ہے میں نے اعترافِ جُرم کرتا ہوں
گُناہ تھا تو مزاجِ عاشقانہ کس لیے بخشا

نصیبوں میں اگر میرے تھا پَستی کا مکیں ہونا
گرم سے اپنے جذبِ طائرِانہ کس کا بخشا

اگر گُمنام رہنے کی مجھے تلقین تھی یارَب
مِرے اظہار کو ذوقِ ترانہ کس لیے بخشا

اگر تذلیل تھی مقصود میری تیری دُنیا میں
تو عِلم و فن کا مجھ کو یہ خزانہ کس لیے بخشا

میرے جذبات جب دیتے ہیں پیغامِ بقا سب کو
مجھے ناقدرداں تُو نے زمانہ کس لیے بخشا

زباں بندی کا میرے واسطے گر حُکم تھا نیرنگؔ
تو مجھ کو پھر مذاقِ شاعرانہ کس لیے بخشا

نیرنگؔ سرحدی جیسے باذوق شاعر کو ریواڑی جیسا مقام ملا جہاں اُردو شاعری کے قدرداں کم تھے۔ بات یہ ہے کہ مشیت کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں۔ اگرچہ نیرنگؔ کو اپنی زندگی میں اپنے مقام پر اپنے دور میں وہ شاعری میں مقام نہیں ملا جس کے وہ مستحق تھے لیکن شاید قدرت کو یہ منظور تھا کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے کام کی تشہیر کی جائے چناں چہ آج تقریباً پچاس سال بعد تمام اُردو دُنیا میں ان کا کلام پہنچ رہا ہے جو ان کو عمر جاوید انی دے گا۔

میر تقی میرؔ سے نہیں بلکہ ولیؔ دکنی سے آج تک اُردو شعریت میں ''آہستہ آہستہ'' کی ردیف میں غزلیں موجود ہیں۔ تقریباً ہر بڑے شاعر نے بھی اس بحر اور اسی ردیف میں زور آزمائی کی ہے۔ نیرنگؔ نے بھی گیارہ شعر کی غزل لکھی اس کے دو شعر یہ ہیں۔

نہ گھبرا گر مُقدّر میں اگر تاخیر ہو جائے
بدلتا ہے سَدا دَورِ زماں آہستہ آہستہ

ہجومِ غم میں اکثر مُسکرا کر بات کرتا ہوں
کسی پر ہو نہ رازِ دل عیاں آہستہ آہستہ

نیرنگؔ سرحدی نے جیسے کہا ہے کہ ان کی شاعری پر قدیم شعرا اور اساتذہ کا اثر ہے اگر چہ کہ وہ مقلد نہیں۔ ان مصرعوں میں زبان دیکھئے۔

ع : نکالا چاہتے ہو بزم سے اچھا خدا حافظ

ع : اگر اُس کی رضا مدِ نظر ہو حضرت نیرنگؔ

اسی غزل کے اس شعر میں صنعتِ اشتقاق اور صنعتِ مراعات النظیر سے محفوظ ہوتے ہوئے شعر میں بات برتنے کا انداز بھی ملاحظہ کریں۔

صنعت اشتقاق = نہ جانے، جانے والے

صنعت مراعاتِ النظیر = در، منزل، کارواں، روانہ، پہنچیں گے۔

؎ نہ جانے، جانے والے کب در منزل پہ پہنچیں گے
روانہ ہو رہے ہیں کارواں آہستہ آہستہ

نیرنگؔ اگر چہ سکولر، ترقی پسند ذہنیت کے تخلیق کار تھے لیکن وہ وحدتِ پروردگار میں یقین رکھتے تھے وہ بھگتی کی محبت اور عشق کے مسائل سے نہ صرف واقف تھے بلکہ جو اس کا عرفان تھا اس کے وہ یوگی بھی تھے۔ ان کے بعض عشقی شعروں میں عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی کی خوشبو محسوس کر سکتے ہیں۔

عِشق کی راہ میں ایسے بھی مقام آتے ہیں
نہ جہاں قید سے نے دام سے ڈر لگتا ہے

اپنے واجدان کی روشنی میں اپنا محاسبہ کرنے والا، اپنے نفس امارہ سے لڑنے والا اپنے گزرے ہوئے پر توبہ کرنے والا بڑا دلیر ہوتا ہے۔ ان خصوصیات کی جھلک مقطع میں دیکھیں ؎

جب نظر پڑتی ہے اَعمال پہ اپنے نیرنگؔ
مجھ کو گُزرے ہوئے ایّام سے ڈر لگتا ہے

نیرنگؔ کی غزل میں فطری رچاؤ اور بساؤ ہے اس میں الفاظ فطری طور پر کچھ مصرعوں میں ایسے کھپ جاتے ہیں کہ ان کی ساخت اور معنی آفرینی پر سہل ممتنع کا گماں

ہونے لگتا ہے۔ صنعتِ تضاد اور سلیس سادگی کو دیکھیں ؎

کسی نامہرباں کو مہرباں ہم کہہ نہیں سکتے
قفس سونے کا بھی ہو آشیاں ہم کہہ نہیں سکتے

صنعت تضاد= نامہرباں-مہرباں، قفس-آشیاں

نہ جانے کیا اَثر ہوتا ہے ہم پر اُن کی محفل میں
یہاں کہتے ہیں ہم جو کچھ وہاں ہم کہہ نہیں سکتے

جس پانچ شعر کی مردّف غزل کی مشکل ردیف ''ہم کہہ نہیں سکتے'' میں جو چھوٹی بحر میں نیرنگؔ نے گل کھلائے ہیں اس میں مقطع میں ایک اضافت کے علاوہ کوئی ترکیب یا تلمیح سے استفادہ نہیں۔ نیرنگؔ جہاں موقع ہوتا ہے اپنی اُردو محبّت اور اس کے ساتھ ہونے والا معاندانہ برتاؤ پر دلیل دے کر احتجاج بھی کرتے ہیں۔

زیادہ اس سے توہینِ اَدب کیا ہوگی اے نیرنگؔ
بزرگوں کی زباں کو بھی زباں ہم کہہ نہیں سکتے

نیرنگؔ کی غزل نگاری میں تضاد اور تکرار نمایاں ہیں۔ نیرنگؔ بعض فارسی الفاظ، فارسی معنی میں استعمال کرتے ہیں، جیسے ذیل کے شعر میں تمیز ظاہر و باطن یعنی ظاہر اور باطن میں فرق کرنا۔ نیرنگؔ شاعری میں اعلان نون بھی جائز سمجھتے ہیں۔ جیسے ظاہر و باطن نیرنگؔ نے اساتذہ سے الفاظ کو معنی خیز بنانے کے لیے ''ی'' کا استعمال سیکھا ہے۔

تمیزِ ظاہر و باطن میں کس طرح کرتا
کسی سے دشمنی کی ہے نہ دوستی میں نے

صنعت تضاد= ظاہر-باطن، دوستی-دشمنی، ہے-نہ

غمِ حیات سے فارغ ہوں اس لیے نیرنگؔ
غمی کو سمجھا نہیں ہے کبھی غمی میں نے

اس شعر میں غم سے غمی تکرار، نہیں اور ہے کی تضاد شعر کو سنوار رہے ہیں، اگر

اُردو غزل میں چھوٹی بحر، جس کی منفی ردیف ''نہیں کہتے'' میں کہنے کا انداز، تکرار اور تضاد کے ساتھ دیکھنا ہو تو نیرنگ کی یہ آٹھ شعر کی غزل ضرور پڑھیے۔

مطلع اور مقطع دیکھیں ؎

نا روا کو روا نہیں کہتے
ہم صنم کو خدا نہیں کہتے
شعر جب تک نہ شعر ہو نیرنگ
ہم کبھی مرحبا نہیں کہتے

صنعت تضاد و تکرار = ناروا - روا، شعر - شعر، نہ - ہو

اشعار خود معنی بتا رہے ہیں۔ مقطع میں شعر کو شعر کہنے کے لیے شعر میں کیا شعری لوازمات اور بالیدگی کی ضرورت ہے، شاعر نے سہل ممتنع میں نہیں کہہ کر۔ ایک لفظ مرحبا میں شعر کی تحسین کا حق ادا کر دیا۔

؎ : آزماتے ہیں ایک بار جسے
ہم اُسے بارہا نہیں کہتے
ہم تو ہر بات پر ہیں چپ لیکن
آپ کہیے کہ کیا نہیں کہتے

؎ : وہی سب سے بھلے ہیں دُنیا میں
جو کسی کو بُرا نہیں کہتے

نفسیات، اخلاقیات، رفتار و کردار یہ سب قدریں زندگی کی قیمتی اور انسان کی شناختی قدریں ہیں۔ شاعری، شاعر کی فکر کا آئینہ ہے۔ اگر ہم نیرنگ شناسی چاہتے ہیں تو اشعار کی روشنی میں ان کے اقدامات اور ان کے کلام کا مطالعہ کریں۔ غزل کے کارواں میں ہر شعر ایک مسافر کی طرح آپ اپنا تعارف ہے۔ گفتگو روزمرہ میں ہے جس کی نثر کیا ہو سکے جو خود نثری فقروں کے مانند ہیں۔ مصرعوں کے الفاظ کو چپ سے کہنے میں، بھلے کو بُرا سے جدا کرنے میں ایسا استعمال کیا گیا ہے کہ مصرعوں کی روانی بہتا

ہوا پانی معلوم ہوتا ہے اور یہ عمدہ شاعری کی شناخت ہے۔

نیرنگ سرحدی کی چھوٹی بحر میں ''کے بعد'' کی ردیف میں لکھی گئی اس غزل کے بعض مصرعوں کی خصوصیت ان کی نغمگی ہے جو تکرار اور قافیہ دار الفاظ کی وجہ سے بڑھ گئی ہے۔ مطلع میں ہمیں میری، زندگی، ہوگی، کبھی روشنی کے ساتھ ساتھ میری، مری اور روشنی کی تکرار بھی ہے۔

؎ : آئے گی میری یاد مری زندگی کے بعد
ہوگی نہ روشنی کبھی اس روشنی کے بعد

نیرنگ کی زندگی فلک کی زیادتیوں کا نشانہ رہی انھیں یہ بھی تشویش تھی کہ جو شاعری ان کی زندگی کا مقصد تھی اس کا حشر ان کے بعد کیا ہوگا۔

؎ : مجھ کو ستم سے چرخ کے ہرگز گلہ نہیں
جانے گا مجھ کو وہ بھی مری دشمنی کے بعد

ع : آتی ہے یاد آدمی کی آدمی کے بعد

؎ : نیرنگ شاعری تھا مرا مقصدِ حیات
معلوم کیا ہو حال مرا شاعری کے بعد

ایک فارسی کا شاعر کہتا ہے یہ وسواس نہ کر کہ جب تو مر جائے گا دُنیا بھی تمام ہو جائے گی ہم نے دیکھا ہے ہزاروں شمعیں جل کر راکھ ہو گئیں لیکن دُنیا کی محفل جاری ہے۔

گماں مبر کہ تو بگذری جہاں بگزرو
ہزار شمع راکشتن ہنوز محفل باقیست

نیرنگ کہتے ہیں ؎

وہ حال ہوگا بزم جہاں کا مرے بغیر
ہوتا ہے رنگ بزم کا جو برہمی کے بعد

نیرنگ کی غزلوں میں دو تین شعر بڑے عمدہ ہوتے ہیں جن کی معنی آفرینی ان

اشعار کو بڑی شاعری میں شمار کرواتی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہ کثیر مطالعہ اور مشاق شاعر تھے جس کی بدولت ان کے اشعار میں گہرائی کے ساتھ گیرائی بھی ہے۔ ذیل کے دو شعر دیکھئے کس خوب صورتی اور آسانی سے کس قدر مشکل مضمون کو باندھا ہے۔

وہی آوازِ حقیقت ہے جو دِل سے نکلے
لَب سے نِکلی ہوئی آواز تو آواز نہیں

عرش سے دُور اگر تیری تگ و تاز نہیں
تُو تو گنجشکِ فر و مایہ ہے شہباز نہیں

دوسرے شعر پر اقبالؔ کا گہرا اثر ہے۔ انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ زمان، مکان توڑ کر باہر جا سکتا ہے اس کے ''سلطان'' یعنی عشق کی ضرورت ہے۔ شہباز یعنی عقاب بلند پرواز ہے لیکن چڑیا ادنیٰ سا پرندہ ہے جس کی پرواز بلند نہیں۔ نیرنگؔ استعاروں میں شعر کے معنی روشن کر رہے ہیں۔

میر انیسؔ نے کہا تھا

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروجِ مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

نیرنگؔ سرحدی نے ایک پانچ شعر کی مردّف غزل میں تین شعر میں اسی مضمون کو خوب صورت حُسن تعلیل کی صنعتوں میں پیش کیا۔ کہتے ہیں دُنیا کے چمن میں کوئی بھی آرام سے بسر نہیں کرتا، خوب صورت پھول بھی گریباں چاک کیے کھڑا تھا۔ کہتے ہیں بلندی پر بھی جا کر کوئی خوش نہ تھا ہم نے بلندی پر بادل کو بھی آنسوؤں سے روتے دیکھا۔ کس سے قسمت اور تقدیر کا شکوہ کریں، سب ہماری ہی طرح پریشان تھے۔ ان مطالب کو کس خوب صورتی، چستی اور فنی دلکشی کے ساتھ شاعر نے پیش کیا ہے۔

چمنِ دَہر میں آسُودہ نہیں ہے کوئی
گُلِ خوش رنگ کو بھی چاکِ گریباں دیکھا

نہیں مُمکن کہ بلندی پہ بھی راحت ہو نصیب
ہم نے اس اَوج پہ بادل کو بھی گریاں دیکھا

کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجیے
ہم نے اپنی ہی طرح سب کو پریشاں دیکھا

نیرنگؔ کی ایک گیارہ اشعار کی غزل میں عرفانیت کی جھلک تقریباً تمام شعروں سے چھلک رہی ہے۔ الفاظ کا دروبست مجازی اور حقیقی عشق کے درمیان گل کاری کر رہا ہے۔ شاعر مطمئن ہے اُسے غم روزگار شکست نہ دے سکے کیوں کہ اس کی جبین ایک ایسے آستانہ پر رکھی ہوئی ہے جہاں ناامیدی نہیں ہے۔ اشعار میں تسکین اور اطمینان کا لہجہ ملاحظہ ہو۔

کیا غم جو بند ہوگئے دَر ہائے زندگی
رَحمت کا دَر کُھلا ہوا شام و سحر تو ہے (تضاد: بند-کھلا، شام-سحر)

یہ اور بات ہے کہ زباں سے نہ کچھ کہوں
اظہارِ رازِ دِل کے لیے چشم تَر تو ہے

جب تک نہ ایک دیر و حرم کا ہو فیصلہ
میری جبیں ہے اور تیرا سنگِ دَر تو ہے

آخری شعر میں صنعتِ مراعات النظیر کی وسعت ملاحظہ ہو۔ (دیر، حرم، جبین، سنگِ در وغیرہ) نیرنگؔ کی غزل کی کامیابی کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ مضمون کو عروج پر پہنچا کر ایسی ضرب پر تمام کرتے ہیں کہ یہ اثر رکھے بغیر ختم ہوا امکان پذیر نہیں۔ شاعر کہہ رہا ہے کہ دُنیا میں فطرت کا جوش اور ہر پتہ میں پروردگار کی صناعی، تمام مخلوقات میں خالق کی جھلک دیکھ رہا ہے لیکن اس کے ساتھ اشرف المخلوق انسانوں میں بڑے فرق اور

تفریق کے مناظر، کہیں عیش وطرب تو کہیں ماتم وغم، کہیں خلوت تو کہیں جلوت، کہیں پُرخوری تو کہیں بھوک کی شدت دیکھ رہا ہے لیکن آخر سب کو ایک ہی سطح پر زمین کے نیچے دیکھ رہا ہے۔

رقصاں ہیں کہیں عیش وطرب شوق سے باہم
برپا کسی جا ماتم و غم دیکھ رہا ہوں

جَلوت ہے گراں بار کِسی جانِ حزیں پر
خلوت میں کہیں لُطفِ اِرم دیکھ رہا ہوں

سب کچھ ہے بجا دیکھ مگر حضرتِ نیرنگؔ
میں زیرِ زمیں سب کو بہم دیکھ رہا ہوں

نیرنگؔ قادر اللکلام اور کہنہ مشق شاعر ہے اور وہ اسی لیے ڈیڑھ سو سے زیادہ غزلیات میں فن کی پختگی کے ساتھ ہنرنمائی بھی کرتے ہیں اگرچہ ان کی رغبت چھوٹی بحر جو مترنم اور مردّف یعنی ردیف کی حامل بھی ہو۔ یہ ہم سب جانتے ہیں ردیف مصرعے کے غنائی اثر کو بڑھا دیتی ہے۔ شاعر نے غزل میں خوب صورت تجربات کر کے غزل کے مزاج کو سمجھنے اور سمجھانے کی بھی کوشش کی ہے۔ ذیل میں ان کی آٹھ شعر کی چھوٹی بحر میں غزل کے مصرعوں کو دیکھئے جن میں صرف ایک لفظ قافیہ ہے اور باقی پوری ردیف۔

خاکساروں کو ہوش آجائے
شہریاروں کو ہوش آجائے

تیری مژگان کے تصور سے
خارزاروں کو ہوش آجائے

محوِ گریہ اگر مجھے دیکھیں
آبشاروں کو ہوش آجائے

اسی طرح سے دولفظ کا ترکیبی یا مجموعی لفظ قافیہ میں رکھ کر دلکش معنی آفرینی بھی کرتے ہیں۔ جوایک کامیاب غزل گو کا ادنی سا کرشمہ ہے۔

گر پلا دے تو چشمِ میگوں سے
بادہ خواروں کو ہوش آجائے

صحنِ گلشن میں تیرے آنے پر
نُو بہاروں کو ہوش آجائے

تُو ہٹا دے نقاب چہرے سے
چاند تاروں کو ہوش آجائے

یہاں ردیف کا کمال یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے الفاظ مختلف موضوعات میں مختلف رنگوں کی دھنک سے مصرعہ کو رنگین تر بنا دیتے ہیں۔ نیرنگ سرحدی چوں کہ اُردو تہذیب کے علم بردار تھے وہ فارسی اور اُردو شاعری کے نباض بھی تھے انھوں نے نہ صرف تلمیحات اصطلاحات اور مذہبی نکات کو عمدہ طور پر اپنی شاعری میں برتا بلکہ انھیں استعارے اور علامات کا رنگ بھی دیا۔ نیرنگ کی شاعری اور بخصوص غزل میں مسجد و مندر، اذان و ناقوس، کلاہ و زنار، قرآن و گیتا، حرم و دیر، کعبہ و بت کدہ، تسبیح و سمرن اور مختلف تصوف اور بھکتی کی شاعری کے عوام کی گفتگو عقیدتی تناظر اور بعض وقت طنز و مزاح کے چٹ خارے کے ساتھ ملتے ہیں۔ اس تمام نکات کے بیان کے لیے ہمارے پاس اس مضمون میں گنجائش نہیں، شاید آیندہ اسکالرس اس پر تحقیقی اور تنقیدی کام کریں گے۔ یہاں دو تین عمدہ شعر جدید مضمون کے ساتھ رقم کرتے ہیں۔

جب نماز آئی تو دُنیا میں مساوات آئی
اَہلِ عالم میں مساوات کہاں تھی پہلے

حریمِ عشق میں خاموش ہیں صدائیں بھی
نماز ہوتی ہے لیکن اذاں نہیں ہوتی

کعبے میں نہ بُت خانے میں نے کُوئے بتاں میں
تسکین کی صورت نظر آئی نہ جہاں میں

دارِ منصور چہے یوسف و جُوئے فرہاد
عشق کی راہ میں حائل نہیں ہونے پاتے

تگ و دو آج بھی انسان کی باغِ جناں تک ہے
ہوا رُسوا جہاں آدم نظر اُس کی وہاں تک ہے

رُوحِ نیرنگؔ مذہبوں کی قید سے آزاد ہے
واسطہ اُس کو نہیں ہے کفر اور اسلام سے

پسِ حیات یہی شعر ہوں گے اَے نیرنگؔ
علاوہ اِس کی تری یادگار کیا ہوگی

نیرنگؔ سرحدی نے خود اپنی شاعری پر ریویو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''شاعر جو کچھ قلم بند کرتا ہے وہ تخلیق اُس کے دلی جذبات کی آئینہ ہوتی ہے۔ اُس پر حوادث کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے اُس کے دل کا ظرف اپنے آپ چھلک جاتا ہے۔ شاعر اُس

وقت ان جذبات کو روکنا بھی چاہے تو وہ رک نہیں سکتے۔ میری شاعری بھی انھیں جذبات کا مرقع اور مجموعہ ہے۔''

نیرنگؔ کے مختلف منظومات کو قصاید کی صف میں رکھ سکتے ہیں جس میں کسی قسم کی لالچ یا شہرت کی ضمانت نہیں بلکہ ان عمدہ لوگوں کی تعریف و تمجید ہوتی ہے جو نیک، خدا کار، جانثار، محبِّ قوم و ملّت افراد ہوتے ہیں جن کا شکریہ ادا نہ کرنا انصاف نہیں۔ اسی طرح بعض منظومات میں مراثی کی شکل میں ان کی خدمات کا اعتراف اور ان کے گزر جانے کا غم رقم کیا گیا ہے۔ کئی عمدہ نظمیں حب الوطنی اور برگزیدہ ہستیوں کے متعلق ہیں۔ نیرنگؔ سرحدی اُردو زبان و ادب کے سچے عاشق تھے۔ وہ نہ صرف اُردو فارسی کے معلّم تھے بلکہ وہ اُردو کو برصغیر کی اعلیٰ زبانوں کی صف میں دیکھنا بھی چاہتے تھے، چناں چہ تقسیم ہند کے بعد جو غصّہ اُردو پر نکالا جا رہا تھا وہ اس کے سخت مخالف تھے انھوں نے کئی اشعار مختلف ہستیوں پر اُردو کی حمایت میں لکھے شاید ہی اُردو کا کوئی دوسرا شاعر اُن کی طرح کھل کر وہ مطالب بیان کرے جو نیرنگؔ نے لکھے ہیں۔ نظم ہو کہ مثنوی، قطعات ہوں کہ غزلیات اور رباعیات اس موضوع پر نیرنگؔ کے حسّاس اور آبدار اشعار ان کی یادگار ہیں جسے ہم نے اس کلیات میں کئی عناویں کے تحت پیش بھی کیا ہے۔

جہاں تک غزل کا تعلق ہے ان کے کلام میں جدید اور قدیم غزل کے نمونے نظر آتے ہیں ہم اس تحریر میں غزل ہی کے اشعار سے مطالب، مباحث اور حوالے پیش کریں گے۔

نیرنگؔ کہتے ہیں ؎

جدید رنگ میں لکھتا ہوں اب غزل نیرنگؔ
قدیم رنگ ہو جب ناگوار کیا کہیے

ایک اور غزل میں اس طرف تاکید کرتے ہیں۔

غزل خوانی میں ہوں پیدا نئے انداز اے نیرنگؔ
یہ افسانے تو دہرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

جدید انداز اس لیے بھی وقت کی ضرورت تھی اور آج بھی ہے کہ فرقہ واریت، سرمایہ داری جو کلاسیک یا قدیم غزلوں میں نہیں تھی یا خال خال تھی اُس کی آج کے دور میں سخت ضرورت ہے۔

نیرنگؔ نے اسی مضمون کی عکاسی یہاں کی ہے۔

فرقہ واروں کی یہ بستی ہے جسے دُنیا کہیں
کاش رہتا مَیں اِسی بستی میں اِنسانوں کے ساتھ

کیا ہوئی یہ زندگی کی اِک سنہری یاد ہے
دِن گزرتے تھے اپنے سرحدؔی خانوں کے ساتھ

کیا کہوں تھی کِس قدر اپنی حَسیں وہ زندگی
دِن بسر ہوتے تھے اپنے جب سخن دانوں کے ساتھ

غزل میں داخلیت کے ساتھ خارجی مشاہدے کو ملا کر جو جذبات کے رنگ پیدا کیے جاتے ہیں ان کا اثر شدید رہتا ہے۔ شاعر ایک دوسرے غزل میں مساوات، بھائی چارگی اور مختلف دھرموں میں اتحاد اور محبّت کا پرچار کرتا نظر آرہا ہے وہ دراصل جدید موضوعات سے غزل کو آشنا کر رہا ہے۔ ذیل کے تین شعر سینے۔

ناقوس کی آواز میں اور شورِ اذاں میں
کچھ فرق نہیں دُونو کے اندازِ بیاں میں

کعبے میں نہ بُت خانے میں نے کُوئے بتاں میں
تسکین کی صورت نظر آئی نہ جہاں میں

طے ہو نہ سکا شیخ و برہمن میں ابھی تک
تو کعبے میں ملتا ہے کہ تصویرِ بتاں میں

شاعر نے جو شیخ و برہمن، حرم و بت کدہ، اذان اور ناقوس کی ظاہری جداگانہ شکل و کیفیت کو اندورانی یک جہتی سے بتانے کی کوشش میں جو مضمون بندی کی ہے وہ بھی جدید غزل کا تقاضہ ہے۔

نیرنگؔ فراقؔ گورکھپوری کے مصرعے ع: ''قافلے آتے گئے ہندوستاں بنتا گیا'' کی طرح بھارت کی سرزمین کے متعلق لکھتے ہیں۔

تکلف کیا چلا آئے یہاں پر جس کا جی چاہے
یہ وہ گھر ہے جہاں غیروں کو بھی مہمان کرتے ہیں

اور پھر رواداری کے ذیل کہتے ہیں

یہ ہے وہ سرزمیں جس میں روا داریٔ مذہب ہے
برابر احترام گیتا و قرآن کرتے ہیں

پھر زمین اور زبان کے بارے میں کہتے ہیں۔

خدا کرے کہ نہ سمجھے کوئی سیاست کو
کہیں ہے جھگڑا زمیں کا کہیں زباں کا ہے

نیرنگؔ نے ہر جگہ حق گفتاری کی ہے اور وہ اسے شاعر کا فریضہ تلقین کرتے ہیں اسی لیے یہ سوال بھی کرتے ہیں ؎

کوئی کہدے زباں رکھنے کا منہ میں فایدہ کیا ہے
کسی کے سامنے جب داستاں ہم کہہ نہیں سکتے

نیرنگؔ کی تمام زندگی مادّی اور مالی مشکلات میں کٹی لیکن انھوں نے زندگی میں ہار نہ مانی کبھی اپنے قلم کو نہیں بیچا جب کہ ان کی نظر میں دیش میں قلم کاروں، تخلیق کاروں کو خریدا جارہا تھا، کیوں کہ وہ غریب تھے۔ اسی لیے نیرنگؔ نے ان ہنرمندوں کی شناخت میں بتایا تھا۔

ے : یہی پہچان ہنرمند کی ہوتی ہے ندیم
وہ زمانے میں ہوا کرتے ہیں نادار بہت

ے : ہزار افسوس ہے ایسی زمیں پر حضرت نیرنگ
جہاں مجبوریوں میں شاعر خود دار بکتے ہیں

نیرنگ سرحدی نے انتقال سے تین چار سال قبل ایک غزل اٹھارا جولائی 1970ء کو چھے اشعار کی لکھ کر مقطع میں کہا کہ شاید یہ ان کی زندگی کی آخری غزل ہے ع: ''نیرنگ نہ ہو یہ زندگی کی آخری غزل'' اسی غزل کے پہلے مصرعے کو ہم نے اس مضمون کا سرنامۂ سخن بھی بنایا ہے۔ ہم اس تحریر کو ان کے دو شعروں پر تمام کرتے ہیں جس میں انھوں نے اپنی زندگی، بندگی، سازندگی واماندگی، کی روشنی بھر دی ہے جو ان کی شاعری کے چراغ کی تابندگی کی وجہ سے ہے۔

جاؤں کہاں کہاں میں عبادت کے واسطے
دل کا حرم ہے اور مری بندگی غزل
چھیڑا ہے میں نے سازِ محبت کے تار کو
نکلی ہے اس کی لیے سے محبت بھری غزل

نیرنگؔ کی سہرا اور وداع نگاری

ہمیں نہیں معلوم کہ نیرنگؔ سرحدی نے کتنے سہرے اور وداع کی نظمیں لکھیں۔ ان کی بیاضوں سے دستیاب منظومات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ایک درجن لکھے ہوئے سہرے اور ایک عدد وداع ان کی بیاضوں میں محفوظ ہو گئے۔

- نیرنگؔ سرحدی نے ایک مختصر تاریخی تحقیقی تحریر سہرا پر لکھی جو اس کلیات کا جزو ہے۔ یہ تحریر مارچ 1942ء کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیرنگؔ سرحدی جب پشاور میں تھے تو سہرے بہت لکھتے تھے جیسا کہ خود لکھتے ہیں: ''راقم نے بہت سے سہرا ہان سپرد قلم کیے ہیں جن میں اکثر صنعت توشیخ میں ہیں۔''
- نیرنگؔ نے تمام سہرے غزل کی ہیئت میں لکھے جس میں مطلع اور مقطع شامل تھا۔
- نیرنگؔ نے ایک وداع لکھی جس کے اوپر لکھا نصیحتِ پدر دلہن کی رخصت پر یہ نظم مثنوی کی ہیئت میں ہے۔
- سہروں میں عمدہ طرز بیان، بعض اوقات دولہا دلہن اور ان کے والدین کے نام بھی نظر آتے ہیں۔
- تمام سہروں کی ردیف ''سہرا'' ہے۔
- یہ سہرے مہاجرت سے پہلے اور مہاجرت کے بعد کے ہیں۔ پہلا سہرا کب کہا گیا معلوم نہیں، لیکن آخری سہرا فروری 1969ء کو ''وپن سنچہ'' کے لیے کہا گیا۔

- نیرنگؔ نے ایک خوب صورت سہرا اپنے شاگرد مسعود انور شفیق کی شادی پر 1958ء میں کہہ کر ارسال کیا۔ اس میں یہ بھی کہتے ہیں۔

مَیں لکھتا ہوں کبھی خوشنودیٔ احباب کی خاطر
جہاں رہتا ہوں میں کوئی نہیں ہے قدر داں سہرا

بلاتا کاش کوئی مجھ کو پاکستان میں نیرنگؔ
سناتا محفلِ شادی میں خُود جاکر وہاں سہرا

- ایک وداع مثنوی کی ہیئت میں بعنوان ''باپ کی نصیحت بیٹی'' کو وداع کے وقت لکھ کر نصیحت یوں کرتے ہیں۔

پتی کے حُکم کی تعمیل کرنا
یونہی تم عُمر کی تکمیل کرنا

نہیں کچھ خدمتِ شوہر سے بہتر
نصیحت ہے یہی زیور سے بہتر

نہ چھوڑو تم کبھی شرم و حیا کو
نہ بھولے سے کبھی بھولو خُدا کو

- نیرنگؔ سرحدی نے جس طرح سے اپنی تحریر میں لکھا ہے کہ سہروں میں صنعت توشیح برتی ہے جس میں اشعار کے پہلے حرف یا لفظ سے عبارت بنائی جاتی ہے۔ ہم اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف چند اشعار ان سہروں سے چن کر اس تحریر کا سہرا بناتے ہیں۔

اِس کی تعریف کریں گے وہ جو ہیں قدرِ شناس
ایسے انداز سے لکھنے کا بھی فن ہے سہرا

ساغرِ عیش پُر اَز بادہ کہن ہے سہرا
تابشِ حُسن میں یا لعلِ یمن ہے سہرا

سر بسجدہ ہوں میرے اللہ تِری شان میں
مَدح خواں بھارت میں ہے، ممدوح پاکستان میں

رہے گا یاد زمانے کو حضرتِ نیرنگؔ
جو لائے باغِ سخن سے ہو مختصر سہرا

گلِ مضمون میں پروئے گئے ایسے گوہر
یاد ڈیرہ کو رہے گا یہ مُنوّر سہرا

لکھ کے لایا ہے ترے واسطے تیرا نیرنگؔ
غالبؔ و ذوقؔ کے سہروں کے برابر سہرا

واصلِ شب کا اِسے آج پیمبر کہیے
رازِ سر بستہ کو وا کرنے جو آیا سہرا

نیرنگؔ اور تہوار

(ہولی، بسنت اور عیدالضحیٰ)

نندلال نیرنگؔ ایک حساس شاعر تھے۔ وہ جب بھارت کے تہوار دیکھتے جس میں غریب اور ستم کش طبقے کے لیے کوئی خاص خوشی کا سامان نہ تھا تو مضطرب ہو جاتے۔ ہم اس تحریر میں ان کی تین نظمیں ''ہولی اور شاعر''، ''بسنت'' اور ''عیدالضحیٰ'' پر سرسری نظر ڈال کر بتائیں گے شاعر کی نظر جن اصلی مسایل پر ہے، بہت کم لوگ اُس طرح دیکھتے ہیں۔ نیرنگؔ سرحدی کی ایک طولانی نظم ''ہولی اور شاعر'' ہے۔ نیرنگؔ سرحدی کے بیٹے نریش سلیمؔ نے بتایا کہ وہ بھی نیرنگؔ سرحدی کے ہمراہ اُس اجڑے مقام پر ہولی کے رنگ سے بچنے کے لیے گئے تھے جس کا شاعر نے تذکرہ کیا ہے۔ یہ نظم تیرہ بند مسدس پر مشتمل ہے۔ مصرعوں کی زبان سلیس اور واقعہ نگاری، منظر کشی سے رواں دواں ہے۔ پہلے بندوں میں شاعر نے ہولی کی منظر کشی اور رنگ کھیلنا بتا کر یہ سنایا کہ شاعر، ان مسایل سے بچنے کے لیے علی الصبح ہی شہر سے باہر چلا گیا اور جو دل میں غریب عوام کا درد تھا اس کو اشعار میں رقم کرنے لگا اور جب شام کو گھر واپس ہوا تو راستے میں شاعر ہی طرح ایک شخص جو رنگ کاری سے بچ چکا تھا ملاقات ہوئی۔ ہم نے سہولت کی خاطر اس تقریباً اسّی مصرعوں کی نظم سے کچھ مصرعے چن کر یہاں جمائے ہیں تاکہ پڑھنے والے کو اس خوب صورت نظم اور شاعر کے تاثرات کا علم ہو سکے۔

ہُولی کا روز، منظرِ صبح بہار تھا
وہ شور تھا کہ شورِ قیامت نثار تھا

سب رنگ میں رنگ ہوئے پیر و جوان تھے
کپڑوں پہ جن کے رنگ کے گہرے نشان تھے

کچھ رنگ سے بھری ہوئی بچکاریاں بھی تھیں
مل کر کسی کو رنگ، پریشاں کیا اُسے
کپڑے کسی کے پھاڑ کر عُریاں کیا اُسے

اِک مَیں کہ اِن نظاروں سے محروم ہی رہا
علیٰ الصباح ہی شہر سے باہر چلا گیا
پہنچا میں ایک دشت میں جو تھا اُجاڑسا
شاعر تھا فکرِ شعر میں اُس دم ضرور تھا

پھیلا ہوا جہاں میں مصائب کا جال ہے
چاروں طرف سے نانِ جویں کا سوال ہے
اِس حال میں بشر کا تو جینا مُحال ہے
اِس پر بھی فردِ ہند اُڑاتا گُلال ہے

اِن میں تمام آدمی شاید ہیں اہلِ زر
ہوتا نہیں ہے اِن پہ زمانے کا کچھ اثر
مِلتا ہے روز و شب اُنھیں کھانے کو پیٹ بھر
ورنہ نہیں ہے اِن کی گرانی پہ کیوں نظر

اِس کے خیال نے مجھے غمناک کردیا

تقدیر کا فضول ہے نیرنگؔ گلہ تجھے
گنجِ سخن خدا نے فراواں دیا تجھے

اَرمان جتنے دِل کے تھے سارے نکل گئے
ترکش میں جتنے تیر تھے سارے وہ چل گئے
اُٹھا پریشاں حال مَیں احساس باختہ
کپڑوں کو جھاڑ کرلیا پھر گھر کا راستہ

یہاں ہم یہ بھی بتادیں کہ نیرنگؔ نے قطعات میں ایک خوب صورت قطعہ ''ہولی'' پر لکھا ہے اور شفق، گل وگلزار کو فطرت کی ہولی بتایا ہے۔

ہے شفق شام و سحر چرخِ کہن کی ہولی
گُل گلزار سے ظاہر ہے چمن کی ہولی
اپنی رنگینیٔ تہذیب پہ نازاں اِنساں
کاش دیکھے کوئی فطرت کے وطن کی ہولی

نیرنگؔ کے کلام میں ایک نظم ''بسنت'' کے نام سے غزل کی ہیئت میں ملتی ہے جو جذبات اور حقایق سے لبریز ہے۔ منظر کشی کر کے شاعر غریبوں اور بے سہاروں کا تذکرہ کرتا ہے۔

آیا ہے کس ادا سے تبسم کناں بسنت
ہر اِک بشر کے آج ہے وردِ زباں بسنت

موسم بدل گیا ہے، زمانے بدل گئے
روئے زمیں پہ جب سے ہوا حُکمراں بسنت
لیکن مَیں دیکھتا ہوں زمانے کے ہاتھ سے
بے لطف اب بہار ہے، اور بے نشاں بسنت

ہے چار سو نظر میں مصائب کا سامنا
کچھ اُن دنوں عجیب ہے بے خانماں بسنت

دیکھو وطن کا ذرہ بھی نذرِ خزاں ہے آج
وہ دِن گئے مناتا تھا ہندوستاں بسنت

فاقہ کشی کی آگ تو ہر سو ہے شعلہ زن
شاید اِسی کو کہتے ہیں اہلِ جہاں بسنت

نیرنگؔ سرحدی نے 24/مارچ 1967ء کو عیدالضحیٰ کے موقع پر یہ غزل نما نظم جامعہ ملیہ دہلی میں پڑھی۔ اس کا بیان عمدہ ہے۔ ہم نے ایک اور مضمون میں اس کے اشعار لکھے ہیں، اسی لیے یہاں مطلع، مقطع اور دو تین اشعار پر گفتگو سمٹتے ہیں۔

نگاہِ لُطف و کرم ہو تو عید ہوتی ہے
نصیب دولتِ غم ہو تو عید ہوتی ہے

کبھی جو آنکھ میں نم ہو تو عید ہوتی ہے
خوشی بشکل الم ہو تو عید ہوتی ہے

عُروجِ عشق یہی ہے تمہارے نام کے ساتھ
ہمارا نام رقم ہو تو عید ہوتی ہے

"کسی کا مجھ کو نہ، محتاج کر زمانے میں"
کرم وہ ترا کرم ہو تو عید ہوتی ہے

نِشاطِ شعر و سخن میں یہی تو ہے نیرنگؔ
زباں ہو، زورِ قلم ہو تو عید ہوتی ہے

نیرنگؔ سرحدی کے ترجمے

نند لال نیرنگؔ اُردو، فارسی، پشتو، ہندی، انگریزی کے علاوہ کچھ عربی اور سنسکرت زبان سے بھی واقف تھے۔ انھوں نے اُردو کے علاوہ مختلف زبانوں کا وسیع مطالعہ بھی کیا تھا جس میں فارسی اور انگریزی کے شعرا کے کلام کا مطالعہ خاص طور پر شامل تھا۔ ہم نے ان کی بیاضوں میں ان کے پسندیدہ فارسی کے عظیم شعرا کا منتخب کلام بھی دیکھا جس سے ان کی سخن فہمی کا پتہ چلتا ہے کہ وہ سچے گوہر شناس تھے۔ ہم اس تحریر میں نیرنگؔ سرحدی کی ترجمہ شدہ نظموں پر کچھ روشنی اس لیے بھی ڈالیں گے کہ وہ ایک کامیاب مترجم تھے۔ کسی بھی نظم کا نثر میں ترجمہ کرنا مشکل نہیں لیکن اس کا منظوم ترجمہ وہ بھی اس کمال سے ہو کہ ترجمہ کی گئی نظم کا مطلب واضح ہو جائے بڑا فنی اور مہارت کا کام ہے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی دور اور انیسویں صدی کے چند آخری سالوں میں انگریزی شعرا کے بعض تراجم مقبول ہوئے اور خصوصی طور پر وہ اُردو کے شعرا جو انگریزی سے واقف تھے عمدہ ترجمہ نگاری کر رہے تھے۔ اُردو کے ایسے شعرا جنھوں نے انگریزی نظموں کا منظوم ترجمہ کیا بڑی تعداد میں ہیں جن کا ذکر اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔

نیرنگؔ نے اپنے وسیع مطالعے، انگریزی زبان سے واقفیت اور فن پر عبور سے فایدہ اٹھاتے ہوئے کئی خوب صورت اور معنی خیز انگریزی نظموں کا انتخاب کر کے اس کا سلیس ترجمہ کچھ اس طرح کیا کہ اُردو میں بھی اگر ان نظموں کو پڑھا جائے تو پڑھنے والے پر وہی اثر طاری ہوتا ہے جو کسی اصلی نظم پڑھنے والے انگریزی داں پر اور یہی

ترجمے کی کامیابی کا معیار بھی ہے۔ یہ گراں پتھر کو نیرنگ نے تک وتنہا اٹھا کر محرابِ عشق میں سجا دیا ہے جو اُردو شعر و ادب کی خدمت اور ترقی کی ضمانت بھی ہے۔ ہم یہاں یہ نکتہ بھی واضح کر دیں کہ بعض انگریزی کی نظمیں دوسرے اُردو کے شعرا نے بھی ترجمہ کی ہیں چوں کہ انگریزی نظم کا ترجمہ ہے اس لیے بھی کئی مصرعوں میں شباہت اور توارد نظر آتا ہے لیکن بہر حال ہر شاعر کا اسلوب اور انداز جداگانہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ ترجمہ موضوع کی یگانگی رکھتے ہوئے بھی طرز بیان اور تاثیر میں جدا ہوتا ہے۔ ہم یہاں نظموں کے نام اور ماخذ پیش کرتے ہیں۔

- پربت اور گلہری

The Mountain and the Squirrel

By: Ralph Waldo Emerson

(اس نظم کو علامہ اقبال نے بھی "ایک پہاڑ اور گلہری" کے عنوان سے بچوں کے لیے مثنوی کی شکل میں بارہ اشعار میں لکھی ہے جو "بانگ درا" میں موجود ہے۔ نیرنگ کی نظم پر علامہ کی اس نظم کی چھاپ گہری ہے۔)

- حضرت یوسف

The Yussouf By: James Russell Lowell

- جادوئی کرتہ

The Enchanted Shirt By: John Hay

- شہد کی مکھی

How Doth the Little Busy Bee By: Isaac Watts

- طوطا

The Parrot By : Thomas Campbell

- ایک جھینگر اور چیونٹی

The Ant and the Cricket By: James Russell Lowell

• رابرٹ بروس

The King Bruce and the spider By: Eliza Cook

ہمارے لیے اِس مختصر مضمون میں ممکن نہیں کہ ہر نظم پر ریویو کر سکیں، تمام نظمیں اور یجنل انگریزی نظموں کے ساتھ کلیات میں موجود ہیں۔ ہم تحریر کی نوعیت سے ہر نظم کے کچھ اشعار منتخب کر کے ترجمہ نگاری کی عمدگی اور شاعر کی فنی استطاعت اور اچھے ترجمے کی نشانی کو واضح کریں گے۔

نظم حضرتِ یوسف کی منظر کشی اور انداز بیان دیکھئے:

اجنبی اِک شخص آیا ناگہاں
خیمہ زن تھا نیک دِل یوسفؑ جہاں

تھا پریشاں حال، گھبرایا ہوا
زندگی سے گویا تنگ آیا ہوا

آیئے مجھ پر کرم فرمایئے
آپ کا خیمہ ہے اندر آیئے

مجھ کو جو نعمت خُدا نے کی عطا
تیرا بھی حق اس میں ہے مردِ خُدا

خیمے پر ہے جس کا نیلا سائباں
ہے وہی تو خالقِ ہر دو جہاں

ماحَضَر جو ہے تناوُل کیجیے
مجھ کو اپنے غم میں شامل کیجیے

پربت اور گلہری کے مکالمے کے دو تین شعر یہ ہیں:

ایک پربت اور گلہری میں ہوا
ایک دِن جھگڑا نہایت زور کا
دیکھ کر پربت نے نفرت سے کہا

"جانور ہے ایک تو ناچیز سا
ہے سمایا تجھ میں سودائے غرور
بات کرنے کا نہیں تجھ کو شعور
سامنے میرے حقیقت کیا تری
کوہ سے نسبت بھلا کیا کاہ کی

یوں کڑک کر دی گلہری نے صدا
"شک نہیں ہے تیری باتوں میں ذرا

پیٹھ پر میری نہیں اشجار گو
توڑ تُو سکتا نہیں اخروٹ کو"
سُن کے یہ خاموش پربت ہوگیا
پھر نہ اُس کے ساتھ کچھ جھگڑا کیا

جادوئی کرتا ایک طولانی نظم کا ترجمہ ہے۔ ہم چند شعر ترجمہ کی فن کاری کے طور پر یہاں پیش کر رہے ہیں:

اِک دیارِ مغربی کا تاجدار
جانتا تھا خود کو جو زار و نزار

جانتا ہوں اے شہنشاہِ جہاں
آپ کی حالت ہوئی مجھ پر عیاں

ایک کُرتہ لائیں خدمت میں اگر
تجھ کو ہو جائے شِفا اے دادگر

حُکمِ شاہی سے ہوئے نوکر رواں
تاکہ پائیں ایسے کرتے کا نشاں

یوں ہوا گویا بآوازِ بلند
اِس طرح رہنا مجھے آیا پسند

کھول دو درہائے ایوانِ شہی
بند رہ سکتا نہیں میں اب کبھی

ہوکے خُوش رہنے لگا مصروفِ کار
پالیا بحرِ مسرت کا کِنار

کوئی دِن میں شادماں مسرور تھا
اب نہ تھا بیمار نہ رنجور تھا

''شہد کی مکھی'' کی نظم کا ترجمہ بہت خوب ہے کچھ شعر یہ ہیں:

شہد کی مکھی کو دیکھا چاہیے
اُس کے کاموں پر نظر فرمایئے

کس طرح رہتی ہے وہ مصروفِ کار
کام کی رہتی ہے اُس پر دھن سوار

گھومتی پھرتی ہے وہ باغات میں
گرمیوں، جاڑے میں اور برسات میں

بیٹھ جاتی ہے وہ ہر اِک پھول پر
چُوستی ہے رس وہ اُس کا سر بسر

لا کے رکھ دیتی چھتے میں اُسے
تاذخیرہ شہد کا وہ ، کرسکے

مجھ کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے
باغِ عالم میں سنورنا چاہیے

کارِ مفید خلائق کرسکوں
درد مندوں کی دوا بن کر رہوں

پڑھنے لکھنے میں گُزاروں زندگی
علم و فن سے میں سنواروں زندگی

یہ ترجمہ کی دین ہے کہ ہم تھامس کیمبل کی نظم نیرنگ کی زبانی اُردو میں سن رہے ہیں۔اس کے چند شعر یہ ہیں:

خُوب رو طوطا تھا اِک اسپین کا
اِتفاقاً ایک دن پکڑا گیا

ڈال کر اُس کو قفس میں لے گئے
اِک جزیرے میں وہ مالا شور کے

چھوڑنا اُس کو وطن تھا ناگوار
کوستا قِسمت کو تھا وہ بار بار
یاد آتے تھے وطن کے گلستاں

ایک دِن کرنا خدا کا کیا ہوا
شخص اِک اسپین کا وارد ہوا

گفتگو طوطے سے کی اُس نے وہاں
سُن کے طوطا خوش ہوا اپنی زباں

چیخ کر وہ بھڑ بھڑایا گر گیا
زندگی سے ہوگیا قیدی رہا

جذبۂ حبِ وطن کے جوش میں
سوگیا طائر بچارا موت کی آغوش میں

ایک جھینگر اور چیونٹی نظم کے چند اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ نیرنگ کو ترجمہ کرنے پر قدرت تھی کیوں کہ ترجمہ میں اُردو زبان کی چاشنی ایسی جھلک رہی ہے کہ یہ

ترجمہ شدہ مغربی نظم نہیں بلکہ برصغیر ہی کی داستان معلوم ہوتی ہے۔

ایک جھینگر تھا نہایت بد دماغ
اُس کو گانے سے نہ تھا، مُطلق فراغ

رات دِن تھا اُس کو گانے کا خیال
تھا نہ کچھ بھی آب و دانے کا خیال

زور کا جاڑا ہُوا جب آشکار
چھپ گئے اپنے گھروں میں جاندار

دِیکھ کر یہ حال جھینگر تھا اُداس
تھا نہ کچھ کھانے کو بے چارے کے پاس

آخرش اُٹھا وہ دِل میں سوچ کر
کھٹکھٹایا جاکے اِک چیونٹی کا در

سُن کے بولی، چیونٹی اے غم گُسار
ہم نہ لیتی ہیں نہ دیتی ہیں اُدھار

اس تحریر کے آخر میں ہم ''رابرٹ بروس اور مکڑی''، نظم کے چند مصرعے یہاں جوڑ کر پیش کرتے ہیں:

ع : رابرٹ بروس شاہ تھا اَسکاٹ لینڈ کا
ع : وہ کامیاب ہو نہ سکا کارِ زار میں
ع : آخر کو تھک کے بیٹھ گیا وہ زمین پر

ع : جب سامنے دیوار پر اُس کی پڑی نگاہ
ع : مکڑی کا ایک جال تھا دیوار پر لگا
ع : وہ گر پڑی زمین پر ننھی سی بے زباں

گرتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئی ہمت سے پھر چڑھی
بدقسمتی سے پھر وہاں اِک بار گر پڑی

اِک بار کیا گری تھی وہ سُو بار گر پڑی
ناکام ہوتے ہوتے ہی منزل پہ جا چڑھی

گر گر کے وہ بھی جانور بڑھتا ہوا چلا
رابرٹ بروس اُس کی طرف دیکھتا رہا

ہمت سے اُس کی تاڑ گیا رازِ زندگی
کھاتے کہاں شکست ہیں جانبازِ زندگی

اُٹھا وہ جان توڑ کر اِک بار پھر لڑا
دشمن سے اپنے ملک کو آزاد کرلیا

عمدہ نثار اور افسانہ نگار: نیرنگؔ سرحدی

نندلال نیرنگؔ ایک عمدہ نثار بھی تھے۔ جب ایک شخصیت میں کئی تخلیقی جہتیں جمع ہو جاتی ہیں تو بعض زاوئے خود بہ خود مدّ ہم ہو جاتے ہیں کیوں کہ اُن پر روشنی کم ڈالی جاتی ہے اور یہ عمل یا المیہ ہمارے ادب میں بہت عام ہے۔ جب ایک تخلیقی ذہن کی الفاظ کو جاننے، سمجھنے اور برتنے کی کیفیت درخشاں ہو جاتی ہے تو وہ اُن الفاظ پر قدرت حاصل کر لیتا ہے، باالفاظ دیگر وہ خالق اور اُس کی مخلوق الفاظ میں خاص ربطہ اور رشتہ پیدا ہو جاتا ہے، چناں چہ وہ چاہے الفاظ کو نظم میں لکھے یا نثر میں، اثر مثبت مثبت کرتا جاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ بعض افراد کو یہ موقع ملتا ہے اور بعض کو ایسی کوئی فرصت حاصل نہیں ہوتی اور یہ قابلیت جلوہ نما نہیں ہونے پاتی۔

نیرنگؔ کی نثر پر اظہار خیال کے لیے ہمارے پاس ان کا لکھا متن اتنی مقدار میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں موجود ہے جس سے ہم نے ان صفحات کو ترئین کیا انھوں نے جو تحریریں اپنے بارے میں لکھیں جیسے ''مختصر حالات زندگی اور میری شاعری''، ''محسوسات اور قیاسات''، ''عرضِ حال'' اور ''وصیت نامہ'' وغیرہ وغیرہ خوب صورت نثری یادداشتیں اور خودنوشت ہیں جس سے ان کا نثری آرٹ جانا جا سکتا ہے۔ نیرنگؔ سرحدی نے ان تحریروں کے علاوہ تین افسانے اور ایک ڈرامہ بھی لکھا جن پر ہم ایک سرسری نظر ڈالیں گے جن کے عنوان یہ ہیں۔

ا۔ مکان

ب۔ ڈاک خانہ

ج۔ کانٹا

د۔ ڈرامہ (دیوان ساون مُل کا دربار)

ہم نے دانستہ طور پر نیرنگ صاحب کی تحریروں کو اس کتاب میں شامل کیا تا کہ لوگ ان کے حُسنِ نثر سے بھی واقف ہو سکیں۔ یہاں ان کی تحریر جو مختصر مگر جامع ہے اور جس سے اُن کی شاعری پر بھی روشنی پڑتی ہے بغیر مزید تشریح کے پیش کرتے ہیں۔

میری شاعری میری زندگی کا آئینہ ہے، جو کچھ کہتا ہوں، زندگی کے واقعات کے جھلک اس سے صاف نمایاں ہوتی ہے، میں زبان کو ہاتھ سے کبھی نہیں جانے دیتا۔ قدما اور متاخرین کے بلند پایہ کلام کا مقلد ہوں۔ دِلّی، میرٹھ، پٹیالہ، جالندھر، حصار، انبالہ، ہوشیار پور، چنڈی گڑھ، مہندر گڑھ، گوڑ گاؤں اضلاع میں بیشتر مشاعروں میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ جہاں بھی جاتا ہوں، خوب داد ملتی ہے۔ اہلِ قلم کی داد سے مجھے ایک گونہ مسّرت اور دِل کو راحت نصیب ہوتی ہے۔

میری شاعری عوامی شاعری نہیں، بلکہ اُن لوگوں کے لیے ہے، جنھوں نے زبان کو باقاعدہ پڑھا اور اس سے استفادہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ زبان، اُدباء اور شعراء سے کلام کی خُوب داد ملتی ہے اور غیر اہلِ زبان عوام مجھے مشکل گو شاعر جانتے ہیں۔ مگر میں خدمتِ زبان کے صحیح معنی کو خوب جانتا ہوں اور اپنی حقیقی قدر دانی کے لیے شاعروں، ادیبوں اور اصحابِ فہم حضرات کا مَرہونِ احسان ہوں جن کی صحبتوں سے میری شاعری کو رنگِ بقائے حاصل ہے۔

نیرنگ سرحدی کا افسانہ ''مکان'' ہمارے سماج کی کمزوریوں کو طنز و ملیح مزاح سے آشکار کرتا ہے۔ ہمارا معاشرہ جب کسی شخص کو برگزیدہ سمجھتا ہے تو اُس کی ہر بات پر یقین کرنے لگتا ہے اور تحقیق اور پوچھ گشت نہیں کرتا جس سے لوگ فایدہ اُٹھاتے

ہیں۔ ''مکان'' کو جس شخص نے فروخت کیا اُس کے نقص اور خرابیوں کو نہیں بتایا جب کہ مکان فروخت کرنے کی اصل وجہ چھت کی خرابی تھی اور حج کو جانا صرف بہانہ تھا جس کو فروخت کرنے والے نے بتا کر خریدنے والے کو بیوقوف بنایا، چناں چہ جس شخص نے خریدا اُس نے بھی حج جانے کے جھوٹے پلان سے مکان فروخت کرنے کا پلان بنالیا۔ برصغیر کے معاشرے میں مذہبی بن کر لوگ غیر مذہبی لوگوں سے زیادہ دھوکا دیتے ہیں۔ نیرنگ نے سلیس، شگفتہ زبان میں ان خامیوں کو واضح کیا ہے۔ ''مکان'' کا آخری حصّہ سنیے۔

ایک دن ایک خوش پوش نوجوان اپنے دو بچوں اور بیگم کو ہمراہ لے کر آیا۔ اور سہمی ہوئی آواز میں بولا سُنا ہے کہ آپ اِس مکان کو بیچنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے جواب دیا، دل تو نہیں کرتا۔ مگر مجبوری ہے حج کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ اوّل تو وہیں عرب میں ہی رہائش پذیر ہو جائیں گے اور اگر واپس آئے بھی تو اپنے چھوٹے بھائی صاحب کے مکان میں قیام کرلیں گے۔

نوجوان کو ہماری مجبوریوں کا پورا پورا اِحساس ہوگیا۔ مکان کا سودا بنانے کے لیے ہم نے رقم بھی زیادہ نہ مانگی۔ ہماری بتائی ہوئی قیمت نوجوان کو پسند آگئی۔ بیع نامہ لکھا گیا اور تیں چار روز میں رجسٹری بھی ہوگیا۔

میں نے دردمندانہ لہجے میں نووارد صاحبِ خانہ کے حق میں دُعا کی اور قبضہ میاں ظہیر حسن کے حوالے کیا۔ اور آپ شہر سے دور ایک مکان کرایہ کا لے کر جا ٹھہرے۔ اور خُدا کا شکر کیا۔ بیگم صاحبہ نے پوچھا کہ وہ بیچارے برسات میں کیسے گزارہ کریں گے۔ میں نے چھوٹتے ہی جواب دیا۔ کہ وہ بھی برسات ختم ہوتے ہی ہماری طرح حج کو چلے جائیں گے۔

دوسرے افسانے ''ڈاک خانہ'' میں ہندوستان میں رشوت کی لعنت کو ظاہر کیا گیا ہے یعنی سرکاری محکمہ میں بھی عوام کا کام اُس وقت تک انجام دیا نہیں جاتا جب تک کہ رشوت سے ہاتھ نہ بھر دئے جائیں اور یہ رشوت کا دھندہ پورے ادارے میں ایک مخفی جال کی طرح پھیلا ہوا رہتا ہے۔ وہ شخص جس کو اپنی رقم حاصل کرنے کے لیے کسی دوسرے شخص کی شناختی تائید کی ضرورت تھی پہلے کوئی دستیاب نہیں تھا لیکن دس روپئے رشوت دینے کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ اب ڈاک کا پورا محکمہ اُس سے واقف ہے اور ہر شخص اس کے لیے رشوت لے کر دستخط کرنے پر آمادہ ہے۔

''ڈاک خانہ'' کے آخر میں افسانہ نگار نے افسانہ کو اس طرح ختم کیا۔

اَب اُس کے پاس بک میرے ہاتھ سے لے لی۔ اور آخری صفحہ پر نگاہ ڈالنے کے بعد کہا: ''نوسو بہتّر روپے ساڑھے چھ آنے۔ (972-6½) ''بھائی صاحب دس روپے لگیں گے۔

میرے دِل میں ایک سنسناہٹ پیدا ہوگئی کہ اب تو پانچ روپے سے کام نکلتا ہے۔ اگر زیادہ بات کی تو شاید دس روپے سے بھی مشکل ہو جائے گا۔ میں نے جھٹ پانچ روپے کا ایک نیلا سا نوٹ نکال کر اُس کے اُجلے ہاتھ پر رکھ دیا۔ پھر کیا تھا فونٹین پن کو جنبش دیتے ہوئے دو تین انگریزی سطور جو میرے کام کے لیے کافی تھیں لکھ کر فارم میرے ہاتھ میں دیدیا۔ میں دِل ہی دِل میں سوچ کر نادم ہو رہا تھا۔ کہ اگر اِس طرح کام ہونا تھا تو میں سب سے پہلے آدمی سے آن کی آن میں کرا سکتا تھا۔ اِس قدر وقت ضائع کرنے اور پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے اپنی سادہ لوحی پر افسوس ہو رہا تھا کہ لوگوں کو کس طرح لینا آتا ہے مجھے دِینا بھی نہیں آتا۔

مَیں اپنی بے وقوفی اور نادانی پر جھلاتا ہوا واپس اُسی پُرانی میز کے

سامنے کھڑا ہوکر آداب بجالایا۔ مجھے دیکھ کر میرے کرم فرما فرشتہ خصایل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''کیوں صاحب! میں نے کہا تھانا کہ کوئی نہ کوئی آدمی آپ کا ضرور واقف ہوگا۔''

مَیں فاتحانہ انداز میں جواب دیا۔ ''صاحب! آپ کی مہربانی اور نوازش کا صدقہ اِس دفتر کا ہر آدمی میرا واقف ہے۔''

''کانٹا'' ایک نیم رومانٹک افسانہ ہے جو ایک شاعر اور اس کی بیوی جو خود شعر وسخن کی پرستار ہے اور جو مشکل حالات میں زندگی بسر کرتی ہے اور کان کا جھومر راستے میں کھو دیتی ہے جو بہر حال آخر مل جاتا ہے لیکن اس افسانے کے نشیب و فراز نیرنگ نے جذبہ دلی سے باندھے ہیں۔ افسانہ اور ڈرامہ کا مزہ اس کے پورے متن کے پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے اس لیے ہم ڈرامہ ''دیوان ساون مل کا دربار'' یہاں نہیں لکھ سکیں گے۔ اور ''کانٹا'' کی ایک مختصر عبارت پر گفتگو تمام کرتے ہیں۔

کچھ دیر بعد نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوا کہ وہ کرسیاں جہاں پہلے بیگم صاحبہ، بچوں کے ساتھ تشریف فرما تھیں وہاں اب دو اور صاحبزادیاں رونق افروز تھیں۔ میں نے کھڑے ہوکر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی مگر کہیں بھی اُنھیں دیکھ نہ سکا۔ خیال آیا کہ شاید باغ میں پھولوں کے منظر کا لُطف اُٹھا رہی ہوں گی۔

لوگ آنے شروع ہو گئے۔ مشاعرہ گاہ میں خاصی رونق اور چہل پہل نظر آنے لگی مگر میرا دِل پریشان تھا اور آنکھیں بچوں کو دیکھنے کی متمنی تھیں۔ اِس قدر وقت گزر جانے پر بھی جب وہ دکھائی نہ دئے تو رہا نہ گیا کھڑا ہوکر مائیک کے پاس پہنچا اور اپنے لڑکے کو نام سے آواز دی کہ وہ میرے پاس اسٹیج پر آجائے۔ خاکسار زادہ کے اسٹیج پر نہ آنے سے میری پریشانی اور بھی بڑھ گئی اور دِل کئی قسم کے وسوسے سے پیدا ہو گئے۔

حرفے چند

(یہ مضمون ''تعمیرِ یاس'' کے مرتب نے جوہریانہ اُردو اکادمی
سے 1997ء میں شائع ہوئی لکھا تھا)

مجھے اس بات کا اِعتراف ہے کہ میں اس وقت تک نیرنگؔ سرحدی کے نام اور کلام سے واقف نہیں تھا جب تک میں نے اُن کے مجموعۂ کلام ''تعمیرِ یاس'' مسودہ نہیں دیکھا تھا۔ یہ مسودہ میرے عزیز دوست راجیو سکسینہ نے جو مُلک کے ایک نامور اہلِ قلم ہیں، مجھے اس فرمائش کے ساتھ بھجوایا کہ میں اِس کتاب کا تعارف یا تمہید لکھوں۔

مسودے کو کھولتے ہی سب سے پہلے میری نظر خود مصنف کے لکھے ہوئے پیش لفظ پر پڑی جو اُنھوں نے ''عرضِ حال'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس میں وہ اپنی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں۔

> ''میری شاعری میری زندگی کا آئینہ ہے، جو کچھ کہتا ہوں، زندگی کے واقعات کی جھلک اس سے صاف نمایاں ہوتی ہے۔ میں زبان کو ہاتھ سے کبھی نہیں جانے دیتا۔ قدماء اور متاخرین کے بلند پایۂ کلام کا معتقد ہوں۔''

اپنی شاعری کے بارے میں نیرنگؔ صاحب کی یہ رائے پڑھ کر مجھے دِلی مسرت ہوئی کیوں کہ ایک تو میں خود ادب برائے زندگی کا قائل ہوں، دوسرے یہ دیکھ کر افسردہ خاطر بھی ہوں کہ آج کے اکثر شعراء زبان کا وہ اِحترام نہیں کر رہے ہیں جو ضروری ہے۔ اور اگر آج بھی کوئی شاعر قدماء اور متاخرین کے بلند پایۂ کلام کا معتقد

ہے تو میں اسے اُردو شاعری کے لیے نیک فال سمجھتا ہوں۔

نیرنگؔ صاحب بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ غزل میں اُنھوں نے روایت کی پابندی خلُوص کے ساتھ کی ہے اور اُن آداب کو برقرار رکھا ہے جو غزل کے لیے ضروری ہیں۔ ان غزلوں سے ان کے اس دعوے کی تصدیق بھی ہوتی ہے کہ اُن کی زندگی کی جھلک اُن کے اشعار میں نمایاں ہے۔ ویسے مجموعۂ کلام کے عنوان سے بھی اُن کی اُفتادِ طبع اور ان کا کچھ نہ کچھ اندازہ قاری کو ہو جاتا ہے اور اس کی شہادت اُن کی غزلوں کے اشعار سے بھی ملتی ہیں مثلاً:

چمن میں تُو نے مجھ کو آشیانہ کس لیے بخشا
کِسی قابل نہ تھا تو آب و دانہ کس لیے بخشا

زباں بندی کا میرے واسطے جب حُکم جاری تھا
تو پھر مُجھ کو مذاقِ شاعرانہ کس لیے بخشا

یہ رُجحان نیرنگؔ صاحب کی شاعری میں بہت نمایاں ہے لیکن شاعر کے دِل میں وہ کیفیت بھی پنہاں ہے جسے غالبؔ نے حسرتِ تعمیر کیا ہے اور یہ کیفیت جب شاعر کے دِل میں ایک اضطراب پیدا کرتی ہے تو اس طرح کے اشعار اُس کی زبان پر آتے ہیں ؎

کثرتِ غم ہی سے مِلتی ہے مسرّت کی نوید
ظلمتِ شب سے عیاں نُورِ سحر آج بھی ہے

اپنی ناکامی پہ مایُوس نہیں ہوں نیرنگؔ
خانۂ دِل میں اُمیدوں کا گُزر آج بھی ہے

اُردو شاعروں کی واعظ کے ساتھ کبھی نہیں نبھی۔ شعراء نے واعظ پر یا تو طنز کیا ہے یا اُسے اُس کے مَسلک کے خلاف مشورے دیے ہیں۔ اس ضمن میں نیرنگؔ

صاحب کا ایک شعر دیکھیے اور ان کی وسیع المشربی کی داد دیجیے ؎

نہیں موقوف کچھ دَیر و حَرم پر حضرتِ واعظ
جہاں جھک جائے سَر سجدے میں اس کو آستاں کہیے

غزل تو نیرنگ صاحب کا پسندیدہ پیرایۂ اظہار ہے ہی لیکن اُن کے جوہرِ نظم میں بھی کُھلتے ہیں اور وہ جو اُنھوں نے کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے: ''میں زبان کو ہاتھ سے کبھی نہیں جانے دیتا'' تو اس سے صرف یہی مراد نہیں کہ وہ صحیح اور اچھی اُردو میں اِظہارِ بیان کو پسند کرتے ہیں، بلکہ اُن کے کلام کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُنھیں اُردو سے عشق ہے اور آج ہندوستان میں اُردو جس کش مکش حیات و موت سے گزر رہی ہے اس پر ان کا دِل کس طرح سے کُڑھ رہا ہے..... زیرِ نظم مجموعے کی پہلی نظم ''مُناجاتِ شاعر'' ہے۔ اِس میں خالقِ کائنات کی عنایات اور الطافِ بے پایاں کا ذکر کرتے ہوئے نیرنگ صاحب حالاتِ حاضرہ کا ذکر بھی چھیڑتے ہیں اور اس میں دِلی دَرد کے ساتھ اُردو کی موجودہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

بات کرنے کا بھلا بیٹھا قرینہ، یارَب
لَب ہلاتا ہُوں تو آتا ہے پسینہ، یارَب

ہائے لُٹتا ہے بزرگوں کا خزینہ، یارَب
غرق ہونے کو ہے اُردو کا سفینہ، یارَب

نالۂ دَرد کو کہتے ہیں رَسا ہوتا ہے
ناخُدا جس کا نہ ہو اُس کا خُدا ہوتا ہے

میں یہ سمجھتا ہُوں کہ ہم ہندوستانیوں کے لیے اُردو محبت ہماری حُبّ الوطنی کی دلیل ہے۔ نیرنگ صاحب کے کلام میں بھی اُردو سے محبّت کا یہ جذبہ نمایاں طور پر

دکھائی دیتا ہے، ویسے بھی ان کا کلام جذباتِ حُبِّ وطن سے لبریز ہے۔ ان کی نظمیں بہ عنوان گورو گوبند سنگھ، مہاتما گاندھی، ہندوستاں ہمارا، لال بہادر شاستری، قطعاتِ یومِ آزادی و جمہوریتِ ہند، داستانِ ساوتری، مرزا غالبؔ اور تلوک چند محرومؔ انھیں اُردو کے اُن شعراء کی صف میں لے آتی ہیں جنھوں نے حُبِّ وطن کے موضوع پر دَرد بھرے دِل سے قلم اُٹھایا ہے۔

اس مجموعۂ کلام میں غزلوں اور نظموں کے علاوہ رُباعیات بھی ہیں اور قطعات بھی، تضمین کے فن سے بھی نیرنگؔ صاحب کو دلچسپی ہے جس کے نمونے ''تعمیرِ یاس'' میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

جگن ناتھ آزادؔ
جموں یونی ورسٹی، جموں

پیش لفظ

(جو ''تعمیرِ یاس'' مطبوعہ ہریانہ اُردو اکادمی 1997ء پر لکھا گیا۔)

ولی دکنی سے آج تک اُردو ادب کی جس صِنف کو سب سے زیادہ عوامی مقبولیت حاصل ہوئی وہ بلاشبہ غزل ہے۔ غزل کے توسط سے اُردو شعراء نے وہ وہ باتیں عوام تک پہنچائیں جن کا اِظہار کسی دوسری صنف میں ممکن نہیں تھا۔ غزل کے بعد دوسری صنفِ سخن نظم ہے۔ نظم کے تعلق سے شاعروں نے مختلف موضوعات کو جو جہتیں بخشی ہیں وہ واقعی ایک قابلِ تحسین کام ہے۔ مناظرِ فطرت، جذبۂ حُبّ الوطن، قومی یکجہتی یا زندگی کے وہ عام موضوعات جن کا حقیقی زندگی میں کہیں نہ کہیں واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے۔ اُردو شاعروں نے اِن پر قلم اُٹھا کر ان موضوعات کو جاودانی بخشی ہے بلکہ اُردو شعر و ادب کے خزانے کو دُنیا کی دوسری زبانوں کے ادب کے ہم پلّہ لا دیا ہے۔

ان ہی شاعروں میں ایک نام نیرنگؔ سرحدی کا ہے جنھوں نے نام و نُمود کی پروا کیے بغیر اُردو شعر و ادب کی زُلفوں کو نہ صرف سنوارنے بلکہ اُسے ایک اعلیٰ مرتبہ دینے میں اپنی زندگی کا ایک بڑا حصّہ لگا دیا۔ خواہ وطن سے محبّت کی بات ہو، یا قومی ایکتا کا جذبہ، اعلیٰ شخصیات سے عقیدت کا معاملہ ہو یا ہندوستان کے جمہوری نظام کی حقیقت، نیرنگؔ صاحب نے جس موضوع کو بھی لیا اُسے عروج پر پہنچا دیا۔ نیرنگؔ صاحب بنیادی طور پر غزل گو ہیں، لیکن نظم پر بھی اُنھیں اتنی ہی دسترس حاصل ہے۔ عام اور سادہ لفظوں میں اپنی بات کو پُر اثر بنانا نیرنگؔ صاحب کا خاصّہ ہے۔

ہریانہ اُردو اکادمی کے لیے بہت مسرّت کی بات ہے کہ اسے نیرنگؔ سرحدی

کے کلام کو شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اکادمی کی ہمیشہ ہی یہی کوشش رہتی ہے کہ ان موضوعات پر کتابیں شائع کی جائیں جو عوامی سطح کی ہوں اور اس کے موضوعات زندگی سے ہم رشتہ ہوں۔

یقینی ہے کہ نیرنگ صاحب کے کلام پر مشتمل یہ کتاب اُردو ادب میں ایک اضافہ شمار کی جائے گی اور اُردو دُنیا میں اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

کشمیری لال ذاکر
سکریٹری

عرضِ حال

میری شاعری: کسی مقتدر اَدیب کا کہنا ہے کہ جس کلام سے صاحبِ کلام کی زندگی پر روشنی نہیں پڑتی اُسے کلامِ مفید کہنا درست نہیں بلکہ اُس کی شاعری ایک ہائے ہُو کا مرقع بن کر رہ جاتی ہے۔ اور اُس سے شاعری کے دِلی جذبات کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔

میری شاعری میری زندگی کا آئینہ ہے، جو کچھ کہتا ہوں، زندگی کے واقعات کے جھلک اس سے صاف نمایاں ہوتی ہے، میں زبان کو ہاتھ سے کبھی نہیں جانے دیتا۔ قدما اور متاخرین کے بلند پایۂ کلام کا مقلد ہوں۔ دِلّی، میرٹھ، پٹیالہ، جالندھر، حصار، انبالہ، ہوشیار پور، چنڈی گڑھ، مہندر گڑھ، گوڑ گاؤں اضلاع میں بیشتر مشاعروں میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ جہاں بھی جاتا ہوں، خوب داد ملتی ہے۔ اہلِ قلم کی داد سے مجھے ایک گونہ مسّرت اور دِل کو راحت نصیب ہوتی ہے۔

میری شاعری عوامی شاعری نہیں، بلکہ اُن لوگوں کے لیے ہے، جنھوں نے زبان کو باقاعدہ پڑھا اور اس سے استفادہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ زبان، اُدباء اور شعراء سے کلام کی خُوب داد ملتی ہے اور غیر اہلِ زبان عوام مجھے مشکل گو شاعر جانتے ہیں۔ مگر میں خدمتِ زبان کے صحیح معنی کو خوب جانتا ہوں اور اپنی حقیقی قدر دانی کے لیے شاعروں، ادیبوں اور اصحابِ فہم حضرات کا مَرہونِ احسان ہوں جن کی صحبتوں سے میری شاعری کو رنگِ بقائے حاصل ہے۔

نیرنگ سرحدی

وصیت نامہ

شاعر کسی خاص مذہب کا قائل نہیں ہوتا!

میرے فرزندان و دُختران واحباب واقارب!

میں نند لال المعروف نیرنگ سرحدی حالِ معلّم ہندو ہائی اسکول ریواڑی فرزند چودھری سادھو رام مقیم در محلّہ قاضی واڑہ مکان نمبر 5226، ریواڑی ہوں۔ میری تاریخ پیدائش از رُوئے سنددات 6 رفروری 1912ء ہے۔

میری عمر 56 سال 5 مہینے اور 8 دن کی ہو چکی ہے۔ بظاہر تندرست ہوں۔ ہوش وحواس بجا ہیں۔ قوتِ عقل وسالم ہے۔ کوئی علامتِ دیوانگی نہیں۔ البتہ جسمانی طور پر میں اپنے آپ کو ناتواں اور نحیف سمجھتا ہوں۔ اس عمر میں تقریباً ہر کس وناکس کے ساتھ ایسا ہوتا ہے۔ میں چوں کہ (4 بیٹوں، 4 بیٹیوں) کا باپ ہوں۔ لڑکے زیرِ تعلیم ہیں۔ لڑکیوں میں بڑی لڑکی، سیول ہسپتال میں بطورِ کلرک ملازم ہے۔

خدا کے فضل وکرم سے بیوی تندرست وتوانا اور باسلیقہ ہے۔ فطری طور پر خُدا اور موت کو ہر وقت قریب تر جانتا ہوں۔ موت ایک نہ ایک دن سب پر نازل ہوگی۔ اِس کے پنجے سے رہائی ناممکن ہے۔ کیا معلوم کس وقت اور کہاں نازل ہو جائے۔ میں موت سے ہرگز نہیں ڈرتا۔ اور اپنی عمر معینہ کی حد تک پہنچنے کے لیے رُخ کیے ہوئے ہوں۔ دُنیائے فانی کی کئی بہاریں اور خزائیں دیکھ چکا ہوں۔ زیادہ زندہ رہنے کی ہوس بیکار سمجھتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ میرے گرد وپیش کئی اشخاص تندرست وتوانا اَنِ واحد میں آغوشِ مرگ میں جا لیے۔ کیا خبر میں بھی اچانک اس دُہر فانی کو خیرباد

کہہ جاؤں۔ اس سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اِس وسط میں اُن باتوں کا صریحاً تذکرہ کروں۔ جن کو میں دِلی تمنا کہتا ہوں اور میرے فرزند اگر ہو سکے تو خواہش و عقائد مندرجہ ذیل باتوں پر عمل سرا ہوں تا کہ میری روح کو تسکین نصیب ہو۔

1. اگر موت گھر میں واقع ہو جائے تو بلا کسی مذہبی رسوم کے میرے احباب و اقارب ہنسی خوشی جائے مقررّہ پر میری لاش کو سپردِ آتش کر دیں اور میرے لیے دُعا فرمائیں۔ کسی قسم کا شور و شیون گھر میں نہ ہونے پائے یہ امرِ ربّی ہے اور میں رضا کا قائل ہوں۔ آہ و بکا کو خلافِ عقیدہ سمجھتا ہوں۔
2. میرے بیٹوں میں سے کوئی بھی سر نہ مُنڈوائے اور میرے مرجانے کا مظاہرہ نہ کرے۔ سادہ طریقے سے لکڑیوں میں رکھ کر اور مل کر آگ لگا دیں۔ کوئی منتر وغیرہ نہ پڑھا جائے۔
3. اگر چوتھے روز ہڈیاں (پھول) چُننے کی نوبت آئے تو ان ہڈیوں کو بجائے ہردوار لے جانے کے کسی اتفاق سے دِلّی جا کر اپنی مرضی سے دریائے جمنا میں اس طرح ڈال دیں۔ جیسے کوئی چیز ڈال دی جاتی ہے۔ اس کے بعد کوئی رسم ادا نہ کی جائے۔ کئی روز تک جیسا کہ عام رواج ہے کوئی مذہبی کتاب نہ پڑھی جائے کیوں کہ مجھے زندگی میں کسی بھی مذہب سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ اور میں ہر مذہب کو اچھا اور ٹھیک سمجھتا ہوں۔ شاعر کس خاص مذہب کا قائل نہیں ہوتا۔ اچھا اخلاق ہی اُس کا افضل ترین مذہب و مسلک ہوتا ہے۔
4. اگر موت کسی حادثہ سے یا سفر میں ہو جائے تو سفر سے میرے مُردہ جسم کو ریواڑی میں لانے کی ہرگز ضرورت نہ سمجھیں بلکہ وہاں ہی انتظام کر کے جلا دیا جائے اور کوئی حادثہ پیش آ جائے تو عام قانونی کارروائی کے بعد قریب ترین جگہ پر ہی مجھے الوداع کہہ کر آگ کے حوالے کروا دیں۔ گھر میں لانے کی ضرورت نہ سمجھیں۔
5. مرنے کے بعد کسی باعث یا کسی مذہبی آدمی کے کہنے سُننے سے میرے نام کھانا

پہنچانا میرے عقیدے کے خلاف ہوگا (جیسا کہ عام لوگ کرتے ہیں)۔ اگر کبھی بھولے سے میری یاد آجائے تو دُعائے مغفرت فرما کر مجھ پر احسان کریں۔

نیرنگ سرحدی
مقیم: ریواڑی
14/جون 1968ء

نوٹ:- یہ وصیت نامہ ''ہند سندیش، دہلی'' میں 25/مئی 1974ء میں شائع ہوا تھا۔

مُناجات

دَرد مندوں کی دَوا، اور شِفا کے مالِک
خالقِ ہر دو جہاں، اَرض و سَماء کے مالِک
صاحبِ فِقر و غَنا، شاہ و گدا کے مالِک
واقفِ رازِ فنا، دارِ بَقا کے مالِک
ہیں گُل و خار ترے، سَر و سَمن تیرے ہیں
خُشک و تَر تیرے ہیں صحرا و چمن تیرے ہیں

تُو نے بخشے اَدبی ذوق کے ساماں مجھ کو
یُوں، کہ صحرا نظر آتے ہیں گُلستاں مجھ کو
کبھی آغوش میں لیتے ہیں بیاباں مجھ کو
تیری رَحمت نے بنایا ہے سخن داں مجھ کو
دَردِ اُلفت میرے سینے میں فراواں بخشا
دلِ مُضطر کو مِرے ذوقِ حسیناں بخشا

آنکھ بِینا ہو تو ہر گام پہ مے خانے ہیں
مست آنکھوں کے چھلکتے ہوئے پیمانے ہیں
گُل و بُلبل کے محبّت بھرے افسانے ہیں
شمع روشن ہے کہیں اور کہیں پَروانے ہیں
گُلِ خوش رنگ کی باغوں میں اَدا کے صدقے
چرخ پر چاند ستاروں کی ضِیا کے صدقے

تیری رَحمت نے سرِعرش اُڑایا مجھ کو
باغِ جنّت جسے کہتے ہیں دکھایا مجھ کو
قابلِ صحبتِ مَہ رُویاں بنایا مجھ کو
مسندِ شاہ نشیں پر بھی بٹھایا مجھ کو
میری پروازِ تخیّل کو جو رَفعت بخشی
تو فرشتوں سے زیادہ مجھے وقعت بخشی

عیش کے پَردے میں پوشیدہ ہے غم بھی یارَب
دِیدۂ خشک میں آجاتا ہے نم بھی یارَب
مُفلِسی ناک میں کردیتی ہے دَم بھی یارَب
اِسی قانون کے پابند ہیں ہم بھی یارَب
بے زَری کی نہیں لیکن یہ شکایت مولا
ہے یہ ناقدریِ عالم کی حکایت مولا

ہائے یہ گردشِ ایّام خداوندِ کریم!
صاحبِ علم ہیں بدنام خداوندِ کریم!
دردِ اُلفت کا یہ انجام خداوندِ کریم!
روزِ روشن میں سِیہ شام خداوندِ کریم!
جو ہُنر مند ہیں رُوپوش ہوئے جاتے ہیں
صاحبِ علم بھی خاموش ہوئے جاتے ہیں

بات کرنے کا بُھلا بیٹھا قرینہ یارَب
لَب ہلاتا ہوں تو آتا ہے پسینہ یارَب
ہائے لُٹتا ہے بزرگوں کا خزینہ یارَب
غرق ہونے کو ہے اُردو کا سفینہ یارَب
نالۂ دَرد کو کہتے ہیں رَسا ہوتا ہے
ناخدا جس کا نہ ہو اُس کا خدا ہوتا ہے

اپنی رَحمت سے مجھے پھر گُلِ خنداں کردے
پھر سے جینے کے مہیّا مجھے ساماں کردے
رُخ پژمُردہ کو تو رشکِ بہاراں کردے
قلبِ تاریک میں پھر میرے چراغاں کردے
میرے نغمات سے گونج اُٹھے فضائے عالَم
عشوہ و نازِ حسینا ہو اَدائے عالَم

***

نعتیہ کلام

(بفرمائش جناب عارف علی سجادہ نشین حضرت نظام الدین اولیاءؒ)

کیوں کر نہ کروں مدحتِ سُلطانِ مدینہ
جب پیشِ نظر ہوں مرے فیضانِ مدینہ

تہذیب کا گہوارہ، دبستانِ مدینہ
یہ خاکِ عرب ہے وہ مری جانِ مدینہ

ہے ہیچ ہر اِک چیز جہاں کی مرے آگے
سینے میں تڑپتا رہے ارمانِ مدینہ

خوشبوئے محبّت سے مُعطر ہے زمانہ
کس شان سے مہکا ہے گُلستانِ مدینہ

یہ جوش محبّت ہے کہ اخلاص کا جذبہ
ہر بات بنی جاتی ہے عنوانِ مدینہ

کیوں سایۂ افلاک میں خدشہ ہو کسی سے
ہوگا وہی ہوگا جو ہے فرمانِ مدینہ

کچھ اور مقامات بھی ہیں ارفع و اعلیٰ
اُن سب سے زیادہ ہے مگر شانِ مدینہ

نیرنگؔ ہی نہیں زیرِ گر انبارئ احساں
ہر صاحبِ ایماں پہ ہے اِحسانِ مدینہ

***

نعتیہ مصرعے

شاداب کس قدر ہے گُلستاں رسولؐ کا
ہے ساری کائنات پہ احساں رسولؐ کا
کیسے بُھلا سکے کوئی فیضاں رسولؐ کا

***

(03-08-1970)

فہرست

غزلیات

.1	چمن میں تُو نے مجھ کو آشیانہ کس لیے بخشا	377
.2	لذّتِ حُسن سے آگاہ نظر آج بھی ہے	379
.3	نظر نواز نظاروں کو کیا کرے کوئی	381
.4	دِل آزاری بھی ہے مقصُود میرا اِمتحاں بھی ہے	382
.5	چمن میں آئے ہر شے کا نشاں آہستہ آہستہ	383
.6	مجھ کو دَورِ سحر و شام سے ڈر لگتا ہے	385
.7	کسی نامہرباں کو مہرباں ہم کہہ نہیں سکتے	387
.8	ترے خیال میں کاٹی ہے زندگی میں نے	388
.9	ناروا کو رَوا نہیں کہتے	390
.10	صحنِ چمن میں آج قیامِ بہار ہے	392
.11	اِس بے خُودی میں مجھ کو گمانِ بہار ہے	394
.12	اُمیدِ گُل میں مُیسر ہوں خار کیا کہیے	395
.13	آئے گی میری یاد مری زندگی کے بعد	397
.14	لایا ہے تازہ غم کوئی دوراں مرے لیے	399

15. زخمِ دِل اُن کے تصوّر میں فروزاں بھی ہوئے 401
16. دِیوار دیکھتے رہے، دَر دیکھتے رہے 403
17. مجھ سے بے رُخ وہ مِرا صاحبِ اعجاز نہیں 405
18. ناوکِ ناز جو پیوستِ رگِ جاں دیکھا 406
19. ناکامیوں کے بعد بھی پا دَر سفر تو ہے 407
20. شدّتِ غم ہے مِری طرزِ فُغاں سے باہر 409
21. میں ساقیِ فِطرت کا کرم دیکھ رہا ہوں 410
22. نظر میں سمائے نظر آتے آتے 412
23. محبّت کی ہم داستاں چھوڑ جائیں 414
24. اسیرانِ قفس کی بات جب گُلزار تک پہنچے 416
25. ہم اپنے ظرف کا پہلے جو امتحاں کرتے 417
26. ہُوں کوچہ و بازار میں بدنام زیادہ 418
27. جب سے مِرے لیے ترا ذوقِ نظر بدل گیا 420
28. آزُردگی کی رات ہے آشفتگی کے دِن 421
29. اپنا تو نہیں کوئی بھی، اغیار بہت ہیں 422
30. کسی کو دے کے دِل کیوں اس کو دِل کی داستاں کہیے 423
31. یہ اُن کی رضا ہے، مجھے آرام نہ آئے 424
32. نہ آئیں محفلِ رندان میں بیگانے تو اچھا ہے 426
33. تِری محفل میں میخوارانِ تشنہ کام باقی ہیں 427
34. خیالِ یارِ جو محکم رہا تو کیا ہوگا 428
35. رُخِ شباب بھی اپنا ہے زعفراں کی طرح 430

.36	رہے ہیں منظر گلزار میں سرو سمن برسوں	432
.37	خوئے بادہ ہے نہ ہے کچھ ذوقِ پیمانہ مجھے	434
.38	میری حالت سے مسیحا نہ ہو بیزار بہت	436
.39	لب سے نکلی تو ہے فُغاں کوئی	438
.40	جلوۂ حُسن ہو دیوانے بھی آجاتے ہیں	440
.41	زندگی آئی یہاں نالۂ شب گیر کے ساتھ	441
.42	ہم عشق کے ہاتھوں مجبوراً اِس بزم میں لائے جاتے ہیں	442
.43	جس وقت ہمارا محفل میں دِل اُن کے مقابل ہوتا ہے	443
.44	کچھ اُن کے چہرے سے افسردگی نظر آئی	445
.45	ہزار حَیف مرا راہبر غلط نکلا	447
.46	مدارِ عیش پہ دُنیائے بے ثبات سہی	448
.47	دِل میں ہیں مرے حسرت وارمان زیادہ	450
.48	کام ہو نہ آدمی کو آدمی کے کام سے	453
.49	نگاہِ لُطف و کرم ہو تو عید ہوتی ہے	455
.50	مژگاں کے تصور میں سحر ہو ہی رہی ہے	457
.51	بس دیکھ لی خوئے عیاری تم غیر کو ہمدم کر بیٹھے	459
.52	ہر دم خیالِ زلفِ پریشان چاہیے	461
.53	ہندو سے دوستی نہ مسلمان چاہیے	462
.54	غم مرا منتشر نہ ہو جائے	464
.55	پاس اُن کو بلا نہیں سکتے	466
.56	غیر کا رنگ ہے جُدا، طرز کلام اور ہے	468

57. مُرغِ دِل مائل پرواز جو ہر آن ہوا 470
58. میرے دِل میں ضبطِ فغاں اور بھی ہے 471
59. اَشکوں کی چشم سے تھی روانی تمام رات 473
60. مَیں حُسن کے فریب میں آتا چلا گیا 474
61. اگر رنگِ محبت گُل سے پیدا ہو نہیں سکتا 476
62. جب آشنائے محبّت زباں نہیں ہوتی 478
63. کِسی کافر کی مُدت سے اَدائیں آزماتا ہوں 480
64. تری رحمت کِسی حَد کے نشانے تک نہیں پہنچی 481
65. کیوں لبوں پر مرے اُن کا نام آ گیا 482
66. تسلی اُس سے دِلِ داغدار کیا ہوگی 484
67. نیند شب بھر نہ آئے تو مَیں کیا کروں 486
68. اَنجام پر نظر ہو تو آغاز دیکھئے 487
69. مَیں گُزرتا ہوں گلی کوچوں میں اَرمانوں کے ساتھ 488
70. ایک آرام کا اَنبار نہیں تو کیا ہے 490
71. یہ مانا شاعری کا لطف شاعر کے بیاں تک ہے 492
72. دیدِ جاناں جو عام ہو جائے 494
73. تری محفل سے ہم جو آج پابندِ زباں گُزرے 496
74. فروغِ حُسن تھا تو شعلہ سامانی کہاں جاتی 497
75. اداؤں کے پس پردہ جفا دیکھی نہیں جاتی 498
76. اَبر ہے، ساقی ہے، مئے و جام ہے 499
77. غم آلودہ نگاہوں میں کبھی دم آہی جاتا ہے 500

.78	اُن کی نظروں کے جو پیکان چلے آتے ہیں	501
.79	مریضِ عشق کا کوئی سہارا ہو نہیں سکتا	502
.80	اے دِلِ نادان! تجھ میں جوہرِ قابل نہیں	503
.81	صاحبِ اعجاز ہیں اصنام بھی	505
.82	مژدۂ اَیام پیہم رَقص کر	507
.83	سرِ بالیں مسیحا آج ہم کو دیکھنے آئے	508
.84	ہوا سے بال زلفوں کے پریشاں ہوتے جاتے ہیں	509
.85	دُور آبادی سے بادیدۂ تر بیٹھے ہیں	510
.86	بہارِ اہلِ عالم ہے کہ اَرمانوں کا موسم ہے	511
.87	وطن کے سایۂ پرچم میں ہم اِعلان کرتے ہیں	512
.88	دِل کہیں مبتلا نہ ہو جائے	514
.89	دِلِ ویران پر چھائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں	516
.90	رَشکِ باغ و بہار! مان گئے	517
.91	ابھی تک زندگی کی منزلیں ہیں راہ گزاروں میں	519
.92	ستم گاروں کی دُنیا سے ستم گاری نہیں جاتی	520
.93	مُجھے رُسوا کیا تیری جفا نے	522
.94	بہ ہنگامِ مُشکل خُدا یاد آیا	525
.95	وہ آدمی کیا، رتبۂ انسان تک نہ پہنچے	527
.96	نہ ہوئے تم مِرے مہمان بڑی مشکل ہے	529
.97	ہم ترے آستاں سے گُزرے ہیں	531
.98	مَیں گردشِ اَیام کا شِکوہ نہیں کرتا	533

.99	زندگی کا مری ساماں بہم ہو کے رہا	536
.100	دِل ترے ہجر میں غم خانہ نظر آتا ہے	538
.101	خاکساروں کو ہوش آ جائے	540
.102	تجھ سے محفل میں مُلاقات کہاں تھی پہلے	542
.103	بلا سے میری کشتی کا نشاں باقی نہ رہ جائے	544
.104	''دِل کشی نام کو بھی عالمِ اِمکاں میں نہیں''	546
.105	ہے ہر اِک بشر کا شعار اپنا اپنا	549
.106	شمعِ حُسن پر ہے فروزاں اب تک	550
.107	رہروِ مُلکِ عدم چار قدم اور سہی	552
.108	گُلِ خُوش رنگ سے ہم خار تک آ پہنچے ہیں	554
.109	محبّت مِری داستاں ہو گئی	556
.110	خلوصِ دِل نہ ہو جب تک کسی میں	558
.111	وہ دِل کہ جس میں ترا انتظار ہوتا ہے	561
.112	ہم ذوقِ دیدِ حُسن گوارا نہ کر سکے	563
.113	ہندو کو اپنے رسم و روایات پر ہے ناز	564
.114	زندگانی کا لُطف خاک نہیں	568
.115	آپ ہیں اہلِ وفا یا ہیں جفا کے بندے	570
.116	شکووں سے دو دِلوں کی صفائی ہوئی تو ہے	571
.117	فصلِ بہار جلوہ نُما ہے مرے لیے	573
.118	اگرچہ آج ہیں ظاہر میں ویرانوں سے وابستہ	574
.119	خُشک گلشن ہو چکا ابرِ بہار آیا تو کیا	576

120. دردِ غم کو دوا سے کیا مطلب 579
121. عشق اللہ کی رحمت کا نشاں ہوتا ہے 580
122. مزاجِ باغباں بدلا نہیں ہے 582
123. تُو نے تو آنے دی نہ کمی التفات میں 585
124. یہ مانا ساقیِ فطرت کا فیضِ عام رہا 587
125. چلتا گیا ہمراہ، تھا مقدور جہاں تک 589
126. جدھر بھی برقِ تجلیِ یار گزری ہے 590
127. اب یقینِ عفو کی دِل میں فراوانی کہاں 592
128. بُلبُل کی فغاں، پھول کی خاموش زباں میں 593
129. ناوک انداز اُن کی نظر ہو گئی 595
130. چلتے چلتے جب اِک دو قدم رہ گئے 598
131. جو زباں سے لفظ نکلا داستاں ہوتا گیا 600
132. اِک نگاہِ ناز کا جب حق ادا ہوتا نہیں 602
133. سازِ ہستی کی صدا پر دِل کو تڑپانا پڑا 604
134. محبت میں جفا ہوتی رہی ہے 605
135. نگہ ناز تری برق تپاں ہے کہ نہیں 607
136. میں دردِ محبّت کا مزا بھول گیا ہوں 608
137. گو تری بزم میں داخل نہیں ہونے پاتے 609
138. یوں تو ہے ساری زندگی کی زندگی غزل 612
139. دِل کی ہر بات بتاؤں یہ ضروری تو نہیں 613
140. مریضِ عشق تڑپتا ہے اب شِفا کے لیے 615

141. ابتدائی مرحلہ ہے ذوقِ رندانہ ابھی 616
142. جو بھی ثابتِ قدم نہیں ہوتا 618
143. سیاہ زلفوں میں اِک ماہتاب کا مستُور ہو جانا 620
144. مری تو خو ہے جہاں کے ستم اُٹھانے کی 621
145. ہوں محوِ دید گردش ایام اِن دنوں 623
146. شبِ سیاہ میں آئے ہیں وہ نقاب کے ساتھ 625
147. کچھ اِلتفاتِ دید کا ساماں ہوا تو ہے 626
148. اگر بزمِ غم کا بیاں جُرم ہے 628
149. یہاں حُسن کے بعد ہے ناز پہلے 629
150. شبِ فراق کبھی مختصر نہیں ہوتی 631
151. عیاں جہان سے جو رنگ اِس جہاں کا ہے 632
152. صدف کے مول دُنیا میں دُرِ شہوار بکتے ہیں 633
153. محبت میں کچھ ایسے بھی مقام آتے رہے اکثر 634
154. شاخِ گُلبن پہ خار باقی ہیں 636
155. اب نقابِ رُخ جاناں کی ضرورت کیا ہے 638

(1)

چمن میں تُو نے مجھ کو آشیانہ کس لیے بخشا
کسی قابل نہ تھا تو آب و دانہ کس لیے بخشا

محبّت کی ہے میں نے اعترافِ جُرم کرتا ہوں
گُناہ تھا، تو مزاجِ عاشقانہ کس لیے بخشا

نصیبوں میں اگر میرے، تھا پَستی کا مکیں ہونا
گَرم سے اپنے جذبِ طائرِانہ کس لیے بخشا

اگر گُمنام رہنے کی مجھے تلقین تھی یارَب
مِرے اظہار کو ذوقِ ترانہ کس لیے بخشا

برائے سیر جب بھیجا ہے تُو نے مجھ کو دُنیا میں
غم و آلام کا پھر تازِیانہ کس لیے بخشا

اگر تذلیل تھی مقصود میری تیری دُنیا میں
تو عِلم و فن کا مجھ کو یہ خزانہ کس لیے بخشا

میرے جذبات جب دیتے ہیں پیغامِ بقا سب کو
مجھے ناقدرداں تُو نے زمانہ کس لیے بخشا

زباں بندی کا میرے واسطے گر حُکم تھا نیرنگؔ
تو مجھ کو پھر مذاقِ شاعرانہ کس لیے بخشا

***

(2)

لذّتِ حُسن سے آگاہ نظر آج بھی ہے
آتشِ گُشتہ میں پوشیدہ شرر آج بھی ہے

دِل مِرا اُن کی تمناؤں کا گھر آج بھی ہے
چشمِ بِینا مِری پیوستۂ در آج بھی ہے

اپنی سوئی ہوئی قسمت کو جگا سکتا ہوں
وہ نظر آئیں تو تسکینِ جگر آج بھی ہے

لعل و گوہر کی نہیں مجھ کو تمنا یارَب
اَشکِ فُرقت مِرا ہم رنگ گہر آج بھی ہے

میں نے مانا کہ زمانے نے بھُلایا مجھ کو
میرے ہر حال کی تو اس کو خبر آج بھی ہے

اہلِ اُلفت کو مقدّر کا عَبث شکوہ ہے
عشق صادق ہو تو آہوں میں اَثر آج بھی ہے

کثرتِ غم ہی سے ملتی ہے مسّرت کی نوید
ظُلمتِ شب سے عیاں نُورِ سحر آج بھی ہے

کیوں نہ ہو چرخ تِری ہیچ نوازی کا گلہ
محوِ آلام یہاں اہلِ ہنر آج بھی ہے

اپنی ناکامی پہ مایوس نہیں ہوں نیرنگؔ
خانۂ دِل میں اُمیدوں کا گُزر آج بھی ہے

***

(3)

نظر نواز نظاروں کو کیا کرے کوئی
بُجھا ہو دِل تو بہاروں کو کیا کرے کوئی

جہاں سفینے کناروں پہ ڈوب جاتے ہوں
تلاش ایسے کناروں کو کیا کرے کوئی

کسی کا دِل جو منوّر نہ ہوسکے اُن سے
چمکتے چاند ستاروں کو کیا کرے کوئی

ہر ایک زخم کی ممکن ہے کچھ دَوا لیکن
نگاہِ ناز کے ماروں کو کیا کرے کوئی

کسی کے حُسن کا جَلوہ بھی اِک قیامت ہے
قبول اُس کے شراروں کو کیا کرے کوئی

جو دِل کی بات بھی ہم سے نہ کہہ سکے نیرنگؔ
تو اِس قماش کے یاروں کو کیا کرے کوئی

***

(4)

دِل آزاری بھی ہے مقصُود میرا اِمتحاں بھی ہے
اِلٰہی کس طرح سمجھوں وہ اپنا مہرباں بھی ہے

خلائق کی زباں پر میرے غم کی داستاں بھی ہے
میرا افسانۂ اُلفت یہاں بھی ہے وہاں بھی ہے

گہے لَب پر تبسّم ہے مِرے، گاہے فُغاں بھی ہے
اُنھیں میری محبّت کا یقین بھی ہے گُماں بھی ہے

فقطِ دیدِ بُتاں سے کُفر کا اِلزام ہے مجھ پر
جبیں پر میری زاہد دیکھ سجدوں کا نشاں بھی ہے

زمانے کی نزاکت کا مجھے احساس ہے ورنہ
مجھے کہنا بھی آتا ہے میرے مُنہ میں زباں بھی ہے

بلَند و پَست عالَم پر مِرا حق ہے جسے چاہوں
نشیمن ہے قفس میرا چمن میں آشیاں بھی ہے

بہت کچھ ہے مگر اُستادِ مکتب ہی نہیں نیرنگ
وہ اِک مَحرومِ قسمت شاعرِ رنگیں بیاں بھی ہے

***

(5)

چمن میں آئے ہر شے کا نشاں آہستہ آہستہ
بَہار آہستہ آہستہ خزاں آہستہ آہستہ

بوقتِ غَم بھی ہو لَب پر فُغاں آہستہ آہستہ
نہ ہو جائے کہیں وہ بدگُماں آہستہ آہستہ

ذَرا سی بات پر اہلِ جہاں بدنام کرتے ہیں
محبّت کا بھی ہو تو ہو بَیاں آہستہ آہستہ

رُلائے گی ہماری یاد بَرسوں تک چمن والو
بنالیں گے ہم اپنا آشیاں آہستہ آہستہ

نہ گھبرا گر مُقدّر میں اگر تاخیر ہو جائے
بدلتا ہے سَدا دَورِ زماں آہستہ آہستہ

ابھی تو شیخ کو پاسِ حجاب و شرم ہے لیکن
وہ آئے گا یہاں پیر مُغاں آہستہ آہستہ

نکالا چاہتے ہو بزم سے اچھّا، خُدا حافظ
چلے جائیں گے، چاہیں گے جہاں آہستہ آہستہ

نہ جانے، جانے والے کب دَرِ منزل پہ پہنچیں گے
رَوانہ ہو رہے ہیں کارواں آہستہ آہستہ

جوانی کے گُزر جانے کا کیوں اِتنا مَلال آخر
اُتر جائے گا دریائے رَواں آہستہ آہستہ

ہجومِ غم میں اکثر مُسکرا کر بات کرتا ہوں
کسی پر ہو نہ رازِ دل عیاں آہستہ آہستہ

اگر اُس کی رَضا مدِّنظر ہو حضرتِ نیرنگؔ
تو ہو جائے وہ شاید مہرباں آہستہ آہستہ

***

(6)

مجھ کو دَورِ سحر و شام سے ڈر لگتا ہے
اِس کی رَفتار کے ہر گام سے ڈر لگتا ہے

مجھ کو دِل بستگی عام سے ڈر لگتا ہے
اے محبّت ترے انجام سے ڈر لگتا ہے

کتنے دِل کش سہی دُنیا کے مناظر لیکن
پَستی و اَوجِ دَر و بام سے ڈر لگتا ہے

جب سے ساقی کی نظر مجھ سے ہوئی ہے بدظن
ہے وہی جام مگر جام سے ڈر لگتا ہے

بخُدا چہرے پہ زُلفوں کو پریشاں نہ کریں
مجھ کو کچھ تیرگیِ شام سے ڈر لگتا ہے

عُمر بھَر میں بھی رہا محوِ فریبِ دُنیا
اب تو دُنیا کے حسیں نام سے ڈر لگتا ہے

عِشق کی راہ میں ایسے بھی مقام آتے ہیں
نہ جہاں قید سے نہ دام سے ڈر لگتا ہے

خاص نسبت تھی مجھے اُردو زباں سے لیکن
آج اَغیار کے الزام سے ڈر لگتا ہے

جب نظر پڑتی ہے اَعمال پہ اپنے نیرنگؔ
مجھ کو گُزرے ہوئے ایّام سے ڈر لگتا ہے

***

(7)

کسی نامہرباں کو مہرباں ہم کہہ نہیں سکتے
قفس سونے کا بھی ہو آشیاں ہم کہہ نہیں سکتے

کوئی کہہ دے زباں رکھنے کا مُنہ میں فائدہ کیا ہے
کسی کے سامنے جب داستاں ہم کہہ نہیں سکتے

نہ جانے کیا اَثر ہوتا ہے ہم پر اُن کی محفل میں
یہاں کہتے ہیں ہم جو کچھ وہاں ہم کہہ نہیں سکتے

محبّت اصل میں ناکامیوں کی ایک دُنیا ہے
وہاں ہوتے ہیں کیسے امتحاں ہم کہہ نہیں سکتے

زیادہ اس سے توہینِ اَدب کیا ہوگی اے نیرنگؔ
بزرگوں کی زباں کو بھی زباں ہم کہہ نہیں سکتے

***

(8)

ترے خیال میں کاٹی ہے زندگی میں نے
نہ سمجھا اپنی خوشی کو کبھی خوشی میں نے

ترے حضور نہ سجدوں میں کی کمی میں نے
یہ بندگی ہے اگر، کی ہے بندگی میں نے

غرض کے بعد جو دیکھا تو آشنا بھی نہ تھے
جہاں میں دیکھے نہیں ایسے آدمی میں نے

غمِ حیات سے پائی ہے آگہی میں نے
تمام عُمر غموں میں گُزار دی میں نے

نقاب ہٹتے ہی جلووں (چہرے) کی تاب لا نہ سکا
پھر اُس کے بعد نہ دیکھی وہ روشنی میں نے

تمیزِ ظاہر و باطن میں کس طرح کرتا
کسی سے دُشمنی کی ہے نہ دوستی میں نے

فریب کار زمانہ مجھے ہنسا نہ سکا
اُڑائی اُس کی ہمیشہ مگر ہنسی میں نے

غمِ حیات سے فارغ ہوں اس لیے نیرنگؔ
غمی کو سمجھا نہیں ہے کبھی غمی میں نے

***

(28-08-1961)

(9)

ناروا کو رَوا نہیں کہتے
ہم صنم کو خُدا نہیں کہتے

سُن تو لیتے ہیں سب کی بات مگر
ہم اُسے جابجا نہیں کہتے

دِل کی رُوداد دِل سمجھتا ہے
اہلِ دِل ماجرا نہیں کہتے

آزماتے ہیں ایک بار جسے
ہم اُسے بارہا نہیں کہتے

جو جفا کو جفا سمجھتے ہیں
اُن کو غم آشنا نہیں کہتے

ہم تو ہر بات پر ہیں چُپ لیکن
آپ کہیے کہ کیا نہیں کہتے

وہی سب سے بھلے ہیں دُنیا میں
جو کسی کو بُرا نہیں کہتے

شعر جب تک نہ شعر ہو نیرنگؔ
ہم کبھی مرحبا نہیں کہتے

***

(10)

صحنِ چمن میں آج قیامِ بہار ہے
اللہ کیا حسین مقامِ بہار ہے

کیسی ادا سے اب کے خرام بہار ہے
خاروں کی بھی زبان پہ نامِ بہار ہے

طاری ہر ایک برگ پہ عالَم ہے وجد کا
ہاتھوں میں جب بہار کے جامِ بہار ہے

ہر چیز ہوگئی ہے گرفتارِ رنگ و بُو
پھیلا ہوا جہان میں دامِ بہار ہے

اہلِ چمن کو کب سے ترا انتظار تھا
آ اے بسنت تو کہ پیامِ بہار ہے

قدرت کی بزم آج ہے رعنائیوں کی بزم
صبح بہار ہے کہ وہ شامِ بہار ہے

ہر رُخ پہ ہے بہار کی آمد سے تازگی
ہر فرد کو قبول سلامِ بہار ہے

نیرنگؔ! یہ طلسم ہے کوئی شاید بہار کا
خاموشی بہار کلامِ بہار ہے

***

(11)

اِس بے خُودی میں مجھ کو گمانِ بہار ہے
کتنی بلند مرتبہ شانِ بہار ہے

اپنی بلا سے آئے نہ موسم بہار کا
میرے لیے تو، تو مِری جانِ بہار ہے

عالم نہ پوچھ دشتِ جنوں کے مزاج کا
سرتا قدم وہ ایک بیانِ بہار ہے

راحت ترے بغیر مِلے بھی تو کِس طرح
قائم ترے ہی دَم سے نشانِ بہار ہے

مرغُوب ہیں ہُنوز بیاباں کی وادیاں
اپنا مِزاج مَرتبہ دانِ بہار ہے

کی گفتگو تو دِل کی شگفتہ گلی ہوئی
نیرنگ کی زبان، زبانِ بہار ہے

***

(12)

اُمیدِ گُل میں مُیسر ہوں خار کیا کہیے
بہار میں بھی نہ جب ہو بہار کیا کہیے

رہا نہ آئینے پر جب غُبار کیا کہیے
نظر کے سامنے ہے حُسنِ یار کیا کہیے

مقام حدِ تخیل سے ہے بلند اُن کا
پہنچ سکے نہ وہاں گر پُکار کیا کہیے

فُغاں جو سینۂ گردوں کو چیر سکتی ہے
وہی فُغاں نہ ہو جب دِل کے پار کیا کہیے

ہمارا ظرفِ طلب ہی نہیں کِسی قابل
ترے کرم کو تو پَروردگار کیا کہیے

شکستہ ہو کے فزوں اور بھی ہے آئینہ
نگاہ ایک حَسیں بے شمار کیا کہیے

فقط دُعا ہی تھا اک آسرا مجھے لیکن
کیا ہے اُس نے بھی اب شرمسار کیا کہیے

فریبِ جذبِ محبّت نہ ہو کہیں شاید
ہے وصل میں بھی وہی انتظار کیا کہیے

شباب ایک فسانہ تھا سُن لیا میں نے
تھی ایک بات اُسے بار بار کیا کہیے

جدید رنگ میں لکھتا ہوں اب غزل نیرنگؔ
قدیم رنگ ہو جب ناگوار کیا کہیے

***

(13)

آئے گی میری یاد مِری زندگی کے بعد
ہوگی نہ روشنی کبھی اِس روشنی کے بعد

مجھ کو وَفا بھی روئے گی مِری کمی کے بعد
آتی ہے یاد آدمی کی آدمی کے بعد

وہ حال ہوگا بزمِ جہاں کا مِرے بغیر
ہوتا ہے رنگ بزم کا جو برہمی کے بعد

مجھ کو سِتم سے چرخ کے ہرگز گِلہ نہیں
جانے گا مجھ کو وہ بھی مِری دشمنی کے بعد

سجدوں کے باوجود مقدّر کو کیا کہوں
میں بامُراد ہو نہ سکا بندگی کے بعد

اِحساں نگاہِ ناز کا ہوتا رہا اگر
کوئی کمی رہے گی نہ پھر اِس کمی کے بعد

مانا کہ غم کے بعد مسّرت ضرور ہے
لیکن جیئے گا کون تری بے رُخی کے بعد

مجھ کو خبر نہ تھی کہ محبّت بھی جُرم ہے
دِل نے بڑھائے حوصلے اس آگہی کے بعد

نیرنگؔ! شاعری تھا مِرا مقصدِ حیات
معلوم کیا ہو حال مِرا شاعری کے بعد

***

(14)

لایا ہے تازہ غم کوئی دوراں مرے لیے
نازل ہوئی ہے رَحمتِ یزداں مرے لیے

ہے روز و شب تصوّرِ مژگاں مرے لیے
ہر خار بھی ہے رشکِ گُلستاں مرے لیے

زخموں سے دِل کی رونقیں کچھ اور بڑھ گئیں
ہر سُو ہے اس سے دِل میں چراغاں مرے لیے

قُربِ نصیب ہو نہ بَلا سے مجھے کبھی
کچھ کم نہیں تصورِ جاناں مرے لیے

جوشِ جُنوں نے اور سُبک سار کردیا
ہے بارِ دوش تارِ گریباں مرے لیے

اُن کی عنایتوں سے گُزرتی چلی گئی
ورنہ یہ زندگی نہ تھی آساں مِرے لیے

کتنا وہ دِل رُبا تھا میرے دِل سے پوچھئے
محفل میں ان کا ناز خراماں مِرے لیے

میں مبتلائے شورشِ ہستی نہ ہوسکا
کچھ دِل لگی کے کم نہ تھے ساماں مِرے لیے

تعبیرِ خواب کچھ بھی کریں اہلِ دِل مگر
دُنیا ہے ایک خوابِ پریشاں مِرے لیے

نیرنگؔ! کیوں ہو رحمتِ یزداں کا اب گلہ
حائل ہوئی ہے تنگیِ داماں مِرے لیے

***

(15)

زخمِ دِل اُن کے تصوّر میں فروزاں بھی ہوئے
یہ وہی دِل ہے جہاں جشنِ چراغاں بھی ہوئے

قہر آلود نگاہوں کے کچھ احساں بھی ہوئے
دِل پریشاں بھی ہوئے دید کے ساماں بھی ہوئے

جب کسی طرح نہ پایا گیا منزل کا پتہ
ہم اُسی شوق میں پھر راہی طُوفاں بھی ہوئے

غم و آلام بھی فطرت کو بدلتے کیوں کر
جب گُلِ تر کی طرح خاروں میں خنداں بھی ہوئے

یاد وہ دِن ہیں کہ جب پائی جنوں نے تسکیں
اپنی برکت تھی کہ آباد بیاباں بھی ہوئے

تم مؤذن بھی ہو، ناصح بھی ہو، واعظ بھی ہو، شیخ
یہ بتاؤ کہ کِسی وقت تم انسان بھی ہوئے

کبھی مژگاں کا تصوّر تو کبھی عارض کا
خارزاروں میں پھرے محوِ گلستاں بھی ہوئے

اپنی قسمت نہ بدلنی تھی نہ بدلی نیرنگؔ
نو بہاروں کے بھی دِن آئے گُریزاں بھی ہوئے

***

(16)

دِیوار دیکھتے رہے، دَر دیکھتے رہے
یُوں ہم خیال میں ترا گھر دیکھتے رہے

دِل دیکھتے رہے ہیں جِگر دیکھتے رہے
جاتا کدھر ہے تیرِ نظر دیکھتے رہے

شب بھر طلسم دِیدۂ تر دیکھتے رہے
دامن میں اپنے لعل و گُہر دیکھتے رہے

تم دیکھتے ہی رہ گئے اَغیار کی طرف
اور ہم فقط تمہاری نظر دیکھتے رہے

چرخِ بریں پہ کس لیے کرتے بَھلا نگاہ
جب ہم زمیں پہ شمس و قمر دیکھتے رہے

تجھ سے تو کچھ تعلقِ خاطر نہ تھا ولے
ہم اپنی آہِ دِل کا اثر دیکھتے رہے

تُو تو چھُپا کیا مگر اہلِ نظر ترا
جلوہ بقدرِ ذوقِ نظر دیکھتے رہے

جب تک کہ تم سنوارا کیے گیسوئے جمیل
ہم اِنتشار قلب و جگر دیکھتے رہے

دِلدادگانِ منزلِ مقصود چل دئے
ہم ساعتِ نمودِ سحر دیکھتے رہے

نیرنگ دِل لگی کے تو سامان تھے بہت
ہم تیری چشمِ ناز مگر دیکھتے رہے

(17)

مجھ سے بے رُخ وہ مِرا صاحبِ اعجاز نہیں
چارہ گر آج طبیعت مِری ناساز نہیں

عرش سے دُور اگر تیری تگ و تاز نہیں
تُو تو گنجشکِ فر و مایہ ہے شہباز نہیں

آشیانے میں پہنچ جاؤں میں کیوں کر صیّاد
جب کہ دیوارِ قفس تک میری پَرواز نہیں

وہی آوازِ حقیقت ہے جو دِل سے نِکلے
لَب سے نِکلی ہوئی آواز تو آواز نہیں

درِ جاناں پہ رسائی تو بہت مشکل ہے
درِ مَے خانہ اگر تیرے لیے باز نہیں

کون ہے جس سے کہیں غم کا فسانہ نیرنگؔ
محرمِ راز سے پنہاں تو کوئی راز نہیں

***

(18)

ناوکِ ناز جو پیوستِ رگِ جاں دیکھا
زیست کا لُطف مِلا، دَرد کا دَر ماں دیکھا

نہ رہا جب دِلِ مغرُور کا پَردہ حائل
لاکھ پَردوں میں بھی ہم نے اُسے عُریاں دیکھا

چمنِ دَہر میں آسُودہ نہیں ہے کوئی
گُلِ خوش رنگ کو بھی چاکِ گریباں دیکھا

نہیں مُمکن کہ بلندی پہ بھی راحت ہو نصیب
ہم نے اس اَوج پہ بادل کو بھی گریاں دیکھا

کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجیے
ہم نے اپنی ہی طرح سب کو پریشاں دیکھا

جوش زن اور زیادہ ہوئی رحمت نیرنگؔ
مجھ میں ناکردہ گناہوں کا جو اَرماں دیکھا

***

(19)

ناکامیوں کے بعد بھی پا دَر سفر تو ہے
منزلِ کی جُستجو میں بیچارا بشر تو ہے

واقفِ نہ غم سے ہو کوئی تیری نظر تو ہے
کافی ہے اس قدر بھی کہ تجھ کو خبر تو ہے

یہ اور بات ہے کہ زباں سے نہ کچھ کہوں
اظہارِ رازِ دِل کے لیے چشم تَر تو ہے

کیا غم جو بند ہوگئے دَر ہائے زندگی
رَحمت کا دَر کُھلا ہوا شام و سحر تو ہے

ناداں سمجھ کے میری خطاؤں سے در گُزر
مجھ کو تو ہوش ہو نہ ہو تجھ کو مگر تو ہے

کیوں کر فرار خانۂ زِنداں سے میں کروں
مانا قفس ترا سہی میرا بھی گھر تو ہے

طاقت کہاں کہ خرمنِ باطل جلا سکوں
تیری نظر کی آتشِ برق و شرر تو ہے

کرنے لگا ہوں ظاہر و باطن میں امتیاز
رسمِ جہاں کی مجھ کو بھی اتنی خبر تو ہے

دُنیا کے رنگ و بُو سے محبّت نہ ہوسکے
تیرا کرم ہمیشہ سے مدِّنظر تو ہے

جب تک نہ ایک دیر و حرم کا ہو فیصلہ
میری جبیں ہے اور ترا سنگِ دَر تو ہے

نیرنگؔ سے میں اور نہ رشتہ کروں تلاش
اتنا بھی کم ہے کیا وہ مرا ہم سفر تو ہے

***

(20)

شدّتِ غم ہے مِری طرزِ فُغاں سے باہر
گفتگو کرتا ہوں اندازِ بیاں سے باہر

ڈھونڈ ہی لوں گا کہیں اپنے مقام و منزل
اب تو لے چل مجھے اے مرگ یہاں سے باہر

ایک منزل کے لیے سینکڑوں رَستے ہیں مگر
دیکھنا یہ ہے کہ جانا ہے کہاں سے باہر

سب نے گلزار میں دیکھا ہے تماشائے بہار
مجھ کو تقدیر نہیں لائی خزاں سے باہر

مانگنے کا جو سلیقہ تھا نہ آیا مجھ کو
پھر بھی تو دیتا رہا وہم و گماں سے باہر

شعر کے واسطے ہے حُسنِ بیاں بھی نیرنگؔ
شعر کہنا ہو تو کہیے نہ زباں سے باہر

***

(21)

میں ساقیِ فِطرت کا کرم دیکھ رہا ہوں
ہر شاخ پہ اِک ساغرِ جم دیکھ رہا ہوں

ہر برگ میں تصویرِ صَنم دیکھ رہا ہوں
قُدرت کے مُصِور کا قلم دیکھ رہا ہوں

ہر دَشت میں، دَریا میں، بیابان میں جا کر
جلوہِ ترا آنکھوں کی قسم دیکھ رہا ہوں

کچھ قافلے آتے ہوئے ہستی کو عدم سے
کچھ جاتے ہوئے سُوئے عدم دیکھ رہا ہوں

رقصاں ہیں کہیں عیش وطرب شوق سے باہم
برپا کسی جا ماتم و غم دیکھ رہا ہوں

کرتا ہے کوئی رقص حسیناں کے گروہ میں
آنکھیں کسی بچارے کی نم دیکھ رہا ہوں

بخشے ہیں کہیں ناز و نعم تو نے فراواں
یاں بھوک مِٹانے کو بھی کم دیکھ رہا ہوں

جَلوت ہے گراں بار کِسی جانِ حزیں پر
خلوت میں کہیں لُطفِ اِرم دیکھ رہا ہوں

سب کچھ ہے بجا دیکھ مگر حضرتِ نیرنگ
میں زیرِ زمیں سب کو بہم دیکھ رہا ہوں

***

(22)

نظر میں سمائے نظر آتے آتے
ہوا دِل میں اُن کا گُزر آتے آتے

کوئی کاش لادے خبر آتے آتے
کہاں رہ گئے وہ اِدھر آتے آتے

کبھی تو مُقدّر بھی چمکے گا اپنا
ضِیا بار ہوگا قمر آتے آتے

توقع تو ہے اب بھی آئیں وہ شاید
کہیں بُھول کر میرے گھر آتے آتے

یہ مانا کہ وعدہ وَفا کیجیے گا
گُزر جائیں گے ہم مگر آتے آتے

نہ مجبور کر شیخ سجدوں پر مجھ کو
طبیعت ہے آئے گی پَر آتے آتے

خوشی سے روانہ ہوئے سُوئے بستی
یہاں ہوگئے چشمِ تَر آتے آتے

تبسم کُناں کاش پُوچھیں وہ مجھ سے
چلے آرہے ہو کدھر آتے آتے

ادب سے جُھکا دی جبیں میں نے نیرنگؔ
جو دیکھا تیرا سنگِ دَر آتے آتے

***

(23)

محبّت کی ہم داستاں چھوڑ جائیں
یہی نقش باقی یہاں چھوڑ جائیں

کریں شِکوۂ غیر ہم کس زباں سے
اگر راہ میں مہرباں چھوڑ جائیں

بہاریں تو ہم سے چُھڑا دیں کسی نے
یہ جانیں گے ہم جب خزاں چھوڑ جائیں

چمن پر اگر کوئی الزام آئے
تو بہتر ہے ہم آشیاں چھوڑ جائیں

چلے جائیں ہم تیری محفل سے لیکن
دِلِ مُضطرب کو کہاں چھوڑ جائیں

رہے گا وہاں مُدّتوں ذِکر اپنا
جہاں اپنی ہم داستاں چھوڑ جائیں

نہ حاصل ہو لُطفِ بیاں جب کہ نیرنگؔ
تو بہتر ہے طرزِ فُغاں چھوڑ جائیں

***

(24)

اسیرانِ قفس کی بات جب گُلزار تک پہنچے
چمن والو! کہیں ایسا نہ ہو اَغیار تک پہنچے

فُغاں میری نہ گر تیرے در و دیوار تک پہنچے
تو دِل کی بات آخر کس طرح سرکار تک پہنچے

سدا ذوقِ تمنّا نے ہماری رہنمائی کی
لَبِ دَریا کبھی آئے، کبھی کُہسار تک پہنچے

کوئی شِکوہ نہیں تجھ سے نہ تیری بے وفائی سے
محبّت کی رَوش میں ہم نہیں معیار تک پہنچے

چُھپا سکتا تھا اپنا رازِ دِل کیوں کر بھلا نیرنگؔ
غم وَرنج والَم ہی جب مِرے اشعار تک پہنچے

***

(25)

ہم اپنے ظرف کا پہلے جو امتحاں کرتے
مجال کیا جو گرم پر ترے گُماں کرتے

ہم اُن سے دَردِ محبّت بھی کیا بیاں کرتے
یہ رسمِ عشق کہاں تھی اگر فُغاں کرتے

نہ شاخِ گُل پہ بناتے ہم آشیاں اپنا
اگر بہار میں فکرِ غمِ خزاں کرتے

ہر اِک مقام ہے تیرا ہر اِک تری منزل
کوئی بتا دے کہ سجدہ کہاں کہاں کرتے

خودی کا پاس نہ ہوتا اگر زمانے میں
جبیں کو ہم بھی کہیں وقفِ آستاں کرتے

جو ہوتی قدرِ متاعِ ہُنر تو اے نیرنگؔ
یہ آرزو تھی کہ کچھ خدمتِ زباں کرتے

***

(26)

ہُوں کوچہ و بازار میں بدنام زیادہ
رُسوا نہ کر اے گردشِ ایّام زیادہ

آؤ گے مِرے ساتھ جو دوگام زیادہ
ہو جائیں گے پُرنُور دَر و بام زیادہ

رہنے دے یہاں گردشِ ایّام زیادہ
ہے گنجِ قفس میں مجھے آرام زیادہ

محتاجِ کرم رندِ خرابات ہے ساقی
ہوں تشنہ بلَب بھردے مرا جام زیادہ

واعظ تیرے سمجھانے سے توبہ نہیں ہوتی
میں پیتا چلا آیا صبح و شام زیادہ

کیوں اہلِ عدم کی مرے چہرے پہ نظر ہے
کیا مَیں ہی یہاں آیا ہوں ناکام زیادہ

اے شیخ کسے دیکھ سکوں گا مَیں حرم میں
کچھ دیر میں ہوتے تو ہیں اصنام زیادہ

موقوف طوالت پہ نہیں عُمر کسی کی
ہے عُمر وہی جس میں کہ ہو نام زیادہ

نیرنگؔ کے شعروں میں نہ کیوں رنگِ بقا ہو
ہر شعر میں جب ملتے ہیں پیغام زیادہ

***

(27)

جب سے مِرے لیے ترا ذوقِ نظر بدل گیا
شام بدل گئی مِری رنگِ سحر بدل گیا

ہائے مِرا نصیب بھی کتنا بدل گیا ہے آج
غیر تو کیا بدل گئے تو بھی مگر بدل گیا

یا تو کچھ آ گئی کمی تیرے ہی اِلتفات میں
یا مِری دُعاؤں میں جو تھا اثر بدل گیا

وقت سے سب بدل چکی آج کی بزم کائنات
اہلِ کرم بدل گئے، طالبِ زَر بدل گیا

عزمِ سفر تو تھا مِرا جانبِ کعبۂ محترم
آپ کی دید سے مگر عزمِ سفر بدل گیا

***

(28)

آزُردگی کی رات ہے آشفتگی کے دِن
یُوں ہی گُزر رہے ہیں مِری زندگی کے دِن

یاروں کو روز و شب ہیں مُیّسر خوشی کے دِن
کس کو خبر گُزرتے ہیں کیوں کر کسی کے دِن

بنتے ہیں سب حریف جہانِ خراب میں
آتے ہیں جب خراب کسی آدمی کے دِن

چشمِ کرم کی مجھ کو اُمیدیں تو ہیں بہت
کس طرح کٹ سکیں گے تری بے رُخی کے دِن

اہلِ جہاں کے خُلق سے مجھ کو تو ہے گلہ
کہتے ہیں لوگ اب کے ہیں شائستگی کے دن

چرچا یُوں ہی رہے گا اَدب کے بیان میں
افسوس پھر نہ آئیں گے وہ شاعری کے دِن

نیرنگؔ اُلجھنیں تری پیری کے دَور میں
کم بخت تھے یہی تو تری بندگی کے دِن

(29)

اپنا تو نہیں کوئی بھی، اغیار بہت ہیں
گل باغِ تمنا میں نہیں خار بہت ہیں

کس چیز کی ہم اُن سے کریں اور تمنا
غم اپنے لیے پہلے ہی سرکار بہت ہیں

بیزار نہ کر اور ہمیں عالمِ فانی
ہم خود ہی یہاں پہلے سے بیزار بہت ہیں

ہمدرد کوئی میرے قریب آئے نہ آئے
ہمدرد مرے اب دَر و دیوار بہت ہیں

کیوں زحمتِ گُل ہائے چمن کی ہو ضرورت
زخموں سے شگفتہ یہاں گلزار بہت ہیں

ممکن ہے ترے آنے سے تسکین ہو دِل کو
محتاج توجہ ترے بیمار بہت ہیں

دل بستگیِ عام کی پروا نہیں نیرنگ
بہلانے کو دِل جب مرے اشعار بہت ہیں

***

(30)

کسی کودے کے دِل کیوں اس کو دِل کی داستاں کہیے
یہی بہتر ہے خاموشی کو ہی اپنی زباں کہیے

نہیں موقوف کچھ دَیر و حَرم پر حضرتِ واعظ
جہاں جُھک جائے سر سجدے میں اُس کو آستاں کہیے

ہمیں بخشی گئیں کون و مکاں کی وُسعتیں آخر
تو پھر کیوں چار تِنکوں ہی کو اپنا آشیاں کہیے

لکھے جاتے ہیں مجبوری میں چند اشعار اے نیرنگؔ
اسے عہدِ رواں میں خدمتِ اُردو زباں کہیے

***

(31)

یہ اُن کی رضا ہے، مجھے آرام نہ آئے
وہ میری عیادت کو بھی دوگام نہ آئے

شُوریدہ سَری پر مری اِلزام نہ آئے
اللہ کرے لب پہ ترا نام نہ آئے

خُود غرض جو احباب کا آیا ہے زمانہ
تھا جن پہ بھروسہ وہ مرے کام نہ آئے

آجاؤں گا میں لوٹ کے صحرائے عدم سے
رستے میں اگر اُن کے در و بام نہ آئے

اُمید لیے بیٹھے ہیں رندانِ بلا نوش
ساقی کا اشارہ ہے کہ اِک جام نہ آئے

فرقت میں بسر ہوتی رہیں عمر کی گھڑیاں
رنگین شب وِصل کے پیغام نہ آئے

کیا ہوگیا وہ رنگین بہاروں کے مزوں کو
وہ لوٹ کے اَب تک بھی صبح وشام نہ آئے

ایام غم زیست گزرتے نہیں نیرنگ
کیا ہوگا اگر گردشِ ایام نہ آئے

***

(32)

نہ آئیں محفل رندان میں بیگانے تو اچھا ہے
نہ جانیں راز دیوانوں کا فرزانے تو اچھا ہے

تمہاری چشم میگوں سے بجھائی تشنگی میں نے
اسی گردش میں دائم آئیں پیمانے تو اچھا ہے

نہاں تخریب میں تعمیر نو کا راز ہوتا ہے
رہیں گر بجلیوں کی زد میں کاشانے تو اچھا ہے

حکایت سن چکا ہوں تلخی دوراں کی میں اکثر
محبّت کے سنائے کوئی افسانے تو اچھا ہے

نزاکت سے پسینہ شمعِ محفل کو آئے گا
نہ آئیں گردِ شمع اتنے پروانے تو اچھا ہے

بہت اُکتا چکا ہے اَب تو آبادی سے دِل میرا
کوئی لکھ دے مری قسمت میں ویرانے تو اچھا ہے

نہیں معلوم کیوں کر ہوں، کہاں ہوں، کون ہوں نیرنگؔ
میں جس کے پاس آیا ہوں وہ پہچانے تو اچھا ہے

(14-12-1961) ***

(33)

تِری محفل میں میخوارانِ تشنہ کام باقی ہیں
سیہ بختی کے شاید اور کچھ ایام باقی ہیں

اَثر کچھ گردشِ اَیام کا مجھ پر نہیں ہوتا
غموں میں زندگی گُزری، غم و آلام باقی ہیں

مِری آزادیاں مجھ کو قفس میں پھر نہ لے جائیں
وگرنہ دوش پر صیاد کے کیوں دام باقی ہیں

یہ کیا انصاف ہے ساقی ترے عہدِ حکومت میں
کہ مے خانے میں مے باقی نہیں ہے، جام باقی ہیں

ابھی تک ایک انجامِ محبّت ہم نے دیکھا ہے
نہ جانے اور کس کس کام کے انجام باقی ہیں

اَجل کچھ انتظارِ چند روزہ اور بھی کرلے
کہ دُنیا کو ابھی مجھ سے بہت سے کام باقی ہیں

اگرچہ انتہا پر رنگِ محفل ہے مگر نیرنگؔ
ابھی کچھ شاعرانِ خوش گلو کے نام باقی ہیں

***

(34)

خیال یارِ جو محکم رہا تو کیا ہوگا
فنا کے بعد بھی یہ غم رہا تو کیا ہوگا

ترا کرم ہے کہ دونو جہان باقی ہیں
ذراسی دیر جو برہم رہا تو کیا ہوگا

نگاہِ شیخ میں ساقی فراخِ دل ہے مگر
ہمارا ظرف اگر کم رہا تو کیا ہوگا

جھکا رہا ہوں جبین نیاز سجدے میں
میں حشر تک بھی اگر خم رہا تو کیا ہوگا

غرض یہ ہے کہ تمنا نہ ہو کوئی دِل میں
جو دِل حریصِ دو عالم رہا تو کیا ہوگا

تمہیں ہٹا نہ سکو گے نقاب چہرے سے
ہمارا ذوق جو پیہم رہا تو کیا ہوگا

نہیں ہے فکر سحر تک جلے جلے نہ جلے
چراغ شام سے مدھم رہا تو کیا ہوگا

مٹا رہے ہیں وہ اُردو کو حضرتِ نیرنگؔ
ہمارے دم میں اگر دم رہا تو کیا ہوگا

***

(35)

رُخِ شباب بھی اپنا ہے زعفراں کی طرح
بہار بھی مِرے گلشن کی ہے خزاں کی طرح

ہمیشہ تو جو رہا مجھ پہ مہرباں کی طرح
جہاں رہا ہوں، رہا ہوں میں آسماں کی طرح

مِری خودی سے کسی کا مقابلہ کیا ہے
ہوں سُر بلند قفس میں بھی آشیاں کی طرح

حریمِ ناز کے باہر کہاں کروں سجدہ
کوئی مقام نہ پایا اُس آشیاں کی طرح

مِرا خیال بدل دے گا کائنات کو بھی
کھلیں گی لاکھ زبانیں مِری زباں کی طرح

وہ لوگ جن کو فراغت نصیب ہے اکثر
حیات اُن کی بھی ہے میری داستاں کی طرح

تمہارا غم میرا سرمایۂ حیات رہا
چھپایا برسوں اُسے میں نے راز داں کی طرح

چمن کو چھوڑ کے کنجِ قفس میں آبیٹھا
ہر ایک چیز جو دیکھی وہاں خزاں کی طرح

جو حق پسند نہیں کہتے حق سدا نیرنگ
زبانِ غیر کہاں ہے مِری زباں کی طرح

***

(36)

رہے ہیں منظر گلزار میں سر و سمن برسوں
بجز تیرے نہ دیکھا دوسرا نازک بدن برسوں

رہا گردش میں پیہم آج تک چرخِ کہن برسوں
نہ پایا کوئی تیری شان کا اے جانِ من برسوں

زمانے کے اَثر نے بھی مِری فطرت نہیں بدلی
وہی ہے اَب بھی قائم جو کہ تھا اپنا چلن برسوں

مِری قسمت کہ اِک دن بھی قدم رنجہ نہ فرمایا
عبث ہوتے رہے ہیں برق و باراں خیمہ زن برسوں

خدایا جائے منزل تک سلامت قافلہ دِل کا
کہ اِس کی جستجو میں پھر رہے ہیں رہزن برسوں

کسی نے بھی اُنھیں دو چار ساعت تک نہ ٹھہرایا
مرا گھر تھا جہاں رہتے رہے رنج و محن برسوں

نگاہِ بد سے اپنی سَر زمیں محفوظ ہو یا رب
لہو دے دے کے رکھی ہم نے بنیادِ چمن برسوں

دِلِ شاعر کا سارا خشک ہوتا ہے لہو اس میں
کہیں ہوتی ہے جاکر پختہ کاریِ سخن برسوں

اگرچہ بے وفائی کی وطن والوں نے اے نیرنگؔ
تصور میں ہمیشہ ہی رہی یادِ وطن برسوں

***

(37)

خوئے بادہ ہے نہ ہے کچھ ذوقِ پیمانہ مجھے
کیوں نہ جاؤں جب بُلائے خود ہی میخانہ مجھے

آ نہ سکتے تھے کبھی آدابِ رندانہ مجھے
تھپکیاں دیتا گیا کچھ جوشِ مستانہ مجھے

ہائے دِل کو کیا ہوا دامانِ گل کو دیکھ کر
یاد کچھ کچھ آگیا بُھولا سا افسانہ مجھے

اِس قدر شوخیِ حضورِ شمع تو جائز نہیں
بے ادب معلوم ہوتا ہے یہ پروانہ مجھے

میں یگانوں میں گنا جاتا تھا کوئی وقت تھا
اب کہے جاتا ہے ہر اِک شخص بیگانہ مجھے

تری محفل میں چلے آنا تو کچھ مشکل نہ تھا
تھا مگر مشکل دِلِ وحشی کو سمجھانا مجھے

دِل کا ہے یہ فیصلہ میں تجھ کو فرزانہ کہوں
جب نظر آتا نہیں کوئی بھی فرزانہ مجھے

ہاتھ خالی بھیجنے سے شرم آتی ہے حضور
ٹھہریئے یاد آگیا اِک دل کا نذرانہ مجھے

سیرتِ اُردو سے نیرنگؔ ہو نہ ہو کچھ واسطہ
جب پسند آتا ہے اُس کا رنگِ جذبہ انہ مجھے

***

(38)

میری حالت سے مسیحا نہ ہو بیزار بہت
زِندگانی کے ابھی باقی ہیں آثار بہت

ایک بھی مجھ کو مُیسّر گُل رنگیں نہ ہوا
مِری قسمت کے ہیں گلزار میں گو خار بہت

شوقِ دیدار ترا مرے مقدر میں کہاں
جنسِ کمیاب کے ہوتے ہیں خریدار بہت

ترے گرنے سے ہوا مرا شبستاں روشن
مجھ پہ احسان ہے ترا برقِ شررِ بار بہت

وائے قسمت کہ میرے گھر میں ترشح نہ ہوا
گرچہ گھر آئے وہاں ابرِ گہر بار بہت

یہی پہچان ہنر مند کی ہوتی ہے ندیم
وُہ زمانے میں ہوا کرتے ہیں نادار بہت

کچھ نہ کچھ تجھ میں کمی ساقیِ محفل ہے ضرور
ترے دیوانوں میں جب باقی ہیں ہشیار بہت

اپنے ہی نام سے پڑھتے ہیں جو اوروں کا کلام
ننگِ محفل وہ ہوا کرتے ہیں سرکارِ بہت

ہو نہ مایوس زمانے کے ستم سے اُردو
ہیں ابھی باقی یہاں ترے طلب گار بہت

اعتبار اپنوں پہ کیا کیجیے حضرتِ نیرنگؔ
کہ یگانوں میں ہوا کرتے ہیں اغیار بہت

***

(39)

لب سے نِکلی تو ہے فُغاں کوئی
کاش سمجھے مِری زباں کوئی

نگہِ برق میں کھٹکتی ہے
جب ہو تعمیرِ آشیاں کوئی

کیا محبّت ہو اِن بہاروں سے
پسِ پردہ ہو جب خزاں کوئی

اہلِ محفل کا حال کیا ہوگا
آن پہنچا اگر وہاں کوئی

مہربانی ہی بارِ احساں ہے
ہو الٰہی نہ مہرباں کوئی

عمرِ رفتہ کی جستجو کرتے
مِل ہی جاتا اگر نشاں کوئی

اُس جگہ دِل ہمیں بھی لے چلنا
بُوئے آدم نہ ہو جہاں کوئی

عاقبت کا خیال آتا ہے
ہو مُسافر اگر رَواں کوئی

چار دِن کی بھی زندگی ہے بلا
کیا کرے عُمر جاوداں کوئی

ہم بھی رکھتے ہیں دردِ دلِ نیرنگ
کاش سُنتا یہ داستاں کوئی

***

(40)

جلوۂ حُسن ہو دیوانے بھی آجاتے ہیں
شمع جلتی ہے تو پروانے بھی آجاتے ہیں

جُھومتا دیکھ کے محفل میں ترے مستوں کو
وجد میں ساغر و پیمانے بھی آجاتے ہیں

اپنی تقدیر پہ نازاں نہ ہو شیدائے چمن
گاہے تقدیر میں ویرانے بھی آجاتے ہیں

دامنِ شوق تو ہے بادیہ پیمائے حرم
لیکن اِس راہ میں بُت خانے بھی آجاتے ہیں

نظرِ اندازِ غلط ہوتا ہے جب عہدِ شباب
یاد بھولے ہوئے افسانے بھی آجاتے ہیں

پیشِ رندانِ بلا نوش نہیں کچھ مشکل
وہ اگر چاہیں تو میخانے بھی آجاتے ہیں

یوں تو خاموش سدا رہتے ہیں حضرتِ نیرنگؔ
لب پہ شعر آن میں پھر گانے بھی آجاتے ہیں

(28-03-1957)

***

(41)

زندگی آئی یہاں نالہِ شب گیر کے ساتھ
آہِ دل کاش نِکلتی میری تاثیر کے ساتھ

وہی اَندازِ تبسّم ہے وہی عِشوہ گری
ہو بہو کھنچ کے چلے آئے ہیں تصویر کے ساتھ

کاخ و اَیواں کی نہ کر فکر اَے دُنیا والے
بجلیاں تاک رہی ہیں اِنھیں تعمیر کے ساتھ

تم ابھی تک جو نہیں آئے کوئی عیب نہیں
کہ ہر اِک صاحبِ فن آتا ہے تاخیر کے ساتھ

ہم نے مانا کہ ہے آغازِ محبّت میں شکست
لیکن انجام محبّت تُو ہے تسخیر کے ساتھ

آبرو، صِحت و خُود داری و شکلِ انساں
غرض ہر چیز بگڑ جاتی ہے تقدیر کے ساتھ

یادِ ایام گُزشتہ کی حکایت نیرنگؔ
آئی جاتی ہے لبوں پر کبھی تقریر کے ساتھ

(02-04-1957) ***

(42)

ہم عشق کے ہاتھوں مجبوراً، اِس بزم میں لائے جاتے ہیں
پڑتی ہے نگاہِ کرم اُن کی، آتے ہی اُٹھائے جاتے ہیں

یوں کہنے کو ہم سب بندے ہیں، پر فرق ہے کتنا بندوں میں
وہ دِل میں سمائے جاتے ہیں، ہم دِل سے بھلائے جاتے ہیں

مت مان بُرا اے پیرِ حرم! ہے رند خفا جو تجھ پہ اگر
اس محفلِ رِنداں میں اکثر آداب سکھائے جاتے ہیں

یہ ہم ہی بتائے دیتے ہیں، تاثیر ہے کتنی ساغر میں
کچھ دیر ٹھہر جا اَے ساقی، ہم ہوش میں آئے جاتے ہیں

ہاں اتنا ہم بھی جان گئے، کچھ درد سا دِل میں ہوتا ہے
کچھ چرکے اَداؤں کے دِل پر، اِس طور لگائے جاتے ہیں

ناقدریٔ عالم کے ڈر سے مایوس نہ ہو اَے میری زباں
کچھ چاہنے والے تیرے بھی اِس دور میں پائے جاتے ہیں

اسرارِ محبّت پا جانا کچھ سہل نہیں ہے اے نیرنگؔ
یہ دِل کے ساز کے نغمے ہیں، اُس ساز پہ گائے جاتے ہیں

(17-02-1957) ***

(43)

جس وقت ہمارا محفل میں دِل اُن کے مقابل ہوتا ہے
جو دِل ہم اپنا سمجھتے ہیں، وہ دِل اُن کا دِل ہوتا ہے

اس عشق کے بحرِ تلاطم میں کشتی کا خدا خود حافظ ہے
کہتے ہیں جسے گرداب بلا وہ اپنا ساحل ہوتا ہے

فرہاد پہ کچھ موقوف نہیں یہ عشق کرشمہ ساز ہے خود
جو عاشقِ حاصل کرتا ہے وہ عشق سے حاصل ہوتا ہے

معلوم نہیں مَے خانے میں کیا کام ہے حضرتِ ناصح کا
جب ہم پی کر کے نکلتے ہیں وہ اندر داخل ہوتا ہے

اِس دردِ محبّت کی صحبت دُنیا میں نرالی دیکھی ہے
جب دِل کی محفل سونی ہو یہ آن کے شامل ہوتا ہے

اِس دُنیا کی دوری سے وہ تکمیل محبّت پاتا ہے
جو دُنیا کے ناقابل ہو وہ عشق کے قابل ہوتا ہے

یوں شکووں کا طومار تو ہے جب سامنے وہ آجاتے ہیں
اِک حرفِ شکایت بھی کہنا اپنے لیے مشکل ہوتا ہے

یہ شور و شغب اہلِ محفل کچھ نیرنگؔ کو منظور نہیں
خاموش نہیں گر تم رہتے وہ راہی منزل ہوتا ہے

***

(17-02-1957)

(44)

کچھ اُن کے چہرے سے افسردگی نظر آئی
خود اپنے عشق میں ہم کو کمی نظر آئی

کہیں چراغ محبّت بجھا ہوا سا تھا
وہ پاس آئے تو پھر روشنی نظر آئی

بھرے ہیں یوں تو زمانے میں ہندو و مسلم
کسی کسی میں بوئے آدمی نظر آئی

وفورِ غم کے چھپانے کی بات ہے ہمدم
کبھی کبھی جو لبوں پر ہنسی نظر آئی

بجا ہی ناز گنہگار کو تھا رحمت پر
اُسے اُمیدِ کرم واقعی نظر آئی

بہار آتی رہے ہم کو اُس سے کیا مطلب
کبھی نہ دِل کی کلی جب کھلی نظر آئی

نگاہِ ناز کے اُٹھتے ہی دِل پکار اُٹھا
بغیر جام و سبو مے کشی نظر آئی

جہان اُس کے لیے ایک فریب ہے گویا
جسے فریب میں بھی بندگی نظر آئی

یہ کیا کیا ہے کہ رحمت نے ہاتھ کھینچ لیا
مری خطا میں بھلا کیا کمی نظر آئی

متاعِ اُردو کو یاروں نے ہم سے چھین لیا
اُنھیں اِسی ہی میں شاید خوشی نظر آئی

وہ آئینہ مجھے حق نے عطا کیا نیرنگؔ
کہ جس میں دیکھتے ہی شاعری نظر آئی

****

(17-02-1957)

(45)

ہزار حَیف مرا راہبر غلط نکلا
مجھے تلاش تھی جس کی وہ گھر غلط نکلا

قضا سے اُن کا جو تیرِ نظر غلط نکلا
مری حیات کا مقصد مگر غلط نکلا

پھر اِس کے بعد بھلا التجا سے کیا حاصل
جو سَرد آہوں کا مری اَثر غلط نکلا

حریمِ ناز سے ہو جائے گا گزر مشکل
ترا پیام جو بادِ سحر غلط نکلا

خدایا! بندہ نوازی تو عین راحت ہے
مگر خطاؤں کا ڈر سر بسر غلط نکلا

بدلتی رہتی ہے اکثر خزاں بہاروں سے
غرور حسن تو پھر عمر بھر غلط نکلا

سعی تو تُو نے بھی کی ہے بقدر ہمت خود
ترے نصیب کا نیرنگؔ ثمر غلط نکلا

(18-07-1937) ***

(46)

مدارِ عیش پہ دُنیائے بے ثبات سہی
جو اور ہو نہ کوئی غم، غمِ حیات سہی

چلے ہی جاؤ گے آخر ابھی تو آئے ہو
زیادہ دیر نہ فرصت ہو ایک رات سہی

ہماری سخت کلامی پہ کیوں خفا ہو تم
کسی کا ہاتھ چلے ہے کسی کی بات سہی

کوئی بتائے ہماری خطا میں کیا ہے کمی
یہ مانا فیض سے معمور تری ذات سہی

ہوئی ہے باعثِ دلبستگی ہی موت آخر
غمِ حیات سے اچھا تو ہے نجات سہی

وہی خوشی ہے ہو جس میں تجھے خوشی حاصل
تجھے نصیب فتح اور ہمیں ہی مات سہی

کوئی فقیر نہیں ہوں مَیں رند ہوں ساقی
پلا سکو نہ زیادہ تو پانچ سات سہی

حَرم میں رہ کے بھی نیرنگؔ دِل سیاہ رہا
تو اس سے اچھا یہی ہے کہ سومناتھ سہی



(47)

دِل میں ہیں مِرے حسرت و ارمان زیادہ
افسوس کہ گھر تنگ ہے مہمان زیادہ

آثار تو ایسے ہیں کہ کچھ ہو کے رہے گا
بے وجہ ہے دِل آج پریشان زیادہ

ہو جاؤ نہ بدنام کہیں مِری طرح تم
آؤ نہ مِرے پاس، مِری جان زیادہ

جتنی ہو ضرورت مجھے اِتنی ہی عطا کر
رکھوں گا کہاں لے کے یہ سامان زیادہ

پہچان سکیں گے مجھے کب اہلِ زمانہ
جب خود کی نہیں مجھ کو بھی پہچان زیادہ

مُشکل تھا رقیبوں کے لیے کارِ محبت
نِکلا وہ مرے واسطے آسان زیادہ

کیوں کرتے ہو رُخسار پہ زلفوں کو پریشاں
ہوتا ہے دِلِ زار پریشان زیادہ

انگور سے رغبت ہو جسے مہ سے ہو نفرت
کون اُس کے سوا اور ہے نادان زیادہ

کشتی کو مَیں ساحل کی طرف لے تو چلا ہوں
آجاتے ہیں ساحل پہ بھی طوفان زیادہ

مَیں اُٹھ کے چلا آیا تِری بزم میں ساقی
ہونے لگا دِل گھر میں پریشان زیادہ

جس روز سے مرنے کی قسم کھائی ہے میں نے
ہونے لگے وہ تب سے پشیمان زیادہ

ہوتے ہیں زمانے میں وہی وعدہ شکن بھی
کرتے رہیں جو وعدہ و پیمان زیادہ

آبیٹھا تھا میں پاس ترے شوق سے واعظ
مَیں سمجھا کہ تو ہوگا کچھ اِنسان زیادہ

کس بات کی نیرنگؔ ہے کمی جب کہ خدا نے
بخشی ہے تجھے دولتِ ایمان زیادہ

***

(48)

کام ہو نہ آدمی کو آدمی کے کام سے
پھر تو شاید کچھ بسر ہو زندگی آرام سے

مَیں نہیں ہوں وہ جو گھبرانے لگے دشنام سے
بلکہ بڑھ جاتی ہے رغبت اور اِس انجام سے

وہ شکستِ فاش دیکھی ہے دلِ ناکام سے
زندگی شرما رہی ہے زندگی کے نام سے

بے نقاب آئیں جو وہ تو پڑ ہی جاتی ہے نظر
کون بچ سکتا ہے آخر اِس حسیں الزام سے

مجھ سے رندِ بے نوا کو کنجِ خلوت چاہیے
دِل مرا گھبرا رہا ہے اِلتفات عام سے

اللہ اللہ دستِ ساقی کا کرم اور یہ گھٹا
پھر نہ ٹکرائے کہیں توبہ مئے گلفام سے

خُلد کی نہروں سے کیا اُمید رکھ سکتا ہے وہ
جس نے سیکھا ہی نہیں پینا ابھی تک جام سے

اے سکونِ دِل کے متلاشی تجھے معلوم کیا
اور لطفِ زیست بڑھتا ہے غم و آلام سے

میری ہستی خوگرِ آلامِ زنداں ہوچکی
میں نے کب چاہا رہائی ہو تمہارے دام سے

رُوحِ نیرنگؔ مذہبوں کی قید سے آزاد ہے
واسطہ اُس کو نہیں ہے کفر اور اسلام سے

(03-10-1959)

(49)

نگاہِ لُطف و کرم ہو تو عید ہوتی ہے
نصیب دولتِ غم ہو تو عید ہوتی ہے

وَفا شِعار سِتم ہو تو عید ہوتی ہے
جو اِنتظارِ صنم ہو تو عید ہوتی ہے

خیال ترکِ حرم ہو تو عید ہوتی ہے
کوئی صنم میں قدم ہو تو عید ہوتی ہے

کبھی جو آنکھ میں نم ہو تو عید ہوتی ہے
خوشی بشکل الم ہو تو عید ہوتی ہے

قسم خدا کی نہ کھاؤ تمہیں خدا کی قسم
قسم ہماری قسم ہو تو عید ہوتی ہے

عُروجِ عشق یہی ہے تمہارے نام کے ساتھ
ہمارا نام رقم ہو تو عید ہوتی ہے

"کسی کا مجھ کو نہ، محتاج کر زمانے میں"[1]
کرم وہ ترا کرم ہو تو عید ہوتی ہے

جبینِ شوق نے سجدے کہاں کہاں نہ کیے
تمہارے در پہ جو خم ہو تو عید ہوتی ہے

فروغِ زلفِ سیاہ چاہیے قمر کے لیے
جو نُور و سایہ بہم ہو تو عید ہوتی ہے

تمہارے وعدۂ فردا کو کیا کرے کوئی
یہ اِلتفات ہی کم ہو تو عید ہوتی ہے

نِشاطِ شعر و سخن میں یہی تو ہے نیرنگؔ
زباں ہو، زورِ قلم ہو تو عید ہوتی ہے

***

(22-03-1967)

[1] داغؔ دہلوی

(50)

مژگاں کے تصور میں سحر ہو ہی رہی ہے
یوں زندگی کانٹوں پہ بسر ہو ہی رہی ہے

ظُلمت کے گریباں سے سحر ہو ہی رہی ہے
اَب آہ بھی مرہونِ اَثر ہو ہی رہی ہے

فریاد سے زاری سے بسر ہو ہی رہی ہے
جیسی ہے شبِ غم کی سحر ہو ہی رہی ہے

ہم رازِ دِل زار چھپا بھی نہ سکیں گے
ہر بات کی جب اُن کو خبر ہو ہی رہی ہے

ظاہر میں عتاب اُن کا نظر آتا ہے لیکن
پوشیدہ عنایت کی نظر ہو ہی رہی ہے

رُخ ایسا بدل ڈالا زمانے کی ہوا نے
جو چیز ہے مائل بہ اثر ہو ہی رہی ہے

یہ گردشِ ایام کی برکت کا ہے صدقہ
جیسی ہے بہر طور بسر ہو ہی رہی ہے

ساحل پہ پہنچنے کے لیے عُمر کی کشتی
بیتابی سے مائل بہ سفر ہو ہی رہی ہے

اِحسان جھکا دیتا ہے انسان کی گردن
سجدے میں نگوں شاخِ ثمر ہو ہی رہی ہے

بیچارگیٔ اُردو زباں دیکھ کے نیرنگؔ
ہر بزم اَدب دیدۂ تر ہو ہی رہی ہے

***

(25-11-1962)

(51)

بس دیکھ لی خوئے عیاری تم غیر کو ہمدم کر بیٹھے
ہم ہی سے ہوئی ہے نادانی جو سجدہ تمہیں ہم کر بیٹھے

یہ حُسنِ بتاں اور نورِ خدا اِک لفظ کے ہی دو مطلب ہیں
اِک ظاہر ہے اِک پوشیدہ ہم فرقِ دو عالم کر بیٹھے

تم خوگرِ جور و جفا سہی، ہے شرط وفا بھی چیز کوئی
اِک بار ہی کیا سو بار آئے، ہم دِل کو مصمم کر بیٹھے

جو تم نے کہا وہ ہم نے سُنا، جو ہم نے کہا وہ تم نے سُنا
اتنی سی تھی لیکن بات مگر تم اُس پر مظالم کر بیٹھے

جب دائم مُہر بہ لب ہی رہے، پھر شکوہ کس سے کیا کرتے
ہے سچ تو یہی کہ تیرے ڈر سے اقبالِ جرائم کر بیٹھے

ہر سختیِ گردشِ دوراں میں پوشیدہ محاسن ہوتے ہیں
ہم مفت میں گھبرا کر آخر کیوں چشم کو پُرنم کر بیٹھے

اِس عشق کے سودے میں نیرنگؔ سوچا تو خسارہ کچھ بھی نہ تھا
جب دونو جہانوں کے بدلے غم تیرا فراہم کر بیٹھے

کیا جانئے حضرتِ نیرنگؔ بھی جو تیشہ زباں تھے محفل میں
تقلید میں شیریں لوگوں کی منظور ترنم کر بیٹھے

***

(25-02-1957)

(52)

ہر دم خیالِ زلفِ پریشان چاہیے
عاشق کو اپنے عشق کا سامان چاہیے

ہونے لگی کسی کی عنایت کی جب نظر
پھر ترک رنج چاک گریبان چاہیے

جنت میں لطفِ بادہ حور و قصور ہے
بس دوستی حضرتِ رضوان چاہیے

جب مے کدہ دہر کا ہے ساقیٔ جاں نواز
بالائے طاق مذہب و ایمان چاہیے

آیا کریں اِدھر بھی مری جاں کبھی کبھی
کچھ تو خیال وعدہ و پیمان چاہیے

آجائے جب کہ یادِ پشاور کی سرزمیں
دِل میں ہجومِ حسرت و ارمان چاہیے

بندہ نواز، بندۂ نیرنگؔ پہ ہو نظر
سردی کے دِن کہیں چغہ کا غان چاہیے

***

(53)

ہندو سے دوستی نہ مسلمان چاہیے
گر چاہیے محبّت انسان چاہیے

ترچھی نگاہ سے شیخ نہ رندوں کو دیکھے
کچھ نیک و بد کی آپ کو پہچان چاہیے

کس کس کے دردِ ہجر میں آنکھیں ہوں اشک ریز
خِلوت میں اب تو اشک کا طوفان چاہیے

جی کس طرح لگے کہ مَیں یاروں سے دور ہوں
میرے لیے تو عالمِ ویران چاہیے

فرمائشوں پہ آپ کی اُستادِ محترم
چُغہ تو کیا ہے جان بھی قربان چاہیے

پہنچا نہیں جو آپ کو معذور جانیئے
کچھ انتظارِ گردشِ دوران چاہیے

انورؔ کے حالِ زار پہ نیرنگؔ بھی تھی
نظرِ کرم کی آپ کا اِحسان چاہیے

***

جواب میں.....از حضرت مسعود انورؔ پشاور

(54)

غم مرا منتشر نہ ہوجائے
حالِ دِل کی خبر نہ ہو جائے

ہجر ہی میں سحر نہ ہو جائے
شب کہیں مختصر نہ ہو جائے

روز جاتے ہیں آئینہ خانے
اُن کی اپنی نظر نہ ہو جائے

اُن کے وعدوں پہ زندگانی ہے
عمر یونہی بسر نہ ہو جائے

کاش آئیں نہ وہ نظر یا رب
دِل مرا اُن کا گھر نہ ہو جائے

سخت غافل میں قافلے والے
رہزن، راہبر نہ ہوجائے

راہِ عشق و وفا سے گھبرا کر
دیکھنا چشم تر نہ ہو جائے

مجھ کو ڈر ہے کہ آتشِ غم سے
آہ آتش اثر نہ ہو جائے

چرخ کی کج ادا سے کیا مطلب
دوست دشمن اگر نہ ہو جائے

تیرے رنگِ سخن سے اَے نیرنگؔ
شاعری اَوج پر نہ ہو جائے

***

(55)

پاس اُن کو بلا نہیں سکتے
حالِ دل ہم سُنا نہیں سکتے

کیا یہی شانِ کبریائی ہے
رُخ سے پردہ ہٹا نہیں سکتے

مُبتلائے غم و محبّت کو
چارہ گر بھی بچا نہیں سکتے

کیا ستم ہے کہ تیری محفل میں
جا تو سکتے ہیں آ نہیں سکتے

طولِ ارض پیما تو ممکن ہے
دِل کی وسعت کو پا نہیں سکتے

ترے حَسن و شباب مَیں نغمے
ایسے نغموں کو گا نہیں سکتے

مے کدہ میں تو آ کے اَے واعظ
آپ ہم کو سِکھا نہیں سکتے

لُطفِ ہجر و وصال کی باتیں
جان کر بھی بتا نہیں سکتے

داغِ دِل بے شمار ہیں لیکن
حیف اُن کو دِکھا نہیں سکتے

لاکھ کوشش کے باوجُود رقیب
رنگِ نیرنگ اُڑا نہیں سکتے

***

(08-12-1958)

(56)

غیر کا رنگ ہے جُدا، طرزِ کلام اور ہے
میرے سمندِ فکر کا محوِ خرام اور ہے

فصلِ بہار اور ہے، موسم عام اور ہے
دِل میں نہ ہو جو برہمی لُطفِ کلام اور ہے

اہلِ جہاں کے درمیاں نسبت مقام ہے مرا
مری نگاہ کے لیے رفعتِ بام اور ہے

دامِ فریب میں ترے آ گیا مَیں تو غم نہیں
جس مَیں ہو صید مرغِ دل وہ کوئی دام اور ہے

صُحبت میں کل رقیب کی اُن پہ ہوا نہ ہو اثر
بگڑا ہوا مزاج ہے رسمِ سلام اور ہے

تری طرح اَے شیخ مَیں سَربسجود ہوں مگر
میری جبینِ ذوق کے سجدے کا نام اور ہے

تری نگاہِ مست سے نسبت ہے کیا شراب کو
وہ کوئی جام اور تھا یہ کوئی جام اور ہے

پرزوں کے خط کو دیکھ کر نہ خُوف کر اے نامہ بر
پہلے سے جانتا تھا تو اُن کا پیام اور ہے

فیضِ قدم سے جن کے میں نیرنگؔ فیض یاب ہوں
میرے دِلِ نیاز میں اُن کا مقام اور ہے

***

(28-01-1959)

(57)

مُرغِ دِل مائل پرواز جو ہر آن ہوا
دامِ گیسو میں گرفتار وہ نادان ہوا

جَور پر اپنے جو وہ دِل سے پشیمان ہوا
اُس سے دو بارہ مجھے ملنے کا ارمان ہوا

آرزوؤں کے بر آنے کا جو امکان ہوا
کوئی دِن اور میرے جینے کا سامان ہوا

سخت مشکل تھا گزر بحرِ فنا سے لیکن
مَے و میخانے کی برکت سے یہ آسان ہوا

عمر بھر جس نے نہ کی عشق و محبّت پہ نظر
نہ وہ کافر ہی رہا اور نہ مُسلمان ہوا

حیف اِک دن بھی مری یاد نہ آئی اُن کو
جن کی فرقت میں مِرا چاک گریبان ہوا

جادۂ عشق سے گزرے گا تو کیونکر نیرنگ
اُن کی باتوں سے جو دِل تیرا پریشان ہوا

***

(58)

میرے دِل میں ضبطِ فغاں اور بھی ہے
محبّت کا اِک امتحاں اور بھی ہے

ہجومِ خیالات چھائے ہوئے ہیں
اَبھی اَضطرابِ زباں اور بھی ہے

طبیعت میں ذوقِ سخن کی بدولت
بڑھاپے میں اِک دِل جواں اور بھی ہے

میری جائے سجدہ نہیں دیر و کعبہ
الگ اِن سے اِک آستاں اور بھی ہے

پہنچنا ہے مجھ کو درِ مے کدہ پر
وہاں اِک مرا مہرباں اور بھی ہے

تصوّر میں رہتا ہوں مَیں جس زمیں پر
وہاں دِل کشی کا سماں اور بھی ہے

نہیں میری جانب سے توقیر کوئی
مگر اُن کے دِل میں گماں اور بھی ہے

کہاں مجھ کو لائی حیاتِ دو روزہ
مِرا مسکنِ جاوداں اور بھی ہے

اگرچہ یہی اختتام غزل ہے
طبیعت میں تازہ بیاں اور بھی ہے

کمالِ سخن ہر زباں میں ہے نیرنگؔ
مگر لُطفِ اُردو زباں اور بھی ہے

***

(59)

اَشکوں کی چشم سے تھی روانی تمام رات
بَرسا کیا فلک سے بھی پانی تمام رات

کہتا رہا مَیں دِل کی کہانی تمام رات
آئی نہ کام صاف بیانی تمام رات

افسوس تو نے ایک نہ مانی تمام رات
کھاتی رہی شکست جوانی تمام رات

لگتی ہے یوں تو سب میں محبّت کی آگ بھی
لیکن پڑی ہے مجھ کو بجھانی تمام رات

قاتل کی تیغِ جور میں وہ حوصلہ یہاں
ہوتا رہا جو ظُلم زبانی تمام رات

محنت پذیر دِل مرا حسرت نواز تھا
صدحیف تو نے قدر نہ جانی تمام رات

نیرنگؔ سحر کے ہوتے غزل بھی تمام کی
منظور تھی جو مجھ کو سُنانی تمام رات

***

(60)

مَیں حُسن کے فریب میں آتا چلا گیا
اَپنا چراغِ ہوش بجھاتا چلا گیا

مجھ کو شہید ناز کا تھا شوق اس قدر
مقتل میں بھی مَیں ناچتا گاتا چلا گیا

ہونا تھا حشر میں مرے قاتل کا فیصلہ
زخمِ دِل و جگر کو چھپاتا چلا گیا

یوں تو حدیثِ عشق تھی مشکل مرے لیے
لیکن بتوں کا آسرا پاتا چلا گیا

اے رہروِ عدم مرے نقشِ قدم نہ ڈھونڈ
مَیں خود نشانِ پا ہی مٹاتا چلا گیا

مجھ سے حرم کا راستہ پوچھا تھا شیخ نے
میں راہِ بت کدہ ہی دکھاتا چلا گیا

گزرا میں خار زار سے منزل کے شوق میں
یوں راستے میں ٹھوکریں کھاتا چلا گیا

جوشِ جنوں میں جیب و گریباں کی خیر ہو
مَیں آج تک تو اِن کو بچاتا چلا گیا

اِک دِل رفیقِ زندگی لایا تھا میں یہاں
وہ بھی مجھے نظر سے گراتا چلا گیا

آیا تھا سیرِ ہستیِ فانی کو چار دن
شرم و حیا سے سر کو جھکاتا چلا گیا

آیا مری زباں پہ فرشتوں کو اِعتبار
لکھتے گئے میں جو کچھ لکھاتا چلا گیا

نیرنگؔ قبول کرکے گناہوں کو ہر جگہ
رحمت کو شرمسار بناتا چلا گیا

***

(61)

اگر رنگِ محبت گُل سے پیدا ہو نہیں سکتا
تو مَیں رنگِ گلستاں پر بھی شیدا، ہو نہیں سکتا

جہاں ہر پھول پر اُلفت کا غازا ہو نہیں سکتا
تو مَیں بھی اُس چمن میں نغمہ پیرا ہو نہیں سکتا

گُزر اب تری محفل سے ہمارا ہو نہیں سکتا
وہاں خاموش بیٹھیں، ہم سے اَیسا ہو نہیں سکتا

اگر مِلنا ترا رَشکِ مَسیحا ہو نہیں سکتا
ترا بیمار محشر تک بھی اچھا ہو نہیں سکتا

فقیر بے نوا سے یہ تماشا ہو نہیں سکتا
ترے دَر کے سِوا ہر در پہ سجدا ہو نہیں سکتا

نگاہِ ناز ترا بھی ضرور اِس میں اشارا ہے
وگرنہ یوں سرِ محفل رسُوا ہو نہیں سکتا

ملا تقدیر سے جس کو شرابِ ناز کا ساغر
قیامت تک وہ بادہِ خوار پیاسا ہو نہیں سکتا

جنونِ شوق میں صحرا نوردی تو نہیں مشکل
یہ انداز گہن ہم سے گوارا ہو نہیں سکتا

حریمِ ناز میں رہتا ہے جو ثابت قدم ہرگز
جہانِ رنگ و بُو میں اُس کو دھوکا ہو نہیں سکتا

کہیں گے کچھ نہ کچھ ہم بھی خدا نے جب زباں بخشی
کہ ہر اِک بات پر ہم سے اشارا ہو نہیں سکتا

بُھلا محرومی قسمت کی پھر کیوں کر شکایت ہو
کہ مجھ سے اپنے قاتل کا بھی شکوہ ہو نہیں سکتا

عنادل کی طرح آہ و فغاں جب تک نہ ہو نیرنگ
رُموزِ گل سے تو ہرگز شناسا ہو نہیں سکتا

***

(07-08-1957)

(62)

جب آشنائے محبّت زباں نہیں ہوتی
تو ہُوک دِل میں لبّوں پر فغاں نہیں ہوتی

غرض نہ ہو تو محبّت عیاں نہیں ہوتی
بغور دیکھ لیا مہرباں! نہیں ہوتی

وہ کاش میرے اشارے کو بھی سمجھ سکتے
ہر ایک بات زباں سے بیاں نہیں ہوتی

اُس آستانے سے گُزرا ہوں بارہا ہمدم
کہ آنکھ اُٹھانے کی ہمت جہاں نہیں ہوتی

نشانِ پختگیٔ عشق ہے یہی شاید
ہر آنکھ سے تو جوئے خُوں رواں نہیں ہوتی

دیارِ عشق کی راہوں کا حال کیا کہیے
کہ اِس سفر کی بیاں داستاں نہیں ہوتی

جو ہوگیا ہو کبھی رازِ عشق سے واقف
اُسے تلاش کوئی راز داں نہیں ہوتی

حریمِ عشق میں خاموش ہیں صدائیں بھی
نماز ہوتی ہے لیکن اذاں نہیں ہوتی

وہ کر نہ پاتے شکایت زباں درازی کی
الٰہی مُنہ میں جو میرے زباں نہیں ہوتی

یہ بات اور ہے ہم عشق میں ہوئے رُسوا
وگرنہ آگ یہ دِل میں کہاں نہیں ہوتی

وہ بدنصیب کہیں کا بھی ہو نہیں سکتا
جسے نصیب تری آستاں نہیں ہوتی

بہا نہ اَشک مآل شباب پر نیرنگؔ
چمن ہے کون سا جس میں خزاں نہیں ہوتی

***

(06-04-1957)

(63)

کِسی کافر کی مُدت سے اَدائیں آزماتا ہوں
کبھی دِل کو، کبھی اُس کی جفائیں آزماتا ہوں

خُدا دے اَور ہمت تیرے دستِ ناز کو قاتل
زبانی یاد جتنی ہیں دُعائیں آزماتا ہوں

طبیعت جب نہ چاہے تو کسی سے پوچھنا کیا ہے
خُود اپنے زعم میں منزل کی بھی راہیں آزماتا ہوں

نہ جانے کون سا اپنا گناہ رحمت کے قابل ہے
اِسی اُمید پر ساری خطائیں آزماتا ہوں

بڑھاتا ہے جو ساقی میری جانب ناز سے ساغر
خودی و میخودی دونو کی رائیں آزماتا ہوں

جُنوں انگیز صحرائے وطن جب یاد آتا ہے
دِل بیتاب کی رہ رہ کے آہیں آزماتا ہوں

بہر صُورت گُزارے جارہا ہوں زندگی نیرنگؔ
اکیلی جان پر لاکھوں بلائیں آزماتا ہوں

***

(03-09-1954)

(64)

تری رحمت کِسی حَد کے نشانے تک نہیں پہنچی
مری قِسمت جو خِرمن کے بھی دانے تک نہیں پہنچی

تعجب ہے مُصوّر! تیرے اِس تصویر خانے میں
تیری تصویر ہی تصور خانے تک نہیں پہنچی

مَیں برقِ ناز کے جلووں کی تابانی کو کیا سمجھوں
تجلّی جن کی میرے آشیانے تک نہیں پہنچی

وہ بدقسمت اسیرِ دامِ غم ہوں اِس زمانے میں
کہ جس کی داستانِ غم زمانے تک نہیں پہنچی

مَیں محروم تمنا ہی رہا افلاک کے نیچے
میری فریاد تیرے آستانے تک نہیں پہنچی

بدلتی ہی رہی ہے خُود بخود گردش زمانے کی
کبھی اِس کو ضرورت تازِیانے تک نہیں پہنچی

وہی بالانشیں ہیں آج کل نیرنگ زمانے میں
ابھی تک بات بھی جن کی فسانے تک نہیں پہنچی

***

(65)

کیوں لبوں پر مرے اُن کا نام آگیا
تُوبہ تُوبہ یہ کیسا مقام آگیا

جو اچانک وہ ماہِ تمام آگیا
صبرِ یعقوبِ دِل اپنے کام آگیا

ہائے توہینِ ذوقِ نگاہ ہوگئی
ہوکے بے پردہ وہ شارعِ عام آگیا

رُوح نکلی ہوئی لوٹ کر آگئی
خواہ کیسا ہی اُن کا پیام آگیا

اب تو اہلِ قفس مطمئن ہوگئے
جب کہ صیاد خود زیرِ دام آگیا

تِری محفل میں ساقی یہ انصاف ہے
جب ہم اُٹھ کر چلے دورِ جام آگیا ہے

اَب نمازِ سحر تری کیا ہوگی شیخ
جب کہ وہ شوخ بالائے بام آگیا

کیوں نہ قسمت پہ اپنی مجھے ناز ہو
بعد مُدت کے اُن کا سلام آگیا

شاعری میں تو نیرنگؔ تم اُستاد ہو
پَر ترنم سے لُطفِ کلام آگیا

***

(66)

تسلی اُس سے دِلِ داغدار کیا ہوگی
مَیں جانتا ہوں کہ فصلِ بہار کیا ہوگی

یہ زندگی بھی اگر سونپ دی اُنھیں مَیں نے
نصیبِ گردشِ لیل و نہار کیا ہوگی

فراق و وصل کے جھگڑے ہنور باقی ہیں
زیادہ اُن سے شبِ اِنتظار کیا ہوگی

اُٹھا سکا نہ مَیں بارِ غم حیات اگر
وہ زندگی مرے پروردگار کیا ہوگی

ہوا جہان سے رُخصت جو حسرتی پیکر
وہ جسم قابلِ خاکِ مزار کیا ہوگی

یہی تو بندہ نوازی ہے قتلِ عام رہے
نگاہِ ناز بھلا شرمسار کیا ہوگی

ازل سے جس نے زمینِ چمن نہیں دیکھی
اُسے ہوائے چمن سازگار کیا ہوگی

وہ بدنصیب کہ ٹھکرا دیا جسے تو نے
کسی کی بات اُسے ناگوار کیا ہوگی

جب اُس کے جلووں سے باطن کی تیرگی نہ گئی
اُسے تلاشِ شبستانِ یار کیا ہوگی

یہی خلوص غنیمت ہے آدمی کے لیے
وگرنہ عظمت مُشتِ غبار کیا ہوگی

جسے جہان کے پھولوں سے بھی کراہت ہو
تو اُس سے عظمتِ اُمیدِ خار کیا ہوگی

پسِ حیات یہی شعر ہوں گے اَے نیرنگ
علاوہ اِس کی تری یادگار کیا ہوگی

***

(08-02-1959)

(67)

نیند شب بھر نہ آئے تو مَیں کیا کروں
یاد اُن کی سِتائے تو مَیں کیا کروں

چاہتا ہوں نہ آؤں تیری بزم میں
دِل اگر کھینچ لائے تو مَیں کیا کروں

نظر ہے کہاں تک مَیں روکوں اُسے
حُسن بے پردہ آئے تو مَیں کیا کروں

جانتا ہوں مآل محبّت مگر
عشق خود گُد گُدائے تو مَیں کیا کروں

شیخ توبہ تُو مَیں نے بھی کی تھی مگر
وہ نظر سے پلائے تو مَیں کیا کروں

شیخ طوفِ حرم سے مجھے عُذر کیا
دِل وہاں تک نہ جائے تو مَیں کیا کروں

شعر پڑھتے جو نیرنگؔ تو آتا مزا
جب وہ گا کر سُنائے تو مَیں کیا کروں

***

(28-02-1959)

(68)

اَنجام پر نظر ہو تو آغاز دیکھئے
فنِ طرب جو دیکھنا ہو ساز دیکھئے

رِندانِ بادہ نوش کی محفل میں آیئے
دَم بھر میں پھر شراب کا اِعجاز دیکھئے

صورت پہ جایئے نہ حَسینوں کی بار بار
ہَر ہَر قدم پہ اُن کا مگر ناز دیکھئے

ڈر جس کا تھا وہ بات اِشاروں میں کر گیا
کس درجہ ہوشیار تھا غماز دیکھئے

سوزِ غم فراق میں نالہ کناں ہوں مَیں
منظور ہو تو خوبیِ آواز دیکھئے

شَک ہو ہماری نیتِ صافی پہ گر حضور
مَقتل میں آکے ہمتِ جانباز دیکھئے

نیرنگؔ نہ ہو شباب مگر دِل تو ہے جوان
نیرنگیِ مزاج کا انداز دیکھئے

(21-10-1953)

***

(69)

مَیں گُزرتا ہوں گلی کوچوں میں اَرمانوں کے ساتھ
دِل کو بہلاتا ہوں بیگانے شبستانوں کے ساتھ

روشنی کو دیکھتا ہوں مَیں سیہ خانوں کے ساتھ
شانِ قُدرت ہے کہ آبادی ہے ویرانوں کے ساتھ

لوگ مجھ کو دیکھ کر کہتے ہیں دیوانہ ہوں میں
مَیں سمجھتا ہوں کہ رہتا ہوں میں دیوانوں کے ساتھ

حُسن کی گرمی وہی ہے، عشق کی سُوزش وہی
شمع بھی جلتی رہی ہے غم میں پروانوں کے ساتھ

دیکھتے ہی دیکھئے واعظ کا دِل بھی آگیا
دِل کو بہلاتے رہے پہلے تو پیمانوں کے ساتھ

فرقہ واروں کی یہ بستی ہے جسے دُنیا کہیں
کاش رہتا مَیں اِسی بستی میں اِنسانوں کے ساتھ

حیف ہے اُس دِل پہ جس دل میں نہ ہو کوئی مکیں
زینتِ خانہ حقیقت میں ہے مہمانوں کے ساتھ

کیا کہوں تھی کِس قدر اپنی حَسیں وہ زندگی
دِن بسر ہوتے تھے اپنے جب سخن دانوں کے ساتھ

کیا ہوئی یہ زندگی کی اِک سنہری یاد ہے
دِن گزرتے تھے اپنے سرحدی خانوں کے ساتھ

***

(14-07-1959)

(70)

ایک آرام کا اَنبار نہیں تو کیا ہے
زندگی دوش یہ اِک بار نہیں تو کیا ہے

بے نیازی تِری عادت ہی سہی
عِشق سے صاف یہ انکار نہیں تو کیا ہے

جھانک لیتے ہیں رقیبوں کو پسِ پردہ بھی
کچھ نہ کچھ اُن سے سروکار نہیں تو کیا ہے

منع کرتا ہے مئے نوشی سے ہم کو واعظ
کم سہی ہم سے، گنہگار نہیں تو کیا ہے

کاش کہ اُن کو دکھا سکتا میں داغوں کی بہار
وہ بھی کہتے کہ یہ گلزار نہیں تو کیا ہے

ترے اعجازِ مسیحائی کے صدقے جاؤں
بسترِ غم پہ یہ بیمار نہیں تو کیا ہے

ہے اگر اب بھی کہیں کچھ بھی وجود اُردو
چشمِ اَعداء میں وہ اِک خار نہیں تو کیا ہے

گو زمانے میں نہیں قدرِ زبانِ نیرنگؔ
پھر بھی وہ صاحبِ اشعار نہیں تو کیا ہے

***

(15-06-1957)

(71)

(بزمِ ادب ریواڑی کے شعرائے کرام جناب قمرؔ صاحب، حضرت بسملؔ صاحب، جناب عارفؔ صاحب، حضرت اخترؔ میاں صاحب اور جناب بیتابؔ صاحب کی شاعری سے متاثر ہو کر لکھی گئی۔)

یہ مانا شاعری کا لطف شاعر کے بیاں تک ہے
مگر محفل کی رونقِ حاضرینِ مہرباں تک ہے

کہوں کیا بزم کے ارکان کی شوخی کہاں تک ہے
حدودِ بزمِ ہستی سے میرے ہفت آسماں تک ہے

قمرؔ تو بھی حسینوں کے گلے ملنے کے قابل ہے
ترا حسنِ طبیعت حُسن کے نام و نشاں تک ہے

نہیں معلوم دُنیا میں یہ خودِ بسملؔ ہوئے کیسے
کہ جن کے تیر و نشتر کی رسائی آسماں تک ہے

میں سمجھا تھا کہ عارفؔ واقفِ عشقِ حقیقی ہے
مگر یہ معرفت عشقِ مجازی کے جہاں تک ہے

تمہاری قالبِ خاکی میں اخترؔ رُوح غالب ہے
ثنائے خوش نوائی تو ملائک کی زباں تک ہے

جنابِ حضرتِ بیتابؔ کی باتوں سے ظاہر ہے
کہ فنِ عاشقی گویا انہی کے خانداں تک ہے

***

(72)

دیدِ جاناں جو عام ہو جائے
کارِ دُنیا تمام ہو جائے

بارے اُن سے کلام ہو جائے
باتوں باتوں میں کام ہو جائے

روٹھ جائے وہ صبح ہوتے ہی
اَور منانے میں شام ہو جائے

جاگ اُٹھیں گے حشر کے ہوتے
گر وہ محوِ خرام ہو جائے

میکدے میں نماز پڑھ لیں گے
کاش ساقی اِمام ہو جائے

آج مقتل میں خود ہی جاتا ہوں
کہ شہیدوں میں نام ہوجائے

ذکرِ تسبیح شیخ رہنے دے
ذکرِ ساقی و جام ہو جائے

جب ملے گی شراب جنّت میں
مئے دہ کیوں کر حرام ہو جائے

نہیں ممکن شباب ہو لیکن
صوفیانہ کلام ہو جائے

اَپنی قِسمت پہ ناز ہے نیرنگؔ
دوُر ہی سے سلام ہو جائے

***

(73)

تری محفل سے ہم جو آج پابندِ زباں گُزرے
یہی ڈر تھا کہ شاید بندہ پرور پر گراں گُزرے

اِسی میدانِ عالم سے ہزاروں کارواں گُزرے
تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے یہ آسماں گُزرے

سُنا ہے وہ اِدھر سے آج باتیغ و سناں گُزرے
خدایا! خیر و عافیت سے اَپنا اِمتحاں گُزرے

دُعائے خیر میرے جملۂ احباب سے کہنا
اگر تو اَے صبا! اہلِ وطن کے درمیاں گُزرے

الٰہی خوب نکلیں گی ہماری حسرتیں دِل کی
بہت مدّت کے بعد آخر ہمارے مہرباں گُزرے

کریں کیوں زندگی کے روکنے کی سعیِ لاحاصل
کِسے معلوم کِس کِس راہ سے عمرِ رواں گُزرے

قفس کی زندگی میں گو بہت آرام ہے نیرنگؔ
مگر پھر بھی مجھے ہر دم خیالِ آشیاں گُزرے

***

(74)

فروغِ حُسن تھا تو شعلہ سامانی کہاں جاتی
سکونِ دِل اگر ہوتا، پریشانی کہاں جاتی

ہمارا جرم کیا جب کہ ہے بنیادِ جہاں اَیسی
گناہ کرتے نہ ہم تو خوئے اِنساں کہاں جاتی

اگر سب اہلِ دُنیا عقل سے کچھ کام لے لیتے
تو ہر اِک بات واعظ کی بھلا مانی کہاں جاتی

چراغِ حُسن پر جلتے نہ گر پروانہ ساں عاشق
شہیدِ ناز کی پھر رسمِ قربانی کہاں جاتی

نہ کرتی رہبری اُمید اپنی پھر تو عقبےٰ میں
خدایا تیری رحمت کی فراوانی کہاں جاتی

فقیروں کی طرح ہم بھی اگر گوشہ نشیں ہوتے
طبیعت سے رعونت، بُوئے سلطانی کہاں جاتی

نہ ہوتا قدر داں تیرا اگر کوئی تو اَے نیرنگؔ
مذاقِ شعر کیا ہوتا، سخن دانی کہاں جاتی

***

(75)

اداؤں کے پس پردہ جفا دیکھی نہیں جاتی
وہ ہم ہیں جن سے توہینِ وفا دیکھی نہیں جاتی

مبادا حشر میں شک تم پہ ہو خونِ شہیداں کا
تمہارے دستِ نازک پر حِنا دیکھی نہیں جاتی

پریشانیِ زلفوں سے پریشاں دِل کیے تو نے
یہ حرکت ہم سے اے بادِ صبا دیکھی نہیں جاتی

خزاں کے نام سے واقف نہ تھا برگِ شجر جس کا
اُسی اُجڑے گلستاں کی فضا دیکھی نہیں جاتی

یہ رونق بزمِ ہستی کی حُسینوں کی بدولت ہے
وگرنہ اِس جہاں کی تو ہوا دیکھی نہیں جاتی

گنہگاری کی دُنیا چھوڑ دے پرہیزگاری کر
تِری ہر بار اے دِل یہ خطا دیکھی نہیں جاتی

تِرے اعمال دیکھے جائیں گے محشر میں اے نیرنگؔ
وہاں رنگِ سخن، طرزِ ادا دیکھی نہیں جاتی

(76)

اَبر ہے، ساقی ہے، مئے و جام ہے
یہ نہ پوچھو اَب مجھے کیا کام ہے

مل نہیں سکتی کبھی راہِ گُریز
ہر گلی کوچہ میں قتلِ عام ہے

مُلک گیری کی ہوس دِل میں نہیں
کُنجِ عزلت میں مجھے آرام ہے

وہ بُلائیں در یہ میرے آن کر
اَے دِلِ ناداں خیالِ مقام ہے

شیخ بھی حاضر تھے میخانے میں آج
اِن بزرگوں کا بھلا کیا کام ہے

مختصر اپنا پتہ ہے اَے ندیم
ہوں مُعلم اور نیرنگ نام ہے

***

(77)

غم آلودہ نگاہوں میں کبھی دم آہی جاتا ہے
گھٹاؤں کے برس جانے سے کچھ نم آہی جاتا ہے

نزاکت سے لبوں کا یوں تو کُھلنا سخت مشکل ہے
مگر کرتے ہیں جب شکوہ تکلم آہی جاتا ہے

رُخ اَنور پہ تیرے جب پسینہ دیکھ لیتا ہوں
خیال شبنم و گل مجھ کو پیہم آہی جاتا ہے

بھلانے کی سعی کرتا ہوں ایامِ گزشتہ کو
کہ اُن کے یاد کرنے میں مجھے غم آہی جاتا ہے

دِل غم ناک سے سُنتا ہوں فریاد و فغاں اکثر
زباں کو میری اندازِ ترنم آہی جاتا ہے

ازل کے توشہ خانے میں جو کچھ تقسیم ہوتا ہے
مِرے طرفِ مقدر میں بہت کم آہی جاتا ہے

میں چھ سالوں سے اہلِ ہند کا مہمان ہوں نیرنگ
اُن احسانوں سے گردن میں کبھی خم آہی جاتا ہے

***

(78)

اُن کی نظروں کے جو پیکان چلے آتے ہیں
دِل پکار اُٹھتا ہے، مہمان چلے آتے ہیں

رنج و غم حسرت و ارمان چلے آتے ہیں
دِل کے بہلانے کے سامان چلے آتے ہیں

اِبتدا تھی کہ دِل و چشم تھے دونو خنداں
اِنتہا یہ کہ پریشان چلے آتے ہیں

جانبِ مے کدہ واعظ نے بڑھایا تھا قدم
غُل ہوا روک لو، نادان چلے آتے ہیں

نہیں دیکھا تھا تو جُرأت تھی اُنھیں دیکھنے کی
جب سے دیکھا ہے تو اوسان چلے آتے ہیں

یوں تو میخواروں کو ہر وقت ہے فاقہ مستی
شان اِتنی ہے کہ سُلطان چلے آتے ہیں

کب تلک رہتا ہے اِیمان سلامت نیرنگؔ
پاس رندوں کے مُسلمان چلے آتے ہیں

***

(10-04-1956)

(79)

مریضِ عشق کا کوئی سہارا ہو نہیں سکتا
کہ دریائے محبّت کا کنارا ہو نہیں سکتا

دلاویزی سُنی جاتی ہے جنّت کی مگر زاہد
حُسیں تر کوئی جاناں سے نظارا ہو نہیں سکتا

ہلاکر اوک سے ساقی دُعا درویش کی لَے لے
کہ اِس نقدی کے سُودے میں خسارا ہو نہیں سکتا

نکل جاتا ہے کچھ مُنہ سے خدا نے جب زباں دی ہے
کہ ہر اِک بات میں ہم سے اشارا ہو نہیں سکتا

مجھے منظور ہے فاقہ کشی کی آگ میں جلنا
مگر احساں کمینوں کا گوارا ہو نہیں سکتا

تمہاری دوستی اچھی مگر یہ سوچ لے زاہد
تمہارے ساتھ جنّت میں گزارا ہو نہیں سکتا

کِسی کے حُسن پر نیرنگؔ نظر رکھنی یہاں جائز
پرایا مال و زر ہر گز ہمارا ہو نہیں سکتا

***

(80)

اے دِل نادان! تجھ میں جوہرِ قابل نہیں
ورنہ بارِ آستانِ یار تو مُشکل نہیں

رہروِ مُلکِ عدم ہو کر ہوں محوِ بے خُودی
عازمِ منزل تو ہوں پر راہی منزل نہیں

مدتوں سے ہوں سراپا مبتلائے درد و غم
حُسن پر کوئی طبیعت آج تو مائل نہیں

حُسن در پردہ تھا جب تو بات ہی کچھ اور تھی
حُسن بے پردہ پہ مائل اَب ہمارا دِل نہیں

بے نیازی تو ہے آئینِ محبّت میں روا
بے وفائی حُسن کے آداب میں داخل نہیں

آرزوئے شوق ہو تو محفلِ رنداں میں آ
میکدے میں اِمتیازِ ناقص و کامل نہیں

دیکھتا ہے کیوں مجھے تحقیر سے تو بار بار
تیری دربانی کے صدقے مَیں کوئی سائل نہیں

چل رہی ہے خود بخود بحرِ تلاطم خیز میں
کشتیٔ عمرِ رواں شرمندۂ ساحل نہیں

***

(81)

صاحبِ اعجاز ہیں اصنام بھی
اِن کے گوہر بار ہیں دشنام بھی

منتخب ہے صُحبتِ پیر مُغاں
جب کہ محفل میں ہے اِذنِ عام بھی

کامیابی باعثِ شہرت سہی
زیست ہے ناکامیوں کا نام بھی

کرتا ہوں پیشِ صنم ذکرِ خدا
کفر پرور بندۂ اِسلام بھی

وصلِ جاناں راحتِ دِل ہے مگر
ہے تصورِ باعثِ آرام بھی

کون ہے غم آشنا اپنا یہاں
جانتا کوئی نہیں ہے نام بھی

خاص اندازِ غزل اپنا ہے یہ
دوستوں کو ہے صَلائے عام بھی

حضرتِ نیرنگؔ مصائب سے نہ ڈر
زندگی کے ساتھ ہیں آلام بھی

***

(82)

مژدۂ اَیام پیہم رَقص کر
حاصلِ آرام پیہم رَقص کر

دِے نہ تو مجھ کو فریبِ اختلاط
اَے خیالِ خام پیہم رقص کر

اَب تو بر آئی مرادِ دِل مگر
چرخِ نیلی فام پیہم رقص کر

ہوگئی عاشق تِری شہرت بہت
طالبِ دشنام پیہم رقص کر

پارسائی، زہد و طاعت اے ندیم
کردے نذرِ جام پیہم رقص کر

تو ہے مقبولِ دِل اہلِ جہاں
اَے قبولِ عام پیہم رقص کر

خوب مصرع حضرتِ نیرنگؔ ہے یہ
اَے دِلِ ناکام پیہم رقص کر

***

(83)

سرِ بالیں مسیحا آج ہم کو دیکھنے آئے
خُدا کا شکر ہے بیمارِ غم کو دیکھنے آئے

عدَم سے چل کے ہستی میں صنم کو دیکھنے آئے
اُس کے شہرتِ لُطف و کرم کو دیکھنے آئے

ہے دِل میں موجزنِ اپنے تمنائے جبیں سائی
تری راہ میں ترے نقشِ قدم کو دیکھنے آئے

بلائے جان تھے دِل کے لیے جو گیسوئے جاناں
اُسی دام بلا کے پیچ و خم کو دیکھنے آئے

رقیبوں سے نہ مِلنے کی جو کھائی تھی قسم تو نے
تری اِس آزمائش میں قسم کو دیکھنے آئے

سراغ اُس کا ہمیں کیوں کر بھلا ملنا تھا دُنیا میں
تلاشِ یار میں دیر و حرم کو دیکھنے آئے

سُنا کرتے تھے نیرنگؔ جس کے ہم اَشعار کے چرچے
یہاں اُس شاعرِ جادو رقم کو دیکھنے آئے

***

(84)

ہوا سے بال زلفوں کے پریشاں ہوتے جاتے ہیں
مراحل الفتِ جاناں کے آساں ہوتے جاتے ہیں

ترے تیر نظر کے تیز پیکاں ہوتے جاتے ہیں
مِرے سینے کے اَندر جو رگِ جاں ہوتے جاتے ہیں

اُدھر وہ اپنے خال و خد پہ نازاں ہوتے جاتے ہیں
اِدھر اپنے کیے پر ہم پشیماں ہوتے جاتے ہیں

ہماری چشمِ گریاں کا تماشا دیکھتے جاؤ
جو آنسو آنکھ سے گرتے ہیں طوفاں ہوتے جاتے ہیں

کسی کے مُصحفِ رُخ پر نظر رہتی ہے نیرنگؔ کی
خُدا کی شان کافر بھی مسلماں ہوتے جاتے ہیں

(85)

دُور آبادی سے با دیدۂ تر بیٹھے ہیں
ہائے جو کام نہ کرنا تھا وہ کر بیٹھے ہیں

ہوگئے لذتِ غربت سے شناسا اتنے
ہم سمجھتے ہیں کہ بس اپنے ہی گھر بیٹھے ہیں

کوئی بھولے سے مگر اہلِ وطن آ نکلے
اِس توقع سے سرِ راہ گزر بیٹھے ہیں

دیکھ نیرنگیٔ دُنیا کہ جناب نیرنگؔ
سامنے خاک پہ وہ زیرِ شجر بیٹھے ہیں

***

(86)

بہارِ اہلِ عالم ہے کہ اَرمانوں کا موسم ہے
جو سچ پوچھو حقیقت میں یہ دیوانوں کا موسم ہے

کوئی ہے چاکِ داماں اور کوئی چاکِ گریباں ہے
یہ فصلِ گل ہے یا چاکِ گریبانوں کا موسم ہے

پیو بادہ کشو دِل کھول کر حسرت نہ رہ جائے
صراحی، ساغر و مینا و پیمانوں کا موسم ہے

جنوں کا جوش ہے اہلِ خرد کی بات کیا مانیں
بیا بانوں کا صحراؤں کا ویرانوں کا موسم ہے

خدا کے واسطے محفل میں اپنی مجھ کو بلوا لو
کہ یہ عیش و طرب کا اور مہمانوں کا موسم ہے

زباں کو نالہ و زاری جگر کو سوزِ غم بخشا
چمن میں بلبلوں کا گھر میں ہر دونوں کا موسم ہے

بڑھی جاتی ہے نیرنگؔ آج اپنے دِل کی بے تابی
سکونِ دِل کہاں حاصل یہ طوفانوں کا موسم ہے

***

(87)

وطن کے سایۂ پرچم میں ہم اِعلان کرتے ہیں
فدا قوم و وطن پر دِل کے سب ارماں کرتے ہیں

وطن کی آن پر صدقے ہم اپنی جان کرتے ہیں
ہمارے پاس جو کچھ ہے وہی قرباں کرتے ہیں

نہ مال و زر لُٹانے میں کبھی ہم کو دریغ ہوگا
بھری محفل میں سب کے روبرو پیمان کرتے ہیں

بلندی دیکھ کر غیروں کی ہم کو رشک ہو کیوں کر
ہمالہ سے پہاڑوں کو تو ہم درباں کرتے ہیں

تکلف کیا چلا آئے یہاں پر جس کا جی چاہے
یہ وہ گھر ہے جہاں غیروں کو بھی مہمان کرتے ہیں

یہ ہے وہ سر زمیں جس میں رواداریٔ مذہب ہے
برابر احترام گیتا و قرآن کرتے ہیں

اَزل سے اِس زمیں میں شمعِ اَخلاص روشن ہے
اِسی تنویر سے پر نُور ہم اِیمان کرتے ہیں

ہمارے پاس اِک نسخہ ہے بس یادِ خداوندی
اسی نسخے سے ہر مشکل کو ہم آسان کرتے ہیں

شارعِ شعر کے گو ہر فراہم کرلیے نیرنگؔ
انہی اشعار سے ہم خدمتِ اِنسان کرتے ہیں

***

(88)

دِل کہیں مبتلا نہ ہو جائے
بے خطا ہی سزا نہ ہو جائے

عرض مطلب بھی کہہ نہیں سکتا
بات اپنی خطا نہ ہو جائے

درد کو بھی چھپا کے رکھتا ہوں
خوف یہ ہے شِفا نہ ہو جائے

آہِ دِل کو بھی روک لیتا ہوں
کہ مکدّر فضا نہ ہو جائے

مہربانی بھی جُرم ہے میرا
آشنائے وفا نہ ہو جائے

رازِ الفت بھی کیا کہوں اُس سے
کہیں مجھ پر خفا نہ ہو جائے

فکر رہتی ہے یوں مجھے ہر دم
درد بڑھ کر دوا نہ ہو جائے

اُس کو لاؤ نہ تم خُدا کے لیے
رُوحِ دشمن فنا نہ ہو جائے

بزمِ یاراں میں آگیا نیرنگؔ
کوئی طُوفاں بپا نہ ہو جائے

***

(89)

دِلِ ویران پر چھائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں
بہت عرصے میں گھر آئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

ڈراتا ہے کِسی بے کس کا قتل ناروا اُن کو
کِیے پر اپنے پچھتائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

قیامت خیر منظر ہے خُمار آلُودِ نظروں سے
کسی دُشمن کے بہکائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

کہاں مسجد کی مُجرا میں کہاں آداب میخانہ
جناب شیخ سمجھائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

اُدھر ہے آزمائش خنجر و نشتر کی محفل میں
اِدھر ہم ہیں کہ گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

غزل خوانی میں ہوں پیدا نئے انداز اے نیرنگؔ
یہ افسانے تو دُہرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

***

(90)

رَشکِ باغ و بہار! مان گئے
کاملِ روزگار! مان گئے

ہجر کی رات کٹ گئی آخر
دِیدۂ اَشکبار! مان گئے

رنگ لائی ہے آہ نیم شَبی
اَے دِل داغدار مان گئے

آہی پہنچا ہوں دشتِ غربت میں
وادیٔ خار زار! مان گئے

نامۂ شوق بعد مدّت کے
اَے شبِ اِنتظار مان گئے

آنِ واحد میں چھا گئی مستی
ساقیٔ ہوشیار! مان گئے

اَہلِ فنِ کمال ہو صاحب
ساکنانِ حصار مان گئے

زندگانی میں کیا نہیں دیکھا
بازیِ رُوزگار مان گئے

کُوئے جاناں سے آرہی ہے صبا
گیسوئے مشکبار مان گئے

میرے قاتل کو تو نے بخش دیا
شانِ پروردگار مان گئے

رازِ پستی میں ہے بلندی کا
اَے دِل خاکسار مان گئے

اَہلِ محفل ہیں وجد میں نیرنگؔ
خامۂ زر نگار! مان گئے

***

(26-08-1954)

(91)

ابھی تک زندگی کی منزلیں ہیں راہ گُزاروں میں
خُدا جانے مجھے پھرنا ہے کِن کِن خارزاروں میں

ہماری کشتیِ اُمید کیا پہنچے گی ساحل تک
بَلا کا جوش ہے آبِ رواں کی آبشاروں میں

نگاہِ آسماں بھی فتنہِ زا معلوم ہوتی ہے
قیامت خیز لرزے ہیں اَداؤں میں اِشاروں میں

خِزاں دائم رہے یا نوبتِ فصلِ بہار آئے
ہمارا غنچۂ دِل کِھل نہیں سکتا بہاروں میں

خُدا کے واسطے اِتنا تو کہہ دے بھولنے والے
ہمارا نام بھی کیا ہے تمہارے جاں نثاروں میں

وطن کی یاد میں کیوں کر نہ نم آلود ہوں آنکھیں
یہی تو رہ گیا ہے اِک سہارا سب سہاروں میں

مِٹا ڈالا بہت کچھ گردشِ اَفلاک نے نیرنگؔ
مگر قائم ہے یادِ یار اب تک یادگاروں میں

❋❋❋

(92)

ستم گاروں کی دُنیا سے سِتم گاری نہیں جاتی
کِسی بھی حال میں اُن کی دلآزاری نہیں جاتی

سوالِ وصل تو مُشکل نہ تھا میرے لیے کچھ بھی
طبیعت سے مگر تاثیرِ خود داری نہیں جاتی

یہ مانا حُسن تو قائم نہیں رہتا حسینوں کا
تعجب ہے مگر اِن کی اداکاری نہیں جاتی

تری ہر بات کا قائل نہیں ہو جاؤں گا واعظ
مگر اَے بندہ پُرور مجھ سے میخواری نہیں جاتی

مُجھے بھی کچھ نہ کچھ نسبت ہے سرحد کے پٹھانوں سے
چلا جائے اگر سب کچھ وفاداری نہیں جاتی

نہ تھا خوش حال ہونا جب کہ قِسمت میں مری نیرنگؔ
کروں میں لاکھ کوشش بھی وفاداری نہیں جاتی

***

مقطعِ ثانی:

نہیں شعر و سخن سے کچھ بھی حاصل حضرتِ نیرنگؔ
مگر مجبور ہوں دِل کی یہ بیماری نہیں جاتی

***

(93)

مُجھے رُسوا کیا تیری جفا نے
تجھے چمکا دیا میری وفا نے

مٹا ڈالا مجھے تیری ادا نے
تجھے دِی زندگی میری دُعا نے

تری چینِ جبیں تو غم فزا ہے
نشاط انگیز ہیں میرے ترانے

قسم کھا کر بتا اتنا کہ مجھ کو
حُسیں میں نے بنایا یا خُدا نے

مَیں کیوں کر زلف کی ہیبت نہ مانوں
ڈرایا خواب میں بھی اُس بلا نے

لگا دی آگ سی سینے کے اندر
محبّت کیا ہے یہ کوئی نہ جانے

مِلی ہے زیست میخانے کے صدقے
شِفا دی ہے اِسی آب و ہوا نے

فریبِ زندگی کھانا نہ ہر گز
مجھے دھوکے میں رکھا ہے قضانے

پلا دے شیخ کو بھی جام ساقی
ہمارے معجزوں کو یہ بھی مانے

خفا ہونے کی اِس میں بات کیا ہے
حسینوں کی تو عادت ہے بہانے

زباں تک رہ چکا تھا حرفِ مطلب
مجھے روکے رکھا شرم و حیا نے

محبّت بارہا کرتا ہوں تجھ سے
مجھے جرأت دلائی ہے سزا نے

شرابِ تلخ بھی تھوڑی سی پی لے
مزا پھر بادۂ جنّت کا جانے

چراغ زیست کب کا بجھ چکا تھا
کیا روشن خیالِ دِل رُبا نے

اَمارت دی کسی کو حُسن نیرنگؔ
مجھے دی شاعری میری خُدا نے

***

(94)

بہ ہنگامِ مُشکل خُدا یاد آیا
کہ مُشکل میں مُشکل کُشا یاد آیا

پڑا وقت جب آسرا یاد آیا
قسامِ اَزل کا گِلا یاد آیا

اَرے توبہ! توبہ! یہ کیا یاد آیا
مجھے اپنا عہدِ وفا یاد آیا

مجھے اپنے غم کا مزا یاد آیا
جو یاد آیا مجھ کو بجا یاد آیا

تصوّر میں، مَیں نے کیے لاکھ سجدے
کبھی جب ترا نقش پا یاد آیا

یہ کیا گُل کِھلایا محبت نے تیری
بُھلانے پہ تو بارہا یاد آیا

غنیمت ہے تنہائیوں کا تصور
وہ بُھولا ہوا آشنا یاد آیا

کہاں ہے زمانے میں دم بھر کی فرصت
کیا کام اِک دُوسرا یاد آیا

سُنی جب صدائے شکستن شیشہ
مجھے نالۂ نارسا یاد آیا

چھڑی بات جب اہلِ علم و ادب کی
تو نیرنگِ رنگیں نوا یاد آیا

***

(95)

وہ آدمی کیا، رتبۂ انسان تک نہ پہنچے
وہ دِل کی آرزو میں کسی شان تک نہ پہنچے

وہ غم بھی کیا جو آدمی کی جان تک نہ پہنچے
وہ کام کیا جو دیدۂ حیران تک نہ پہنچے

وہ بات جس سے لرزہ بر اندام ہے فلک
افسوس ایسی بات ترے کانِ تک نہ پہنچے

مدِ نظر نہ کیوں ہو ہمیشہ تری رضا
بندہ وہ کیا ہے جو ترے فرمان تک نہ پہنچے

خط لکھ کے ہم نے بھیج تو اُن کو دیا ضرور
اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ دربان تک نہ پہنچے

شامل ہوئے ہیں ناز و نعم جن کو بے طلب
صد حیف وہ زباں سے بھی احسان تک نہ پہنچے

نیرنگؔ مری تو بات ہے اہلِ زبان سے
کیا تابِ فہم اُن کو جو زبان تک نہ پہنچے

***

(96)

نہ ہوئے تم مِرے مہمان بڑی مشکل ہے
وہی گھر اب بھی ہے ویران بڑی مشکل ہے

جب سے دیکھی ہے تری زلف پریشاں ہم نے
دِل ہوا اور پریشان بڑی مشکل ہے

واقفِ رازِ محبّت نہ ہو جب تک انساں
بن نہیں سکتا ہے اِنسان بڑی مشکل ہے

مے کشی صحنِ حرم میں نہیں جائز تسلیم
مَیں بجا لاؤں یہ فرمان بڑی مشکل ہے

نہیں ممکن کہ رسائی ہو وہاں تک اپنی
دیکھتا ہوں کئی دربان بڑی مشکل ہے

لٹ نہ جائے رہ اُلفت میں آثاثہ جب تک
حاصلِ عشق ہو وہ شان بڑی مشکل ہے

دیکھتے ہم بھی کرشمہ تیرے تیروں کا مگر
کوئی بسمل کوئی بے جان بڑی مشکل ہے

بہر تسکین دِل زار نہیں ہے دُنیا
زندگانی کا یہ عنوان بڑی مشکل ہے

دِن بہرحال بہرطور گزارا ہم نے
آگے اَب رات ہے سنسان بڑی مشکل ہے

جب تلک شیخ و برہمن کا ہے قبضہ نیرنگ
نہیں ممکن یہاں گزران، بڑی مشکل ہے

***

(97)

ہم ترے آستاں سے گُزرے ہیں
تُوبہ تُوبہ کہاں سے گُزرے ہیں

مُشکلاتِ جہاں سے گُزرے ہیں
ہم بھی اِک اِمتحاں سے گُزرے ہیں

پوچھتا ہوں میں راہ گُزاروں سے
کیا کبھی وہ یہاں سے گُزرے ہیں

قیس و فرہاد ہو یا ہو کوئی
سَب مری داستاں سے گُزرے ہیں

دِید اُن کی نہ ہوسکی حاصل
بارہا ہم وہاں سے گُزرے ہیں

خوفِ تیرِ مژہ ہو کیا ہم کو
ہم تو تیروسناں سے گُزرے ہیں

تیرا ملنا بہار ہے اُن کو
جو ہمیشہ خِزاں سے گُزرے ہیں

گرمیِ عشق کیا کہوں واعظ!
کوہِ آتش فِشاں سے گُزرے ہیں

کاش پوچھیں وہ ہم سے محفل میں
آپ کیوں کر یہاں سے گُزرے ہیں

جانتے ہیں حقیقتِ رِضواں
ہم بھی باغِ جناں سے گُزرے ہیں

ہم تلاشِ حبیب میں نیرنگؔ
جانے کِس کِس مکاں سے گُزرے ہیں

***

(98)

مَیں گردشِ اَیام کا شِکوہ نہیں کرتا
رنج و غم و آلام کا شِکوہ نہیں کرتا

ہوں تشنہ، لبِ جام کا شِکوہ نہیں کرتا
مَیں ساقیِ گُلفام کا شِکوہ نہیں کرتا

تقدیر نے لا ڈالا مجھے قیدِ قفس میں
صَیاد! ترے دام کا شکوہ نہیں کرتا

مجھ کو بھی دیا، جو بھی دیا، تُو نے دیا ہے
مولا! ترے اِنعام کا شِکوہ نہیں کرتا

حوران بہشتی نظر آئیں تو مجھے کیا
مَحرُومیِ اَصنام کا شِکوہ نہیں کرتا

جو کچھ بھی ہے حاصل وہ اَمانت ہے خُدا کی
میں عشرت و آرام کا شِکوہ نہیں کرتا

اُس زلفِ سیاہ فام و رُخ یار سے توبہ
میں رنگِ صبح و شام کا شِکوہ نہیں کرتا

نرمی ہو، حلاوت ہو کہ سختی ہو زباں میں
مَیں گفتگوئے عام کا شِکوہ نہیں کرتا

خوش رہتا ہوں میں کلبۂ تاریک میں ہر دم
پُرنور دَر و بام کا شِکوہ نہیں کرتا

پردے میں رہے حُسن کہ بے پردہ و عُریاں
اِس مَوردِ الزام کا شِکوہ نہیں کرتا

صَد شُکر کہ حاصل ہے مجھے نانِ جویں بھی
مَیں پستہ و بادام کا شِکوہ نہیں کرتا

دُنیا میں کسی چیز سے رغبت ہے نہ نفرت
دُنیا کے اِن اوہام کا شِکوہ نہیں کرتا

اِنسان کو اِنسان سمجھنے کی غرض سے
مَیں اُس کے کِسی کام کا شِکوہ نہیں کرتا

قیودِ مذاہب سے مَیں آزاد ہوں نیرنگؔ
کوئی بھی میرے نام کا شِکوہ نہیں کرتا

***

(99)

زندگی کا مری ساماں بہم ہو کے رہا
مَیں بھی اَے اہلِ نظر واقفِ غم ہو کے رہا

مَیں گرفتارِ محبّت تھا ستم ہو کے رہا
ثابت اِس راہ میں لِلّٰہ قدم ہو کے رہا

مُعتقد گو مَیں ترا شیخِ حرم ہو کے رہا
اثر انداز میرے دِل پہ صنم ہو کے رہا

بڑھ گئی اور بھی اُس کو تری رحمت کی اُمید
اِک گنہگار پہ جب ترا کرم ہو کے رہا

مَیں نے جو مانگا دیا تو نے فراواں مجھ کو
تیرے اَفضال سے دامن مرا کم ہو کے رہا

مَیں کسی دام کے حلقے میں نہ آیا لیکن
باعثِ قید تِری زُلف کا خم ہوکے رہا

اِک کرشمہ تھا تِری زُلف کا دم بھر کے لیے
نُور و ظُلمات کا منظر بھی بہم ہوکے رہا

اَہلِ عالم نے تو چاہا تھا کہ تجھ سے چھوٹوں
مَیں مگر دل سے ترا تیری قسم ہوکے رہا

چمنِ دہر میں فارغ نہیں غم سے کوئی
گُلِ شاداب بھی بادیدۂ نم ہوکے رہا

حضرتِ فیضؔ کی صحبت کا اثر ہے نیرنگؔ
صاحبِ سیف بھی اِک اَہلِ قلم ہوکے رہا

***

(100)

دِل ترے ہجر میں غم خانہ نظر آتا ہے
باغِ عالم مجھے ویرانہ نظر آتا ہے

کِس لیے لوٹ کے جاؤں مَیں چمن میں صیاد
جب قفس بھی مجھے کا شانہ نظر آتا ہے

گامزن ہوتا ہوں جب شیخ حرم کی جانب
ہر قدم پر مجھے بُت خانہ نظر آتا ہے

تیری محفل میں پری زاد نہ آتا کیوں کر
شمع جلتی ہے تو پروانہ نظر آیا ہے

پھر وہی شام و سحر لوٹ نہ آئیں جب تک
عہدِ رفتہ مجھے افسانہ نظر آتا ہے

مجھ پہ احساں نہ کریں چارہ گرانِ عالم
درد منت کشِ پیمانہ نظر آتا ہے

دیکھتا کاش نگاہوں سے مِری اے واعظ
مَے کی اِک بوند میں میخانہ نظر آتا ہے

وہی کاشانۂ اُردو ہے مگر اَب اُس میں
شمع جلتی ہے نہ پروانہ نظر آتا ہے

کس توقع پہ کریں بات کسی سے نیرنگ
جو بشر ہے وُہی بیگانہ نظر آتا ہے

***

(101)

خاکساروں کو ہوش آجائے
شہریاروں کو ہوش آجائے

صحنِ گُلشن میں تیرے آنے پر
نُو بہاروں کو ہوش آجائے

گر پلا دے تو چشمِ میگوں سے
بادہ خواروں کو ہوش آجائے

تیری مژگان کے تصور سے
خارزاروں کو ہوش آجائے

تُو ہٹا دے نقاب چہرے سے
چاند تاروں کو ہوش آجائے

محوِ گریہ اگر مجھے دیکھیں
آبشاروں کو ہوش آجائے

عین ممکن ہے تیرے آنے سے
غم کے ماروں کو ہوش آجائے

تیرے ہمراہ گر چلے نیرنگؔ
راہ گزاروں کو ہوش آجائے

***

(102)

تجھ سے محفل میں مُلاقات کہاں تھی پہلے
میری تقدیر میں یہ بات کہاں تھی پہلے

اب تصوّر بھی ترا دِل میں نہیں لاسکتے
ہم سے پُوشیدہ تیری ذات کہاں تھی پہلے

ہائے وہ روز کہ جب طائرِ آزاد تھا مَیں
مجھ کو پابندیٔ اوقات کہاں تھی پہلے

نظر آنے لگا اب مجھ کو جمالِ جاناں
دِل کے آئینہ میں یہ بات کہاں تھی پہلے

بے غرض آپ نہیں آئے مرے ہاں ورنہ
میرے دِل کی یہ مدارات کہاں تھی پہلے

شبِ فرقت میں ملا غم کا سہارا مجھ کو
دیدۂ شوق میں برسات کہاں تھی پہلے

جب نماز آئی تو دُنیا میں مساوات آئی
اہلِ عالم میں مساوات کہاں تھی پہلے

عہدِ پیری کا ہے اِحسان جنابِ نیرنگؔ
زندگی وقفِ عبادات کہاں تھی پہلے

***

(103)

بلا سے میری کشتی کا نشاں باقی نہ رہ جائے
مگر حسرت تری آبِ رواں باقی نہ رہ جائے

یہ دِل باقی نہ رہ جائے یہ جاں باقی رہ جائے
تیرے تیروں کی حسرت مہرباں باقی نہ رہ جائے

اگر دِل میں خیالِ بوستاں باقی نہ رہ جائے
تو پھر اندیشۂ سُود و زیاں باقی نہ رہ جائے

چمن میں کوئی شاخِ آشیاں باقی نہ رہ جائے
شبانہ روز کی آہ و فغاں باقی نہ رہ جائے

مرا ذوقِ تمنا خود مِری منزل کا جویا ہے
بلا سے کوئی میرِ کارواں باقی نہ رہ جائے

جنوں کے جوش میں بھی تو خیالِ یار ہے باقی
کہیں ہوش و خرد کی داستاں باقی نہ رہ جائے

بہارِ جاوداں کو کون پوچھے گا زمانے میں
چمن والو! چمن میں جب خزاں باقی نہ رہ جائے

بجز افسوس کچھ حاصل نہ ہوگا اُن کو اے نیرنگؔ
جو کہتے ہیں یہاں اُردو زباں باقی نہ رہ جائے

***

(104)

"دِل کشی نام کو بھی عالمِ اِمکاں میں نہیں
اپنے مطلب کا کوئی پھول گُلستاں میں نہیں"

زندگانی ہے یہیں رہ کے فنا ہو جانا
فائدہ شمع مجھے دُیدۂ گریاں میں نہیں

صاف باطن کا ترے کتنا اثر ہے دل پر
جو مزا مجھ کو نہیں میں ہے تری ہاں میں نہیں

جب سے رکھا ہے رہِ کوئے محبّت میں قدم
فرق کچھ میرے لیے مشکل و آساں میں نہیں

کم سہی ظرفِ طلب اپنا جہاں میں لیکن
کچھ کمی میرے لیے رحمتِ یزداں میں نہیں

کتنی نسبت ہے مرے دل کو تیری زُلف کے ساتھ
جو سکوں دِل میں نہیں زُلفِ پریشاں میں نہیں

"نقشِ توحید ہے ہر نقشِ جبینِ سجدہ
کہیں کعبے کا تو پتھر درِ جاناں میں نہیں"[۲]

لُطف جو تیرے چمن میں ہے مہاویر ہمیں
اہلِ فردوس کو وہ روضۂ رضواں میں نہیں

منتشر ہیں تیرے انوار کے ذرات جہاں
کوئی تفریق وہاں گبرو مسلماں میں نہیں

تیرے دم سے در و دیوار جہاں ہیں روشن
تجھ سے بہتر تو کوئی شمع شبستاں میں نہیں

زندگانی کا یہی راز بتایا تو نے
"خاکساری جو نہیں خاک بھی اِنساں میں نہیں"[3]

تیرے میخانے سے جب جام پیا ہے میں نے
"بادہ نوشی کا مزا محفلِ رنداں میں نہیں"[4]

ہر زباں ایک سی ہے میری نظر میں نیرنگ
فرق کچھ ہندی و اُردو کے سخن داں میں نہیں

***

(03-04-1967)

[1,2,3,4] چندن بھان کیفی دہلوی سے ہیں

(105)

ہے ہر اِک بشر کا شعار اپنا اپنا
ہے ہر پھول کے ساتھ خار اپنا اپنا

ہے ہر شخص کی زندگی اپنی اپنی
ہے ہر زندگی کا معیار اپنا اپنا

طبیعت میں رنگینیاں بھی جُدا ہیں
اُنھیں سے ہے لُطفِ بہار اپنا اپنا

ہے بادہ بھی پانی ہے پانی بھی پانی
ہے اِن پانیوں میں خُمار اپنا اپنا

شبِ غم میں ہوتا ہے گاہے مُیسّر
دلِ مُضطرب کو قرار اپنا اپنا

بہت ہیں زمانے میں اُستادِ کامل
سخن میں ہے سب کا شمار اپنا اپنا

زمانے میں ہے کون ہمدرد نیرنگؔ
اُٹھاتا ہے ہر شخص بار اپنا اپنا

(106)

شمع حُسن پر ہے فروزاں اب تک
دِل وہاں پر نہ ہو کیوں نُور بداماں اب تک

دِل جسے سمجھا تھا مَیں خانۂ یزداں اب تک
نہ رہا آکے وہاں کوئی بھی مہماں اب تک

مَیں وُہ مجنوں ہوں کہ ڈھونڈے ہے بیابان اب تک
راہ تکتے ہیں مری خارِ مغیلاں اب تک

یُوں تو ہر چیز زمانے میں گراں ہے لیکن
ایک انساں ہے جو قیمت میں ہے ارزاں اب تک

عمر بھر جس نے میرے دِل کو پریشاں رکھا
وہ بھی کاش میری طرح سے ہو پریشاں اب تک

تم ہو کیوں اپنی جفاؤں پہ ابھی سے نادم
میں نہیں جب کہ وفاؤں پہ پشیماں اب تک

صنعتِ بخیہ گری بھی نہ ہو شاید بدنام
ہوسکا جو نہ رَفُو میرا گریباں اب تک

کیسے انداز سے آئے تھے وہ اللہ اللہ
آئینہ بھی ہے جنھیں دیکھ کے حیراں اب تک

ایک بیکار سی جاں ہے جو لیے پھرتا ہوں
کرسکا حیف نہ میں اُس کو بھی قرباں اب تک

اے تہی دست مَیں تیری طرح نادار نہیں
میرے ورثے میں ہے باقی غمِ جاناں اب تک

تم ہی انصاف سے کہہ دو کہ یہ انصاف ہے کیا
کہ چلے آتے ہیں نادار سخن داں اب تک

کِس سے پوشیدہ ہے اُردو کی فصاحت نیرنگؔ
یہ زباں وہ ہے کہ ہوں جس پہ مَیں نازاں اب تک

(107)

رہروِ مُلکِ عدم چار قدم اور سہی
زِندگی کم تو نہ تھی، موت کا غم اور سہی

واسطہ تجھ کو تِری تیغ کا دَم اور سہی
تیرا اِحسان سہی، تیرا کرم اور سہی

اللہ اللہ رُخِ گلگوں پہ سیاہی کا نشاں
سوچا ہوگا کہ سیاہ رنگ قلم اور سہی

نہیں شکوہ کہ ہوں محروم وصالِ جاناں
دِل کے بُت خانے میں اِک یادِ صنم اور سہی

لذتِ مئے سے شناسا نہ تھا میں پیرِ مغاں
جب پلا دی ہے تو پھر تری قسم اور سہی

دیکھتا کون ہے مَے خانہ میں اَے بندہ نواز
کہہ دو ساقی سے ذرا شیخِ حرم! اور سہی

کس طرح عشق سے گھبرائیں بھلا اے واعظ
ایک عالم ہے جہاں رُسوا تو، ہم اور سہی

خُوب گُزری ہے سرِ شام سے اب تک نیرنگؔ
صُحبتِ رنداں میں اِک لخظ بہم اور سہی

***

(108)

گُلِ خُوش رنگ سے ہم خار تک آپہنچے ہیں
دیکھئے رِفعتِ معیار تک آپہنچے ہیں

ہم اِدھر عشق میں اِصرار تک آپہنچے ہیں
وہ اُدھر شکووں سے اِنکار تک آپہنچے ہیں

اُن کی گویائی کا اَب ہم کو یقیں آنے لگا
لبِ خاموش سے اِظہار تک آپہنچے ہیں

قطرہ قطرہ ہی تو ساقی نے پلایا تھا ہمیں
ایک دو روز میں مَے خوار تک آپہنچے ہیں

اُن کے کوچے میں ہی رُسوائی کا آغاز ہوا
ہوتے ہوتے سرِ بازار تک آپہنچے ہیں

خاکساروں پہ رہے، خاص عنایت کی نظر
آتے آتے ہی تو سرکار تک آپہنچے ہیں

بُلبلِ باغ کو خارِوں میں مِلی جائے پناہ
اور اِدھر زاغ سمن زار تک آپہنچے ہیں

کسی اُمید کے بَر آنے کی صورت کیسی؟
جب کہ اَغیار درِیار تک آ پہنچے ہیں

کیوں نہ ہو شکوۂ ناقدریٔ عالم نیرنگ
رنج وغم جب مرے اشعار تک آپہنچے ہیں

***

(11-03-1956)

(109)

محبّت مِری داستاں ہوگئی
سُنی جس نے دردِ زباں ہوگئی

نہ پوچھو مری شب کہاں ہوگئی
جہاں سوگیا مَیں وہاں ہوگئی

جو تیری نگاہ مہرباں ہوگئی
ہر اِک شے جہاں کی جواں ہوگئی

غمی ہر خوشی کا نشاں ہوگئی
بہار آتے آتے خزاں ہوگئی

ہے شاید یہ وقتِ نمازِ سحر
پلا جلد ساقی اذاں ہوگئی

جہاں راہبر بدگماں ہوگیا
وہاں منزلِ کارواں ہوگئی

بہت تیز رفتار تھی زندگی
مَیں سنبھلا نہ تھا وہ رواں ہوگئی

خریدار ہر ہر نفس بڑھ گئے
یہ دِل کیا ہوا اِک دکاں ہوگئی

وہ محرومِ لُطف و کرم ہوگیا
جسے فِکرِ سُود و زیاں ہوگئی

تھا سرمایۂ خاص نیرنگؔ مِرا
وہ پامال اُردو زباں ہوگئی

***

(110)

خلوصِ دِل نہ ہو جب تک کسی میں
مزا کیا آئے اُس کی دوستی میں

یہ کیا اندھیر ہے شائستگی میں
اَندھیرا اور اتنی روشنی میں

رکھیں گے یاد کیا ہم زندگی کو
کوئی دم بھی نہ گُزرا جب خوشی میں

بہت ہی سخت جان ہوں بندہ پرور
جیئے جاتا ہوں اُلفت کی کمی میں

بہت اچھا ہوا تم آگئے ہو
مزا آئے گا اب بادہ کشی میں

ہجومِ غم میں جانِ ناتواں ہے
کشش کیا ہے حیاتِ عارضی میں

جسے کہتے ہیں جنّت کا نظارا
نظر آیا مجھے تیری گلی میں

نہ پوچھو قصۂ غم مجھ سے ہر گز
مِرا اظہارِ غم ہے خامشی میں

تصنّع اُس پہ لاکھوں بار صدقے
جو لُطفِ زندگی ہے سادگی میں

ہوئی حاصل مرادِ دِل نہ ہر گز
بہت ہی زور مارا بندگی میں

کھلے ہیں گل غم و رنج و الم کے
بہار آئی ہوئی ہے زندگی میں

ترا لُطف و کرم جب سے ہوا ہے
مزا آنے لگا ہے زندگی میں

کسی پہلو قرار آتا نہیں ہے
اندھیرے میں رہوں یا روشنی میں

کہاں ہے لائق صحبت کسی کے
نہ ہو جب آدمیت آدمی میں

جنابِ شیخ کچھ پی کر بتائیں
مزا پینے میں ہے یا تشنگی میں

وہ بدقسمت اسیرِ غم ہوں نیرنگؔ
ہنسی آتی نہیں مجھ کو ہنسی میں

(111)

وِہ دِل کہ جِس میں تِرا انتظار ہوتا ہے
قسم خُدا کی وہ رشکِ بہار ہوتا ہے

کبھی جو کوئی کسی پر نثار ہوتا ہے
برائے سجدہ اُسی کا مزار ہوتا ہے

گناہ کسی سے اگر ایک بار ہوتا ہے
تِرے کرم کا وہ اُمیدوار ہوتا ہے

جو سادہ لوح و شرافت شِعار ہوتا ہے
زمانے بھر کو وُہی ناگوار ہوتا ہے

شہیدِ ناز قیامت میں بھی نہیں اُٹھتا
شرابِ عشق میں ایسا خُمار ہوتا ہے

فریب سارے زمانے کے یاد ہوں جس کو
زمانہ اُس کے لیے سازگار ہوتا ہے

خدا نے چرب زبانی جسے عطا کردی
خُدا رسیدوں میں اُس کا شمار ہوتا ہے

سمجھ میں کچھ نہیں آتا مذاقِ فطرت کا
نصیب گُل کے مقدر میں خار ہوتا

عجب طرح کی ہے اِنساں کی زِندگی نیرنگ
وطن میں رہ کے غریب الدیار ہوتا ہے

***

(112)

ہم ذوقِ دیدِ حُسن گوارا نہ کر سکے
وہ سامنے بھی آئے نظارا نہ کر سکے

اچھا ہوا کہ مِل نہ سکی عمرِ جاوداں
جب چار دِن بھی جی کے گزارہ نہ کر سکے

کرتے کسی سے کیا بھلا ہم دِل کا تذکرہ
جب چارہ گر بھی درد کا چارہ نہ کر سکے

پیتے نہ کس طرح کہ گھٹاؤں کا زور تھا
تُوبہ کے باوجود کنارا نہ کر سکے

اے نامہ بر تمہاری رسائی کا فائدہ
جب اُن سے ذکر تک بھی ہمارا نہ کر سکے

ترکِ سفر بھی کیا کوئی مشکل سی بات تھی
افسوس آپ ہم کو اشارا نہ کر سکے

شکوہ بھی ہو تو حضرتِ نیرنگؔ بجا ہو
شاید وہ تم سے بات دوبارا نہ کر سکے

***

(113)

ہندو کو اپنے رسم و روایات پر ہے ناز
مُسلم کو احادیث اور آیات پر ہے ناز

عیسائیوں کو دینی حکایات پر ہے ناز
معلوم ہے یہود کو تورات پر ہے ناز

یہ بزمِ ناز ہے نہیں دُنیائے بے ثبات
ہر اِک بشر کو اپنے کمالات پر ہے ناز

ہیں زندگی کی راہ میں کچھ اور بھی مزے
رہرو کو منزلوں کے نشانات پر ہے ناز

عالم کو دیکھئے تو وہ نازاں ہے علم پر
جاہل کو اپنے جہل و خرافات پر ہے ناز

ہے آمدِ حکام پہ کوئی رَواں دَواں
اُس کو چہار حرفی خطابات پر ہے ناز

ہوتا ہے اہتمام کہیں خُورد و نوش کا
قائد کو جاہلوں کی ملاقات پر ہے ناز

ہوتا ہے جب کسی کو بھی جمہور میں فروغ
حاسد کو خود نوشت شکایات پر ہے ناز

بے زر کو صبر و شکر و قناعت سے کام ہے
زردار کو رَقوم و حِسابات پر ہے ناز

شاید شُعاعِ عِلم نظر آئی دُور سے
چیلے کو بھی گورو کی ہدایات پر ہے ناز

موسم کوئی ہو جان کا اُس کو نہیں خیال
گلچیں کو برگ و بار و نباتات پر ہے ناز

عیش و نشاط و لُطفِ شراب و کباب ہے
بدکار و روسُیاہ کو سیاہ رات پر ہے ناز

افسر کو ہے یہ ناز کہ روزی رساں ہے وہ
ماتحِت کو خوشامدِ اوقات پر ہے ناز

صوفی کو حُورِ روضۂ رضوان سے غرض
دِن رات اُس کو اپنی عبادات پر ہے ناز

اُمت کو ہے گُمان کہ حاصل ہوئی نجات
پیغمبروں کو اپنی کرامات پر ہے ناز

عاشقِ کو روشنی کی ضرورت ہے بہردل
مَعشُوقِ پُرضیا کو حجابات پر ہے ناز

ہے منطقی غریقِ خیالات رات دن
اور فلسفی کو اپنے قیاسات پر ہے ناز

کس کس ادا سے جاتا ہے محفل کے درمیاں
شاعر کو شعر، قطعہ، رُباعیات پر ہے ناز

سچ پُوچھئے تو محتسب کی شان ہے نئی
اُس کو تو واردات و فسادات پر ہے ناز

کتنے مریض عازمِ مُلکِ عدم ہوئے
پھر بھی طبیب کو ادویات پر ہے ناز

غِلماں کا قُرب، آتشِ دوزخ سے بُعد ہو
زاہد کو زُہد اور مُناجات پر ہے ناز

میکش کو مئے و ساغر و مینا سے ہے سرور
پیرِ مغاں کو جام و خرابات پر ہے ناز

عاشق شبِ وصال کا ہے مُنتظر مگر
قاصد کو راہ و رسم و پیامات پر ہے ناز

نیرنگؔ! تو بھی بچ نہیں سکتا ہے ناز سے
تجھ کو بھی رب العالمیں کی ذات پر ہے ناز

***

(114)

زندگانی کا لُطف خاک نہیں
اِس کہانی کا لُطف خاک نہیں

یہ تو مانا کہ مہرباں ہو تم
مہربانی کا لطف خاک نہیں

جب گلوں میں نہیں ہے بُوئے وفا
باغبانی کا لُطف خاک نہیں

رہ کے دُنیا میں کیا کریں گے ہم
دارِ فانی کا لُطف خاک نہیں

کوئی کیوں کر ہو ترجمانِ دل
ترجمانی کا لطف خاک نہیں

ہم زباں آپ تھے تو بات بھی تھی
ہم زبانی کا لُطف خاک نہیں

پاس تم تھے تو لُطف حاصل تھا
اب جوانی کا لُطف خاک نہیں

ذکرِ اشعار کیوں کریں نیرنگؔ
شعر خوانی کا لُطف خاک نہیں

***

(30-11-1971)

(115)

آپ ہیں اہلِ وفا یا ہیں جفا کے بندے
ہم بہرحال ہیں تسلیم و رضا کے بندے

اِک محبّت کے لیے جاں سے گُزر جاتے ہیں
ایسے دُنیا میں بھی ہوتے ہیں خدا کے بندے

اُن کے نزدیک مقدر کا بدلنا کیا ہے
خاک کو کرتے ہیں اِکسیر دُعا کے بندے

دولتِ قلب و جگر کو یوں ہی پنہاں کیجیے
لُوٹ لیتے ہیں مگر حُسن ادا کے بندے

آنکھ سے آنکھ ملاتے ہی پگھل جاتے ہیں
ہم نے دیکھے ہی نہیں شرم و حیا کے بندے

لاکھ مِل جائے اُنھیں دولتِ دُنیا لیکن
مطمئن ہوتے نہیں حرص و ہوا کے بندے

جب کوئی آتی ہے دُنیا میں مصیبت نیرنگ
بھول جاتے ہیں خُدا کو بھی خُدا کے بندے

***

(116)

شکووں سے دو دِلوں کی صفائی ہوئی تو ہے
اُن تک کسی طرح سے رسائی ہوئی تو ہے

جلنا بھی دِل میں حاصلِ توقیرِ عشق ہے
آخر یہ آگ اُن کی لگائی ہوئی تو ہے

اچھا ہوا کہ دستِ طلب تک نہ اُٹھ سکا
پختہ ہماری شانِ گدائی ہوئی تو ہے

دِل ہے نصیبِ دشمناں، ویران کیوں کہوں
اِس میں کسی کی یاد سمائی ہوئی تو ہے

مِلنا نہ ملنا اُن کا نصیبوں پہ ہے ولے
اپنی طرف سے بات چلائی ہوئی تو ہے

اِس دور میں خلافِ توقع سہی مگر
مُدت کے بعد نغمہ سرائی ہوئی تو ہے

محرومِ بزمِ ناز ہوں نیرنگؔ تو کیا ہوا
دِل میں غموں نے بزم سجائی ہوئی تو ہے

کس کو بھلا کہیں یہاں کس کو بُرا کہیں
دُنیا تمام اُس کی بنائی ہوئی تو ہے

***

(117)

فصلِ بہار جلوہ نُما ہے مرے لیے
عیش و نشاط آج روا ہے مرے لیے

یارانِ دِل رُبا کی ادا ہے مرے لیے
کیسی نظر فریبِ فضا ہے مرے لیے

کانوں میں گونجتی ہے محبّت بھری صدا
ہر سُو محیط فضلِ خدا ہے مرے لیے

لائی ہے میرے واسطے پیغامِ آرزو
مقبول آج کتنی صبا ہے مرے لیے

کتنی ہیں اَوج پر مرے دِل کی مَسرتیں
گویا معیارِ عیش جُدا ہے مرے لیے

نیرنگؔ جو دِل سے میری مُبارک قبول ہو
اِس سے زیادہ فخر بھی کیا ہے مرے لیے

(13-02-1969) ***

(118)

اگرچہ آج ہیں ظاہر میں ویرانوں سے وابستہ
رہے ہیں مُدتوں ہم بھی گُلستانوں سے وابستہ

دِل مُضطر نہ کیوں اپنا ہو پیکانوں سے وابستہ
کہ برکت اَہلِ خانہ کی ہے مہمانوں سے وابستہ

اگر کرتے دِل ناداں کو پیمانوں سے وابستہ
تو ہو جاتے کبھی کے ہم بھی میخانوں سے وابستہ

کِسی کے حُسن بے پایاں پہ مرنا بھی ضروری ہے
کہ تقدیرِ شمع ہوتی ہے پروانوں سے وابستہ

شکایت کیا اگر قلب و جگر نے زخم کھائے ہیں
کیا ہے ہم نے خود کو جب کہ نادانوں سے وابستہ

رسائی کی تمنا کس طرح انساں میں پیدا ہو
کہ ذوقِ دید اپنا جب ہو دربانوں سے وابستہ

لبِ ساحل سکونِ دِل نہ جب پایا گیا ہم سے
کیا ہے زندگی کو ہم نے طوفانوں سے وابستہ

زبوں حالی میں بھی قدرت ہمارا ساتھ دیتی ہے
"کہ تقدیر سکوں ہے ہم پریشانوں سے وابستہ"[1]

نہ ہوتے اِس قدر رُسوائے عالم آج ہم نیرنگؔ
اگر کرتے ہم اپنے دِل کو اِنسانوں سے وابستہ

***

[1] حفیظؔ میرٹھی

(119)

خُشک گلشن ہو چکا ابرِ بہار آیا تو کیا
چہچہاتا خشک شاخوں پر ہزار آیا تو کیا

فاقہ مستی میں گزاری جس نے، اُس کی موت پر
کوئی گنجینہ لیے بہرِ نثار آیا تو کیا

زندگانی میں جسے نانِ جَویں حاصل نہ تھی
موت پر لے کر کوئی سیب و انار آیا تو کیا

زِندگی میں جو کہ محتاج غمِ الفت رہا
بعدِ مُردَن کوئی یارِ غمگسار آیا تو کیا

دانے دانے کو ترس کر جس نے دُنیا چھوڑ دی
پھر کوئی اُس کی بنانے یادگار آیا تو کیا

بن چکا حسرت لیے جس کا مزار بے کسی
ڈالنے اُس پر کوئی پھولوں کے ہار آیا تو کیا

جس کو کانٹوں پر گھسیٹا عمر بھر اُس کے لیے
کوئی روتا قبر پر زار و قطار آیا تو کیا

جیتے جی جس نے نہیں مانی کسی کی بات تک
اب وہ پچھتاتا ہوا طاعت گزار آیا تو کیا

جس کی ہر اِک بات سے دُنیا گریزاں ہی رہی
اب شہیدوں میں اگر اُس کا شمار آیا تو کیا

عمر بھر شکوہ رہا ناقدردانی کا جسے
اُس کی میت کو اُٹھانے شہریار آیا تو کیا

"جانے والا جا چکا دُنیا کی ہر منزل سے دُور"
ڈالتا سَر پر کوئی گرد و غبار آیا تو کیا

اپنی عزت دیکھنے والا ہی جب باقی نہیں
اجنبی آیا تو تو کیا، اہلِ دُیار آیا تو کیا

دیدۂ پُرنم لیے نیرنگؔ تو رُخصت ہوگئے
با دلِ غمگین وہ اب جانِ بہار آیا تو کیا

***

(02-10-1970)

(120)

دردِ غم کو دوا سے کیا مطلب
اِس مرض کو شِفا سے کیا مطلب

تلخیاں جن کے ہوں مقدر میں
اُن کو شیریں نوا سے کیا مطلب

جو ہُوں ظلمت پسند، ظُلمت میں
ماہِ نُور و ضیا سے کیا مطلب

بے وفاؤں میں عُمر گُزری ہے
ہم کو اَہلِ وَفا سے کیا مطلب

ہو گراں جس کو عمرِ دو روزہ
اُس کو آبِ بقا سے کیا مطلب

اَہلِ کشتی ہیں آشنائے نصیب
ناخُدا کو خُدا سے کیا مطلب

جِس کے اشعار ہوں حَسیں نیرنگؔ
اُس کو حُسنِ ادا سے کیا مطلب

(121)

عِشق اللہ کی رحمت کا نشاں ہوتا ہے
سب کی قِسمت میں یہ اعزاز کہاں ہوتا ہے

عُمر پر کچھ نہیں موقوف جوانی کی بہار
وہ جواں ہوتا ہے دِل جس کا جواں ہوتا ہے

محو ہو جاتی ہے ہر چیز جہاں کی دِل سے
اِک ترا غم ہے جو سرمایۂ جاں ہوتا ہے

سنگ بھی آگ اُگلتا ہے جو صدمہ پہنچے
دِل تو پھر دِل ہے جو مجبورِ فغاں ہوتا ہے

فکر کرنے کی ضرورت نہیں صیاد تجھے
خُود پہنچ جاتے ہیں ہم دام جہاں ہوتا ہے

حُسن ہو کیوں نہ خلائق کی نظر سے پنہاں
مانگ جس مال کی بڑھ جائے نہاں ہوتا ہے

کس طرح آؤں بھلا بہر نماز اے واعظ
وقتِ مے نوشی ہی جب وقتِ اذاں ہوتا ہے

یہی اظہارِ محبّت ہے کہ خاموش رہوں
حالِ دِل جب کہ نگاہوں سے عیاں ہوتا ہے

ہائے کس طور زمانے کے چلن بگڑے ہیں
دوست کو دیکھ کے دُشمن کا گماں ہوتا ہے

شدتِ سرما سے بھی رہ نہیں سکتے نیرنگؔ
آہی جاتے ہیں جنھیں ذوقِ زباں ہوتا ہے

***

(122)

مزاجِ باغباں بدلا نہیں ہے
نظامِ گُلستاں بدلا نہیں ہے

بہت سے راستے بدلے ہیں لیکن
مقامِ کارواں بدلا نہیں ہے

وہی شاخِ شجر ہے اور ہم ہیں
ہمارا آشیاں بدلا نہیں ہے

سیاست نے بدل ڈالی ہے دُنیا
تشدّد کا نشاں بدلا نہیں ہے

بہاریں تو بہت بدلی ہیں میری
مگر رنگِ خزاں بدلا نہیں ہے

ابھی تک ہے فسادِ کفر و ایماں
خیالِ مرد ماں بدلا نہیں ہے

وہی ہے فرق ناقوس و اذاں میں
مُنافر کا جہاں بدلا نہیں ہے

بہت بدلا معیارِ زر پرستاں
معیارِ مُفلساں بدلا نہیں ہے

زباں سے تو ہے اظہارِ محبّت
مگر دل بدگماں بدلا نہیں ہے

وہی ہے رُونقِ بزمِ حُسیناں
خرامِ عاشقاں بدلا نہیں ہے

حریفوں نے اگرچہ زور مارا
مگر زورِ زباں بدلا نہیں ہے

یہی ہے لغتِ فرقہ پرستی
یہ اندازِ جہاں بدلا نہیں ہے

بدلنے کو تو نیرنگؔ ہم بھی بدلے
مگر وہ مہرباں بدلا نہیں ہے

***

(123)

تُو نے تو آنے دی نہ کمی التفات میں
اپنا قدم نہ اُٹھ سکا راہِ نجات میں

ہے لُطف تیری بات کا جو بات بات میں
ممکن نہیں ہے لُطف وہ قند و نبات میں

کچھ بھی مریضِ غم کی مسیحا! نہ فکر کر
روغن اَبھی بہت ہے چراغِ حیات میں

اپنا نصیب ہے کہ مسرت نہ مل سکی
ورنہ کمی تو کچھ بھی نہیں کائنات میں

اَہلِ حَرم و دَیر کے سجدوں کو کیا کہوں
جب تک کہ اِعتقاد نہ ہو تیری ذات میں

اب تک سراغ جان و دِل کچھ بھی نہیں ملا
لُوٹے گئے جو حُسن کی اِک واردات میں

اَہلِ نظر اِس دولتِ دُنیا کو کیا کریں
دولت وہ ہے نصیب ہو جو غم کی رات میں

نیرنگؔ جسے خُدا نے مذاقِ سخن دیا
سب کچھ ہے ہیچ اُس کے لیے کائنات میں

***

(124)

یہ مانا ساقیِ فطرت کا فیضِ عام رہا
مرا نصیب کہ اب تک میں تشنہ کام رہا

تمام عمر ترے غم سے ہم کو کام رہا
ہمارا قصۂ غم پھر بھی ناتمام رہا

عتاب جن کا ہمارے لیے مُدام رہا
دِل حزیں کو سدا اُن کا اِحترام رہا

تھی کیا خطا کہ فلک محوِ انتقام رہا
نہ مے کدہ ہے نہ ساقی نہ دَور جام رہا

خزاں رہی نہ بہاروں کا اہتمام رہا
ہمارے بعد چمن میں خُدا کا نام رہا

بوقتِ مرگ تمنا نہ تھی کوئی دِل میں
بس اتنا یاد ہے لب پر تمہارا نام رہا

مقامِ منزلِ جاناں کی کچھ اُمید تو ہے
سمندِ عُمر اگر یونہی تیزگام رہا

نہ جانے کس کی نظر کھا گئی گلستان کو
"نہ آشیانۂ بلبل بچا نہ دام رہا[1]"

ہزار حیف ہمیں فرصتِ گُناہ نہ ملی
جہاں میں اپنا بہت مختصر قیام رہا

یہی تو شکوہِ احباب ہے پسِ مردن
دُعا رہی نہ ہمارے لیے سلام رہا

ادب نوازوں کے دم سے تھیں محفلیں نیرنگ
نہ اب وہ ذوق و ادب ہے نہ وہ کلام رہا

***

[1] ساحرلدھیانوی

(125)

چلتا گیا ہمراہ، تھا مقدور جہاں تک
لے آئی مجھے گردشِ ایام کہاں تک

گر روک نہیں سکتے ہو تم اپنی زباں تک
ہوسکتا ہے اپنا بھی کہاں ضبط فغاں تک

کیا پوچھنا راہوں کا میں تنہا تو نہیں ہوں
احباب مرے ساتھ ہیں منزل کے نشاں تک

جب تک تو مرے ساتھ اے واعظ نہ پئے گا
چلنے کا نہیں میں بھی ترے ساتھ وہاں تک

اے شامتِ اعمال تجھے کس نے بُلایا
ہو جاتا مرا فیصلہ میرے ہی بیاں تک

ڈرتا ہوں زمانے سے کہ الزام نہ آئے
یہ عہدِ محبّت ہے فقط عمرِ رواں تک

آخر تو مَیں انساں ہوں فرشتہ تو نہیں ہوں
بچ سکتا تھا دُنیا میں گناہوں سے کہاں تک

(126)

جدھر بھی برقِ تجلیِ یار گُزری ہے
نگاہِ شوق اُدھر بار بار گُزری ہے

کبھی کبھی جو نسیمِ بہار گُزری ہے
قسم خدا کی بہت ناگوار گُزری ہے

جمال اُس بُتِ رنگیں ادا کا کیا کہنا
نظر سے رحمتِ پروردگار گُزری ہے

کیے ہیں فرطِ محبّت سے سیکڑوں سجدے
جہاں خیال میں تصویرِ یار گُزری ہے

وہی ہے آنکھ حقیقت میں آدمی کے لیے
شبِ فراق میں جو اشکبار گُزری ہے

یہ دیکھ حال ہے کیسا مرا ترے آگے
نہ پوچھ کیسے شبِ انتظار گزری ہے

قدم قدم پہ کفِ پاکو دیکھتا ہوں میں
مِری نگاہ سے جب نوکِ خار گزری ہے

نہ جانے کہہ دیا کیا بے خودی کے عالم میں
"وہ بات اُن کو بہت ناگوار گزری ہے"[1]

عزیز کیوں نہ ہوں رنج و غم و الم نیرنگ
انھیں میں زندگیِ خاکسار گزری ہے

***

[1] فیض احمد فیض

(127)

اب یقینِ عفو کی دِل میں فراوانی کہاں
کُفر جب کعبہ سے پیدا ہو مُسلمانی کہاں

ہو نہ سجدوں کی تڑپ جس میں وہ پیشانی کہاں
دِل کسی پر جب نہ قرباں ہو تو قربانی کہاں

تھا دِلِ زندہ سے قائم زندگی کا نام بھی
اب تلاطم خیز بحرِ دل میں طغیانی کہاں

ذرّہ ذرّہ ہے جہاں بحرِ ناپیدا کنار
مشکلاتِ دہر سے بچنے میں آسانی کہاں

انتظارِ دیدہ کا اب لُطف ہی جاتا رہا
حُسن کا پردوں میں وہ ذوقِ نگہبانی کہاں

دامنِ اُردو زباں جب ہاتھ سے جاتا رہا
حضرتِ نیرنگؔ پھر ذوقِ زباں خوانی کہاں

***

(128)

بُلبُل کی فغاں، پُھول کی خاموش زباں میں
ہے ذکر تیرے نام کا گُلزارِ جہاں میں

کہسار میں، صحراؤں میں اور آبِ رواں میں
پہچا مَیں ترے شوق میں ہر ایک مکاں میں

ناقوس کی آواز میں اور شورِ اذاں میں
کچھ فرق نہیں دُونو کے اندازِ بیاں میں

کعبے میں نہ بُت خانے میں نے کُوئے بتاں میں
تسکین کی صورت نظر آئی نہ جہاں میں

طے ہو نہ سکا شیخ و برہمن میں ابھی تک
تو کعبے میں ملتا ہے کہ تصویر بتاں میں

میں جتنا یقیں کرتا گیا اپنے یقیں پر
اُتنا ہی گماں بڑھتا گیا اُن کے گماں میں

مِل جائے مجھے کاش کوئی رہبرِ منزل
سرگرم سفر اب بھی ہوں منزل کے نشاں میں

مہاویر تِری بات کا دُنیا پہ اثر ہے
جادُو تھا بھرا تیری صداقت کی زباں میں

اے طالبِ حق، راہِ صداقت کے نگہباں
چرچا ہے تِرا آج بھی اِس باغِ جہاں میں

حاصل ہے مجھے آج بھی وہ گنجِ قناعت
کیا فکر، بہاروں میں رہوں میں کہ خزاں میں

آئی ہے کمی اپنے ہی اخلاق میں نیرنگؔ
نالے میں نہ وہ بات، اثر ہے نہ فغاں میں

***

(129)

ناوک انداز اُن کی نظر ہوگئی
دِل سے گُزری تو جزوِ جگر ہوگئی

ہائے دِل کی فغاں بے اثر ہوگئی
کروٹیں لیتے لیتے سحر ہوگئی

حُسن بڑھنے لگا تو نظر ہوگئی
موئے باریک اُن کی کمر ہوگئی

زندگی رنج کی ہم سفر ہوگئی
"مُسکرایا جو مَیں آنکھ تر ہوگئی"

میں رہا بات پر اپنی قائم مگر
زندگی بے وفا تھی بسر ہوگئی

سنگِ کعبہ سمجھ کر جھکی خود جبیں
وہ جگہ بھی ترا سنگِ در ہوگئی

سُن تو لی مَیں نے اے شیخ تیری اذاں
مے کدہ میں ہی لیکن سحر ہوگئی

شورِ محشر بھی مجھ کو جگا نہ سکا
تو جو گُزرا تو مجھ کو خبر ہوگئی

اُس نے جاتے ہی تجھ کو نکالا مگر
دِیر اتنی کہاں نامہ بر ہوگئی

دیدۂ ناز سے اُس نے دیکھا اِدھر
اَب مَیں سمجھا خطا در گُزر ہوگئی

خیر اچھا ہوا اُن کو دل دیدیا
عُمر بھر زندگی بے خطر ہوگئی

قافلے راہ میں خُوب لٹتے رہے
رہزنی عادتِ راہبر ہوگئی

قطرۂ عرق تھا اُن کے رُخسار پر
بُوند پانی کی رشکِ گہر ہوگئی

لاکھ کوشش سے نیرنگؔ چھپا نہ سکا
عاشقی تھی وہ خود مشتہر ہوگئی

***

(130)

چلتے چلتے جب اِک دو قدم رہ گئے
ہائے منزل سے اُس وقت ہم رہ گئے

آمدِ شیخ پر گردنیں جھک گئیں
جام و مینا کے سر خم کے خم رہ گئے

جس جگہ پر تری جستجو تک نہ کی
وہ مقاماتِ دیر و حرم رہ گئے

بے وفا بزمِ باراں پہ افسوس سے
سارے اُٹھ کر گئے اور ہم رہ گئے

آنے والوں کو دُنیا میں کیا ہے خوشی
جو نہیں آئے وہ محوِ غم رہ گئے

کن گناہوں کے بدلے ہے رحمت تری
ہم سے تیرے جو لُطف و کرم رہ گئے

اِس جہاں میں دلوں کا ہے ملنا محال
ہاں غنیمت ہے جو دِل بہم رہ گئے

ہے مجھے فِکر لازم اے میری زباں
چاہنے والے تیرے جو کم رہ گئے

بہرِ اشعار کی جو زمیں انتخاب
نیرنگؔ اِس میں تو اہلِ قلم رہ گئے

***

(131)

جو زباں سے لفظ نکلا داستاں ہوتا گیا
آرزوں کا مری یوں امتحاں ہوتا گیا

ذوقِ دِل جب مائل حُسن بتاں ہوتا گیا
رازِ عالم خود بخود مجھ پر عیاں ہوتا گیا

بے خودی میں مجھ سے حالِ دِل بیاں ہوتا گیا
مری ہر اِک بات پر وہ بدگماں ہوتا گیا

پتہ پتہ باغ کا نذرِ خزاں ہوتا گیا
اک مرا ذوق تمنا تھا جواں ہوتا گیا

آرزو ہی حُسن کا ماتم کہاں ہوتا گیا
جس جگہ تو نے قدم رکھا وہاں ہوتا گیا

تیرا نقش پا نہیں پر جس جگہ آیا نظر
اہلِ دل کے واسطے وہ آستاں ہوتا گیا

حُسنِ عالم سوز کی اللہ رے بے تابیاں
جس قدر چھپتا گیا اتنا عیاں ہوتا گیا

مری آنکھوں نے کیا ہے مجھ کو رسوائے جہاں
یہ وہ اَفسانہ تھا جو دردِ زباں ہوتا گیا

مجھ پہ بھی برسات کا اتنا کرم تو ہے ضرور
بجلیوں کے دم سے روشن آشیاں ہوتا گیا

غیر پر جب کی نظر تو مجھ کو بھی دیکھا ضرور
یہ کرم تو مجھ پہ اُن کا ناگہاں ہوتا گیا

کیوں نہ اے نیرنگؔ میں خود خادم الشعرا کہوں
اِن سے ہی تو میں شناسائے زباں ہوتا گیا

***

(132)

اِک نگاہِ ناز کا جب حق ادا ہوتا نہیں
جلوۂ حُسن بتاں کا تو صلہ ہوتا نہیں

صاحبِ غم جب کہ محتاج دوا ہوتا نہیں
پھر یہ شکوہ کیا ہے وہ غم آشنا ہوتا نہیں

اِرتکابِ قتل سے قاتل رہا ہوتا نہیں
ہو تو جاتا ہے کبھی لیکن سدا ہوتا نہیں

جب کسی کا عشقِ صادق رہنما ہوتا نہیں
آ کے منزل پر بھی منزل آشنا ہوتا نہیں

کیا دُعا مانگو گے تم بیمارِ غم کے واسطے
اِس مرض کا تو کوئی وقتِ دُعا ہوتا نہیں

حُسن بے پرواہ ہے جب تو دُور ہیں سب منزلیں
ورنہ حُسن و عشق میں تو فاصلہ ہوتا نہیں

اُس کے نقشِ پا کو جس نے چھولیا ہے ایک بار
وہ بُرا ہوتا بھی ہے تو وہ بُرا ہوتا نہیں

صُبح دم جب میں جھکا سجدے میں وہ آئی نظر
روشنی ہو جائے تو سجدہ روا ہوتا نہیں

تیر دیکھے ہیں مقدر کے خطا ہوتے مگر
وہ لگائیں جس نشانے پر خطا ہوتا نہیں

پارسائی کی شرائط پیرِ میخانہ سے پوچھ
ترکِ خورُد و نوش سے تو پارسا ہوتا نہیں

بدنصیبوں کے لیے جو ہیں حوادث کا شکار
اِک سوائے مے کدہ کے آسرا ہوتا نہیں

آمدِ نیرنگؔ پر تو اہتمامِ خاص ہو
ایسی محفل میں تو وہ نغمہ سرا ہوتا نہیں

***

(133)

سازِ ہستی کی صدا پر دِل کو تڑپانا پڑا
ایسی محفل میں نہ جانے مجھ کو کیوں آنا پڑا

وائے قِسمت سینکڑوں مایوسیوں کے باوجود
لوٹ کر آئے جہاں سے پھر وہاں جانا پڑا

عالمِ فانی میں رہنے کا عجب دستور ہے
رہ کے انسانوں میں انسانوں سے گھبرانا پڑا

اے سخن در عشق کی تاروں سے تو واقف نہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو دِل کے ساز پر گانا پڑا

تھی پتہ ان کو خطا کس کی پر اتنا ہے ضرور
جب وہ آئے سامنے تو مجھ کو شرمانا پڑا

ہوگئے ناصح جوازِ مے کشی کے معترف
مجھ کو سمجھاتے وہ کیا جب اُن کو سمجھانا پڑا

***

(134)

محبّت میں جفا ہوتی رہی ہے
نہ جانے کیا خطا ہوتی رہی ہے

کسے معلوم میرے دل کی حالت
تِری محفل میں کیا ہوتی رہی ہے

متاعِ کارواں لٹتے ہوئے بھی
تلاش رہنما ہوتی رہی ہے

نظر آتا رہا ہے مہرِ تاباں
نماز اکثر قضا ہوتی رہی ہے

ہمیشہ بزم میں واعظ کے ہوتے
پراگندہ فضا ہوتی رہی ہے

وَفا اپنی فریبِ عاشقی تھی
جفا اُن کی ادا ہوتی رہی ہے

غمِ دوراں سے گھبرائے ہوؤں کی
شراب اکثر دوا ہوتی رہی ہے

جفائے غیر کی ہو کیوں شکایت
جب اپنوں سے جفا ہوتی رہی ہے

جہاں پڑھنے گئے نیرنگ وہاں پر
غزل پر واہ وا ہوتی رہی ہے

***

(135)

نگہ ناز تری برق تپاں ہے کہ نہیں
اِس پہ خاموش مِری سَیف زباں ہے کہ نہیں

دِل سے منظور ہے طوفانِ حوادث لیکن
پوچھتا ہوں کہ کہیں جائے اماں ہے کہ نہیں

بے خودی کا یہ ہے عالم کہ میں اِس دُنیا میں
ڈھونڈتا ہوں مری منزل کا نشان ہے کہ نہیں

بے زبانوں پہ کیے تو نے ستم چرخِ بریں
سچ بتا تو بھی اُن آہوں کا دھواں رہے کہ نہیں

لاکھ شکوے سہی اے عالمِ فانی مجھ کو
دیکھنا یہ ہے مرے لب پہ فغاں ہے کہ نہیں

سر جھکانے سے غرض ہے وہ جھکا دیتا ہوں
مجھ کو کیا علم کہ ہنگامِ اذاں ہے کہ نہیں

کوئی پوچھے ذرا اِن اہلِ نظر سے نیرنگؔ
کہ زبانوں میں حَسیں اُردو زباں ہے کہ نہیں

***

(136)

میں دردِ محبّت کا مزا بھول گیا ہوں
افسوس کہ جینے کی ادا بھول گیا ہوں

مانا کہ ہر اک تیری جفا بھول گیا ہوں
یہ تو نہیں اندازِ وفا بھول گیا ہوں

کرتا ہوں اُسی جرمِ محبّت کا اِعادہ
میری یہ خطا ہے کہ خطا بھول گیا ہوں

جب تو نے نوازا ہے مجھے اپنی نظر سے
ہر بات کا شکوہ و گلہ بھول گیا ہوں

میں غرقِ ندامت ہوں اُسی روز سے نیرنگؔ
جس روز سے میں تیری رضا بھول گیا ہوں

***

(137)

گو تری بزم میں داخل نہیں ہونے پاتے
وای محرومی کہ بیدل نہیں ہونے پاتے

نگہِ ناز ترا اِس میں اشارا ہے ضرور
ورنہ رُسوا سرِ محفل نہیں ہونے پاتے

حُسن بے پردہ کی ہوتی ہے جہاں جلوہ گری
ماہ و خورشید مقابل نہیں ہونے پاتے

ناز و انداز کی ہوتی ہے جہاں جلوہ گری
تیر و شمشیر مُقابل نہیں ہونے پاتے

ہے دم مرگ بھی ناموسِ محبّت کا خیال
ہوئے بسمل بھی تو بیکل نہیں ہونے پاتے

لَطمہ خیزی غمِ عشق سے واقف ہیں وہی
جو کبھی راہیِ ساحل نہیں ہونے پاتے

محفلِ ناز میں اے شیخ اِجازت نہ ملی
تم مگر ناز کے قابل نہیں ہونے پاتے

گو زمانے کے سِتم کش ہی رہے ہیں لیکن
ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے

جن کو خود دارِ محبّت کا ثمر ملتا ہے
بینوائی میں مسائل نہیں ہونے پاتے

غرقِ دریائے ندامت بھلا رحمت کی طلب
جو گنہگار مسائل نہیں ہونے پاتے

حیف اغیار کو گلہائے محبّت ہوں نصیب
پر ہمیں خار بھی حاصل نہیں ہونے پاتے

اُن کو منزل سے بچھڑ جانے کا غم کیا ہوگا
جو کبھی صاحبِ منزل نہیں ہونے پاتے

دارِ منصور چہے یوسف و جُوئے فرہاد
عشق کی راہ میں حائل نہیں ہونے پاتے

دَورِ حاضر کی سیاست ہے زبانوں کا فساد
کیا مسائل ہیں کہ جو حَل نہیں ہونے پاتے

تم کو نیرنگؔ تمنائے شہادت کیسی
جب کہ تم عاشقِ کامل نہیں ہونے پاتے

***

(09-05-1957)

(138)

یوں تو ہے ساری زندگی کی زندگی غزل
دِل ہے اگر مکان تو ہے روشنی غزل

کس درجہ مجھ کو تجھ سے ہے وابستگی غزل
دُنیا ہے ہیچ تیرے مقابل مری غزل

جاؤں کہاں کہاں میں عبادت کے واسطے
دِل کا حرم ہے اور مری بندگی غزل

مایوسیوں میں مری صدا سُن کے دِلنواز
دیتی رہی ہے غم کو مرے تازگی غزل

گھبرا کے آج تلخیِ زارِ حیات سے
مُدّت کے بعد کہنے لگا ہوں نئی غزل

چھیڑا ہے میں نے سازِ محبّت کے تار کو
نکلی ہے اِس کی لَے سے محبّت بھری غزل

کہنے کو کہہ رہا ہوں مگر سوچتا ہوں میں
نیرنگ نہ ہو زندگی کی آخری غزل

(18-07-1970) ***

(139)

دِل کی ہر بات بتاؤں یہ ضروری تو نہیں
راز داں تجھ کو بناؤں یہ ضروری تو نہیں

ایک دِن تو ہی نہ کیوں آئے منانے کے لیے
مَیں ہی ہر بار مناؤں یہ ضروری تو نہیں

خود ہی چکھ لے گا وہ انجامِ محبّت کا مزا
دِل ناداں کو سیکھاؤں یہ ضروری تو نہیں

شیخ سے کس نے کہا تھا کہ وہ اتنی پی لے
اب اُسے ہُوش میں لاؤں یہ ضروری تو نہیں

دِل ہے آخر کسی کوچے میں بھٹکتا ہوگا
میں اُسے ڈھونڈھ کے لاؤں یہ ضروری تو نہیں

کم نہیں اُن کا تصوّر بھی کسی محفل سے
محفلِ ناز میں جاؤں یہ ضروری تو نہیں

تپشِ عشق ہی کافی ہے جلانے کے لیے
دِل میں خُود آگ لگاؤں یہ ضروری تو نہیں

جگمگاتا ہے تیری یاد سے قلبِ ویراں
گھر میں اِک شمع جلاؤں یہ ضروری تو نہیں

شعر کہنے کو تو کہتا ہوں مگر اے نیرنگؔ
کہیں جاکر میں سناؤں یہ ضروری تو نہیں

***

(140)

مریضِ عشق تڑپتا ہے اب شِفا کے لیے
اُٹھاؤ دستِ دُعا مومنو! خُدا کے لیے

درِ حضور پہ آئے تھے اِلتجا کے لیے
اِسی قصور میں پکڑے گئے سزا کے لیے

گناہ کرتا رہا اِس لیے، کریم ہے تو
میں شرمسار نہیں ہوں کسی خطا کے لیے

علاج ہو نہ سکے گا مرض کا تم سے کبھی
اُنھیں بلاؤ یہاں چارہ گر دوا کے لیے

وہ بے نقاب جو آئے، نظر قضا آئی
میری تلاش میں پھرتے رہے قضا کے لیے

وہ بُوالہوس تو قیامت میں شرمسار ہوئے
تیار ہو کے جو آئے تھے خوں بہا کے لیے

عجب طرح سے گُزرتی ہے زندگی نیرنگؔ
جفائیں سہ کے بھی مجبور ہوں وفا کے لیے

***

(141)

ابتدائی مرحلہ ہے ذوقِ رندانہ ابھی
دیکھنا پیتا ہوں میخانے کا میخانہ ابھی

آ کہ اس کو بھی ترے قدموں پہ میں کر دوں نثار
ایک باقی رہ گیا ہے دِل کا نذرانہ ابھی

کس لیے دھڑکن ہوئی جاتی ہے دِل کی تیز تر
لکھ رہا ہے کوئی شاید دِل کا افسانہ ابھی

ہوشیار اے واردِ بزمِ محبّت ہوشیار!
راہ تکتا ہے کسی مجنوں کا ویرانہ ابھی

حُسن والوں کا جہاں میں ہو رہا ہے اِحترام
چل کے آتا ہے حضورِ شمع پروانہ ابھی

دیکھ اے برقِ تپاں تری عنایت کے طفیل
اِک نیا تعمیر ہوگا اور کاشانہ ابھی

وائے قِسمت دستِ ساقی سے چھلک کر گر گیا
میری جانب لا رہا تھا بھر کے پیمانہ ابھی

یہ غلط ہے حضرتِ نیرنگؔ کبھی پیتے نہیں
ہم نے خود دیکھا ہے ان کو جاتے میخانہ ابھی

***

(05-04-1956)

(142)

جو بھی ثابتِ قدم نہیں ہوتا
اُس کو حاصلِ صنم نہیں ہوتا

جاں محبّت میں جو نثار کریں
اُن کو دُنیا کا غم نہیں ہوتا

شکوہ اپنا تو روز ہوتا ہے
کیا ہوا گر کرم نہیں ہوتا

جب سے پیرانِ مے کدہ سے ملے
ہم سے طوافِ حرم نہیں ہوتا

رہِ روانِ رہِ محبت کو
خوفِ راہِ عدم نہیں ہوتا

ہم تو خلوت سمجھ کے آئے تھے
شورِ محشر بھی کم نہیں ہوتا

مست ہوتا ہے تیرے سجدوں میں
سر ہمارا جو خم نہیں ہوتا

صاف ہے ہر بشر کی پیشانی
اُس پہ ہم تم رقم نہیں ہوتا

کاش کوئی کہے اُسے نیرنگؔ
دِل لگانا سِتم نہیں ہوتا

***

(143)

سیاہ زلفوں میں اِک ماہتاب کا مستُور ہو جانا
کمالِ شعبدہ ہے یوں شبِ دلجور ہو جانا

ذرا سا حُسن اُس پر اِس قدر مغرور ہو جانا
غضب ہے عالمِ۔فانی میں یہ دستُور ہو جانا

محبّت میں سیاہ بختی زیادہ اِس سے کیا ہوگی
قریب آنے کی کوشش میں کسی سے دور ہو جانا

طلسمِ ناز چشمِ ساقیِ محفل سبحان اللہ
اِدھر نظروں کا مِلنا اور ادھر مخمور ہو جانا

حیاتِ چند روزہ کیا بشر کی ہم نے اے نیرنگؔ
زباں ہوتے ہوئے چپ کے لیے مجبور ہو جانا

***

(25-07-1958)

(144)

مری تو خو ہے جہاں کے ستم اُٹھانے کی
رہے نہ بات کوئی مجھ کو آزمانے کی

گری ہے برق اُڑی خاک آشیانے کی
سُنائی بات وہی جو نہ تھی سنانے کی

یہ کس نے سجدہ کیا بارگاہِ جاناں میں
حرم سے بڑھ گئی توقیر آستانے کی

ابھی ہیں میرے لیے بدگمانیاں توبہ
بدل دی طرز کسی نے مرے فسانے کی

ہجومِ غم مری فطرت بدل نہیں سکتا
میں کیا کروں مجھے عادت ہے مسکرانے کی

خوشی کی بات کا تو ذکر کیا ہے اے ہمدم
مری تو غم میں بھی عادت ہے مسکرانے کی

نہ کرتا عرضِ تمنا تو کیوں خفا ہوتے
سزا تو مِل ہی گئی مجھ کو دِل لگانے کی

نصیب ہوتی ہے کاوش سے عشق کی منزل
یہ بات اُن کو نہیں ہے مگر بتانے کی

حرم سے آگے گُزر کر ہے دو قدم واعظ
یہ راہ سیدھی ہے حضرت شراب خانے کی

سِتم زمانے کے سہتا ہے روز و شب نیرنگؔ
لبوں پہ پھر بھی شکایت نہیں زمانے کی

***

(28-08-1959)

(145)

ہوں محوِ دید گردش ایام اِن دنوں
حیرت سے دیکھتا ہوں در و بام اِن دنوں

یاروں نے جو ملا دیا صحرا نورد کو
آئے کہاں سے نامہِ پیغام اِن دنوں

دُنیا سے دِل لگا کے بھلا کیا کریں گے ہم
جب ہر بشر ہے موردِ الزام اِن دنوں

دِل کا یہ مشورہ ہے زباں حق شناس ہو
ڈر ہے نہ ہو کوئی زباں ، بدنام اِن دنوں

بیٹھا رہوں خیالِ رُخ دلربا کیے
اِس کے سوا نہیں ہے کوئی کام اِن دنوں

ماضی کے دلفریب شبستاں کا ذکر کیا
جب ہے قیام گاہِ شارعِ عام اِن دنوں

دَیر و حرم سے مے کدہ جانے کی ہے صلاح
شاید نصیب ہو کہیں آرام اِن دنوں

ممکن نہیں کہ دِل سے مجھے وہ بھلا سکیں
ہوتا ہے جن کا ذکر صبح و شام اِن دنوں

***

(146)

شبِ سیاہ میں آئے ہیں وہ نقاب کے ساتھ
حجاب اُٹھتا ہے اُن کا مگر حُجاب کے ساتھ

خیال وصل رہا ہے کبھی خیالِ فراق
تمام عُمر گزاری ہے یوں جناب کے ساتھ

وہ زندگی جسے راحت سمجھ رہا تھا میں
گُزارتا ہوں وہی زندگی عذاب کے ساتھ

اِس التفاتِ محبّت کا شکریہ لیکن
میں شرمسار بہت ہوں اِس انتخاب کے ساتھ

غزل میں کیا ہوں محبّت کے ولولے نیرنگؔ
گُزر گیا ہے زمانہ بھی وہ شباب کے ساتھ

***

(147)

کچھ اِلتفاتِ دید کا ساماں ہوا تو ہے
رشکِ مسیح مائلِ درماں ہوا تو ہے

فُرقت کے بعد وصل کا اِمکاں ہوا تو ہے
اپنے کیے پہ خود وہ پشیماں ہوا تو ہے

شاید وہ جانتا ہو محبّت کے راز کو
سر زیرِ بار منتِ درباں ہوا تو ہے

اَب دیکھنا یہ ہے ہو تعمیر کس طرح
اِک بار دِل کا بُت کدہ ویراں ہوا تو ہے

اے شیخ مجھ کو دِل کی سیاہی سے کیا غرض
ظاہر میں کچھ نہ کچھ وہ مُسلماں ہوا تو ہے

ترے کرم سے ہم کو بقدرِ گناہ ملا
یہ دیکھ کر بشر ذرا حیران ہوا تو ہے

مُدت کے بعد آئے بھی آئے نقاب میں
پُورا کسی کے دِل کا کچھ ارماں ہوا تو ہے

مذہب کا ذکر چھیڑ کر واعظ نہ دِل دُکھا
کافی ہے یہ کہ آدمی اِنساں ہوا تو ہے

یہ کیا کہا کہ درخُورِ اُلفت نہیں ہوں میں
میرا جنوں بھی دست و گریباں ہوا تو ہے

ساقی ہے تو خیالِ شبِ ماہتاب کا
روشن وہ بزم میں ماہِ تاباں ہوا تو ہے

مجھ پر بھی کچھ بہار کا ہونے لگا اثر
داغِ دل غریب بھی خنداں ہوا تو ہے

نیرنگؔ اُمید ہے کہ عروجِ زباں ہو پھر
صحرا میں ایک پیدا سخن داں ہوا تو ہے

***

(148)

اگر بزمِ غم کا بیاں جُرم ہے
بہاروں میں ذکرِ خزاں جُرم ہے

کہاں ہے وہ ماحول رہنے کے قابل؟
زباں کھولنا بھی جہاں جُرم ہے

اُجڑتے ہوئے باغ کو دیکھ کر
کہیں کیا کہ آہ و فغاں جُرم ہے

قفس سے رہائی تو ممکن ہے لیکن
خرامِ سوئے آشیاں جُرم ہے

خرافاتِ دُنیا تو ہیں خوب لیکن
دِلِ زار کی داستاں جُرم ہے

جہاں گونج ہو شورِ زاغ و زغن کی
نوائے عنادل وہاں جُرم ہے

ہزار حیف ہے ایسی محفل پہ نیرنگؔ
جہاں حرمتِ شاعراں جُرم ہے

***

(149)

یہاں حُسن کے بعد ہے ناز پہلے
ہے اب سادگی میں بھی انداز پہلے

زمانے کی نیرنگیاں ہائے توبہ
ہے محمود پیچھے تو ایاز پہلے

کہاں تک محافل کی تنظیم ہوگی
نہ ہُوں جب کہ اصحابِ اعجاز پہلے

الٰہی زمانے کو کیا ہوگیا ہے
کہاں ہیں جو ہر دم تھے دمساز پہلے

کوئی دل کسی دل سے ملتا نہیں ہے
ہر اِک بات گویا ہے اب راز پہلے

طلسماتِ الفاظ باطل ہیں گویا
جہاں کُھل گئے لب وہاں ساز پہلے

نئے دور کا ہے فسانہ مُقدر
وہ عالم ہے جس میں تگ و تاز پہلے

نہ ہوتا کبھی حُسن بدنام اِتنا
اگر ہوتے قِسمت سے جانباز پہلے

غزل کیا کہے بزمِ یاراں میں نیرنگؔ
نہ دلکش ہو جب تک کہ آواز پہلے

***

(150)

شبِ فراق کبھی مختصر نہیں ہوتی
اذانِ مرغ سے بھی یہ سحر نہیں ہوتی

ہماری آہ و فغاں بااثر نہیں ہوتی
کبھی بھی اُن کو ہماری خبر نہیں ہوتی

ہر ایک چیز پہ رہتی ہے یوں تو اُن کی نظر
ہمارے حال پہ اُن کی نظر نہیں ہوتی

بہار بھی ہو تو اُس کو بہار کیا کہیے
ہماری شاخ اگر بارور نہیں ہوتی

تجلی ریز ہے یُوں تو وہ ماہ رو لیکن
ہمیں نصیب شعاعِ قمر نہیں ہوتی

ہزار حیف ہے اُس سرزمین پہ اے ہمدم
جہاں پہ قدرِ متاعِ ہُنر نہیں ہوتی

بساطِ عشق و محبّت ہے وہ مہم نیرنگ
تمام عُمر گُزر جائے سَر نہیں ہوتی

***

(151)

عیاں جہان سے جو رنگ اِس جہاں کا ہے
یہ خامشی کا زمانہ نہیں زباں کا ہے

پریشان حال ہے اہلِ چمن، چمن والو
یہ نو بہار کا موسم نہیں خزاں کا ہے

وفا شعار جو کل تک حبیب کہلائے
وہ پوچھتے ہیں کہ تو کون ہے کہاں کا ہے

ہے زندگی تو محبّت کی چاشنی کے لیے
یہ فکر کس لے، کیا حال آشیاں کا ہے

خدا کرے کہ نہ سمجھے کوئی سیاست کو
کہیں ہے جھگڑا زمین کا کہیں زباں کا ہے

کسی سے حال دِلِ غم زدہ کہیں کیوں کر
اثر دلوں پہ ابھی اِن کی داستاں کا ہے

نشاط و غم میں بھی نیرنگؔ تجھے تمیز نہیں
خوشی کا وقت ہے نادان کیا فغاں کا ہے

***

(152)

صدف کے مول دُنیا میں دُرِ شہوار بکتے ہیں
یہاں تو حضرت یوسف سرِ بازار بکتے ہیں

یہ کیا انصاف ہے اہلِ نظر انصاف فرمایں
گلُوں کو روندتے ہیں اہلِ دُنیا خار بکتے ہیں

بہت نایاب ہے اِس ہستیِ فانی کا سرمایہ
تیرے ہاتھوں میں خوش ہوکر مگر سرکار بکتے ہیں

زمانہ اَوج پر کتنا پہنچ جائے مگر پھر بھی
غلاموں کی طرح سے آج بھی نادار بکتے ہیں

ہزار افسوس ہے ایسی زمیں پر حضرتِ نیرنگؔ
جہاں مجبوریوں میں شاعرِ خود دار بکتے ہیں

***

(153)

محبّت میں کچھ ایسے بھی مقام آتے رہے اکثر
لبوں پر خواب میں بھی ان کے نام آتے رہے اکثر

دلِ مُضطر بہت ممنون ہے ان کے تصوّر کا
کہ اس کی راہ سے اُن کے پیام آتے رہے اکثر

نہ جانے کیوں تغیر آ گیا ان کی طبیعت میں
کوئی دن تک تو حضرت کے سلام آتے رہے اکثر

دِل ویراں کو میں ہر گز دل ویراں نہیں کہتا
تصوّر میں وہ جب ہر صبح و شام آتے رہے اکثر

کوئی بھی چیز خالق کی نہیں بے کار دُنیا میں
قدم لینے کو کانٹے تک بھی کام آتے رہے اکثر

غم و رنج و الم اندوہ کی غمخواریاں صدقے
مِری احوال پُرسی کو تمام آتے رہے اکثر

شکایت کون کرتا ساقیٔ محفل کی اے نیرنگؔ
بقدرِ ظرف جب رندوں کو جام آتے رہے اکثر

***

(154)

شاخِ گُلبن پہ خار باقی ہیں
آشنائے بہار باقی ہیں

عہدِ رفتہ کی یادگاروں میں
کچھ گریباں کے تار باقی ہیں

مژدہ ہے زائرینِ مرقد کا
حسرتوں کے مزار باقی ہیں

دِل میں جلووں کا نُور کیا معنیٰ؟
پردۂ ہائے غبار باقی ہیں

زندگانی کی منزلیں توبہ!
سنگریزے ہیں خار باقی ہیں

ماجرائے دِل حزیں کے لیے
غم زدو غم گُسار باقی ہیں

ہے غنیمت کہ خار زاروں میں
نغمہ ہائے ہزار باقی ہیں

وصفِ اُردو زبان ہے نیرنگؔ
سینکڑوں زر نگار باقی ہیں

***

(26-06-1955)

(155)

اب نقابِ رُخ جاناں کی ضرورت کیا ہے
شبِ دیجور میں ہے جب مہ تاباں باقی

اِس نئے دور میں رہنا ہے تو آداب بھی سیکھ
عاشقوں کے ہیں جو اطوار اے ناداں باقی

حدِ آداب میں بہتر ہے خموشی نیرنگؔ
کوئی کافر نہ کہے ہے یہ مسلماں باقی

***

فہرست
نظمیں

گورو نانک
اُفقِ ہند پہ ظلمت کے نشاں تھے ظاہر 647
گورو نانک
تو نے پھُونکی ہے دلوں میں وہ ہوا توحید کی 650
اِظہارِ عقیدت ''گورو نانک دیو''
ہماری قوم کے اِک قافلہ سالار نانک تھے 653
اَہنسا
ہو رہا ہے دَم بدم لبریز جامِ زندگی 655
اَہنسا کے پیمبر مہاویر سُوامی
اَے زمانے کو اَہنسا کے سِکھانے والے 659
مہرشی دیانند
قوم کے قافلے کا قافلہ سالار نہ تھا 661
یومِ ولادتِ مہاویر سُوامی
صاحبِ عزّ و شان آئے ہیں 663
گورو گوبند سنگھ
مرحبا اے قوم کے سالارِ اعظم مرحبا 665

تضمین بر اشعار حضرت خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمہ
وہ سَر کہ جو منکر ہو ترے لُطف و کرم کا 667
تضمین بر غزل حضرت غالبؔ مرحوم
جوشِ شباب میں اُسے سرشار دیکھ کر 669
مہاتما گاندھی
کیا دِل نواز موجِ صَبا کا خرام ہے 672
مہاتما گاندھی
مردِ خلیق و خوشتر گاندھی مہاتما تھا 673
مہاتما گاندھی اور ہندوستان
اَے وطن کی سَرزمیں اَے رشکِ فردوسِ بریں 675
مرثیہ وفات: پنڈت جواہر لال نہرو وزیرِ اعظم ہند
وائے حسرت حامیٔ اَمن و اَماں رُخصت ہوا 678
سبھاش چندر بوس: بتقریب یوم پیدائش
اَے مایۂ صد نازِ وطن تیری قسم ہے 681
شہیدِ اعظیم سردار بھگت سنگھ
اے کہ تیرا نام ہے نقش و نگارِ انجمن 683
مجسمۂ ایثار (لالہ لاجپت رائے "شیرِ پنجاب")
دُشمنوں کی لاٹھیوں سے تیری قربانی ہوئی 685
مرثیہ بر وفات: پنڈت ہنس راج آنجہانی
محوِ خرام بادِ صبا آج کیوں نہیں 687
عبدالغفار "عید اور وطن"
زمینِ سرخ پوش شانِ پشاور یاد آتی ہے 691

خان عبدالغفار خان کو سلام
کچھ دور ہے یہاں سے ایک خطۂ زمیں 693

ہمارا ہندوستاں
ہمالہ سا پربت جہاں پاسباں ہے 696

شانِ وطن
مُدت سے خوگرِ ستمِ آسماں رہے 699

ترانۂ وطن
عیاں برگ و بر سے 703

عزمِ جوان ہند
دیارِ ہند کو اُونچا اُٹھا کے چھوڑیں گے 706

للکار
کتنے طوفان تھے رستے میں جو حائل آئے 709

عزائم
زمین ہند کو رشکِ بہاراں کر کے چھوڑیں گے 711

ارادے
ہمارا عزم ہے خاکِ وطن کو آسماں کر دیں 713

آج کل
بھارت کی سرزمیں پہ خراماں ہوں آج کل 717

منصوبہ بندی.....ضبطِ تولید
بڑھ رہی ہے روز و شب آبادی ہندوستاں 719

گوا کے شہیدوں کی یاد میں
بحالِ زار چشمِ تر سے دو آنسو بہاتے ہیں 722

مادرِ ہندوستاں

زندہ اُٹھے ہیں مر کے اِسی آستاں سے ہم 724

نیاز مانہ: عالمِ تخیل میں

صداقت پر ہماری اَب کسی کو کیا گماں ہوگا 727

گرانی اور سرکارِ ہند

اے حال کی رودادِ گرانی تیرے صدقے 729

ویر جنتی

چمن کی آبیاری کو ہزاروں باغباں آئے 735

ہولی اور شاعر

ہُولی کا روز، منظرِ صبح بہار تھا 736

بسنت

آیا ہے کس ادا سے تبسم کناں بسنت 743

سرزمینِ پنجاب

مرغزاروں، کُہساروں، آبشاروں کی زمیں 745

اِعلانِ فتح اِنتخاب

اَے آفتابِ حُسن، اَے رشکِ مہِ مبیں 749

نِدائے ہریانہ

ہمیں جس روز سے حاصل ہوا اِنعامِ ہریانہ 752

ہریانہ تلک روزانہ میں کیا دیکھا؟

وطن کے درد کا میں نے اِسے درد آشنا دیکھا 754

فدائے ہریانہ جناب راؤ بیریندر سنگھ کا عہدِ زریں

آنکھوں میں ہے شادابیٔ گُلزار زیادہ 755

شیدائے مُلک وملت وفخر خاندان راؤ بیر یندر سنگھ صاحب (سابق وزیر اعلیٰ ہریانہ)
اَے ضیائے فلک! تنویرِ وطن 758
راؤ بہال سنگھ صاحب مرحوم ومغفور
نقش ہر دِل میں ہے اُلفت کی کہانی کیسی؟ 762
خیر مقدم: بر موقعِ تشریف آوری بحضور جناب کنور مہندر سنگھ صاحب سحؔر
آج ہے حاصل مسرت ہی مسرت ہم کو 765
عالجناب سردار بھائی شیر جنگ سنگھ صاحب
غم تجھے کیا ہے جو گلشن کوئی آباد نہیں 768
ریواڑی میں گورنر کی آمد پر
شکرِ خدا ہے مُلک میں اَمن وامان آج 771
انسپکٹر کی آمد پر
کھلاتی غنچۂ دِل دوستوں کا پھر بہار آئی 773
ڈپٹی کمشنر کی آمد پر
زہے قسمت کہ آئے ہیں ہمارے حکمراں ہوکر 775
وزیرِ تعلیم کی آمد پر
دِل راحت وسرور سے ہے ہمکنار آج 776
.....کی آمد پر
اے کہ تیرا نام ہے وردِ زباں 777
.....ایم پی ہو جانے پر
ہر طرف عیش کے سامان نظر آتے ہیں 780
یومِ افتتاح: بھاکڑا انہار
ہند کیا ہے رُوکشِ گلزار ہے 782

اے صدر بزمِ زینتِ محفل خوش آمدید
جوشِ شباب روئے گل و یاسمن میں ہے 785
ہندو ہائی اسکول کے سالانہ جلسہ میں پڑھی گئی
چہکتا صحنِ چمن میں جواب ہزار آیا 787
ایک درخواست
شفیق و مہربان و کامران و حاکمِ بلدہ 789
نل میں پانی کم ہو جانے پر جناب ای. او میونسپل کمشنر ریواڑی کو درخواست
کچھ روز ہوئے خوف سرانجام ہوا تھا 791
ایک درخواست صدرِ میونسپل کمیٹی
اَے شانِ کرم، عالی گہر، فخرِ کمیٹی 793
اُستاد
اے کہ تو روزِ اَزل سے قوم کا معمار ہے 795
''کیر کیاری'' میں کیا دیکھا؟
تخیل کی بلندی اور عجب لطفِ زباں دیکھا 798
مدوجزر: درلباسِ مجاز
مشتاق تمہارا میں بھی ہُوں 800
حِفظِ ماتقدم
خلقِ خُدا پہ آتی ہیں اکثر مصیبتیں 802
ادائے حُسن
سلیم اِن دنوں طفل نوخیز تھا 805
نذرِ احباب
سنائیں کسے جا کے اپنی زباں سے 807

کسی دوست کی امریکہ سے واپسی پر
مُلکِ امریکہ سے آنا ہو مُبارک نوجواں 808
ایک دوست کی تبدیلی پر
برستا خطۂ مغرب سے ابرِ دُرفشاں آیا! 811
رُباعی انورؔ
منتشر اہلِ وطن میں ہے کہانی میری 813
جوابِ نیرنگؔ
کون سنتا ہے مرا حال، زبانی میری 813
نظم
نظر اپنی حصولِ بانی دونو جہاں تک ہے 815
نظم
محفل ہے آج خُوب یہاں پر لگی ہوئی 817
ایک شاعر بے زر اور اُس کی بیوی
اے مری مونس، مری ہمدرد، مری غمگسار 819
نیرنگؔ سرحدی ہسپتال میں
مَیں گرچہ تندرست ہوں اپنے خیال میں 822
قوالی
وہ سرزمیں جو آج بھی فخرِ جہان ہے 824
یومِ جمہوریت کے موقع پر
اسیرانِ قفس کی زندگی برباد ہوتی تھی 827

گورو نانک

اُفقِ ہند پہ ظُلمت کے نشاں تھے ظاہر
یعنی اِس باغ میں آثارِ خزاں تھے ظاہر
حق پرستی کی جگہ وہم و گماں تھے ظاہر
جس قدر ظُلم تھے سارے وہ یہاں تھے ظاہر
تُو یہاں آیا تو پھر ہند کا تارا چمکا
ظلمتیں دُور ہوئیں بخت ہمارا چمکا

خوابِ غفلت سے جہاں بھر کو جگایا تُو نے
راستہ صِدق و محبّت کا دکھایا تُو نے
صفحۂ دہر سے باطل کو مِٹایا تُو نے
درسِ توحید زمانے کو پڑھایا تُو نے
وہم کا نام زمانے سے مِٹا کر چھوڑا
دیو زادوں کو بھی انسان بنا کر چھوڑا

تیری تعلیم کا دُنیا پہ اثر ہے اب بھی
دیکھ! مسجودِ خلائق ترا در ہے اب بھی
اپنے بندوں پہ تری خاص نظر ہے اب بھی
تجھ پہ رحمت کی نظر شام و سحر ہے اب بھی
دلِ غمگیں سے تجھے جب بھی پُکارا میں نے
پالیا بحرِ محبّت کا کنارا میں نے

قائلِ درسِ بقا اہلِ جہاں ہیں تیرے
معتقد اس کے جہاں بھی ہیں وہاں ہیں تیرے
ہند کیا مُلکِ عَرب میں بھی نشاں ہیں تیرے
گلشنِ ہستی نہیں کون و مکاں ہیں تیرے
رُخِ پُرنور سے پُرنور در و بام کیے
ہر طرف دہر میں پیغامِ خُدا عام کیے

اُونچ اور نیچ کا سب فرق مِٹایا تُو نے
اور غریبوں کو سرِ عرش بٹھایا تُو نے
حق پرستی کا سبق ہم کو پڑھایا تُو نے
ایک اونکار کی مشعل کو جلایا تُو نے
روشنی جتنی جہاں میں ہے ترے نام سے ہے
کیف و مستی ہے جو ہم میں وہ ترے جام سے ہے

***

گورونانک

تو نے پُھونکی ہے دلوں میں وہ ہوا توحید کی
جُھومتی ہے نشۂ ہستی میں ہر گُل کی کلی

تیرے نغموں کا زمانے بھر میں یہ انداز ہے
تیری ہستی پر جہاں والوں کو کتنا ناز ہے

سر جُھکایا ہے جہاں نے تیری ہر اِک بات پر
ناز ہے تعلیم پر اور فخر تیری ذات پر

ذرّے ذرّے میں چمکتی ہے نئی اِک رُوشنی
آگئی مُردہ دِلوں میں اَز سر نو تازگی

معجزوں کو دیکھ کر دُنیا تری قائل ہوئی
کیا کشش تھی جس سے دُنیا خود بخود مائل ہوئی

نامِ نقشِ دو جہاں مٹ جائے پر باقی ہے تُو
اِس جہاں کے میکدے کا اِک حسیں ساقی ہے تُو

پی رہے ہیں بادۂ توحید کے جام و سبو
سچ تو یہ ہے سارے رندوں کا فقط ساقی ہے تُو

چل رہا ہے دورِ مے ہر ہر گھڑی شام و سحر
ایسی مستی ہے کہ رندوں کو نہیں اِس کی خبر

چڑھ کے مستی پھر نہ اُترے دورِ پیمانہ رہے
کیفیت رندوں یہ طاری وجدِ مستانہ رہے

رہنما اپنا ہے تو ہر منزلِ دشوار کا
جانتا ہے تو فقط درماں دِلِ بیمار کا

ہر مرض کی جب دوا ترے دواخانے میں ہے
اُس کو پی کر شاد ہوں جو تیرے پیمانے میں ہے

ہے زمانے کو ضرورت پھر تری تعلیم کی
تاکہ دُنیا ہو مقلد پھر نئی تنظیم کی

مجھ کو نیرنگؔ وہ عطا کر مستیِ جام و سبو
جس کے ہر ہر سانس سے نکلے صدائے تُو ہی تُو

***

(25-11-1958)

اِظہارِ عقیدت ''گورو نانک دیو''

ہماری قوم کے اِک قافلہ سالار نانک تھے
نہ تھا جس کا کوئی والی اُسی کے یار نانک تھے

بہت گمراہ تھے بھولے ہوئے تھے اپنی منزل کو
مگر اِس راستے کے رہبرِ ہوشیار نانک تھے

ضرورت تھی کہ دُنیا کو کوئی بیدار تب کرتا
نہ آیا کام جب کوئی علم بردار نانک تھے

بُھلا کر کے ترانے سب، دیا ہے درس وحدت کا
ہے حق تو یہ کہ حق کے بھی یہی اوتار نانک تھے

بُھلا سکتا زمانہ کس طرح سے تیرے نغموں کو
مئے وحدت کے رنگیں جام سے سرشار نانک تھے

زمیں سے آسماں تک اِک صدا توحید کی پہنچی
ملائک کی نظر میں کاشفِ اسرار نانک تھے

زمانے بھر کی ظلمت میں نظر روشن قمر آیا
اِسی نورِ اَزل کے مطلعِ اَنوار نانک تھے

ضیا تعلیم کی پھیلی ہوئی ہے بزمِ ہستی میں
ہوئے آواز کے قائل تری اغیار نانک تھے

اَہِنسا

ہورہا ہے دَم بدم لبریز جامِ زندگی
لڑکھڑاتی سی چلی آتی ہے شامِ زندگی
موت کا پیغام ہے ہر اِک خرامِ زندگی
کس قدر پیارا ہے لیکن پھر بھی نامِ زندگی
اِس قدر دل بستگی ہے اِس سے ہر انسان کو
مرکے دو بارہ بھی لے آتا ہے اپنی جان کو

جانتا ہے ہر بشر دُنیا کے ہر اِک راز کو
خود بجانا چاہتا ہے زندگی کے ساز کو
پالیا جب خاک کے پُتلے نے اس اعجاز کو
دے دیا فطرت نے بوسہ اِس کے دستِ ناز کو
مُنکشف عالم میں اَب رازِ خُدا ہونے کو ہے
محوِ حیرت ہوں کہ اِنساں کیا سے کیا ہونے کو ہے

سب محبّت اور اَہِنسا کے کرشمے ہیں عیاں
چار سُو دُنیا میں اَہِنسا کا سکہ ہے رواں
نادر و محمود ہوسکتے نہیں اَب حُکمراں
واقفِ جور و ستم ہیں سب عیاں پرچہ بیاں
کامیابی مہر و اُلفت کو ہوئی ہر حال میں
خود بھی پھنس جاتا ہے کہتے ہیں خُدا اِس جال میں

گُل اَہِنسا کا کِھلا ہے وادیٔ پر خار ہیں
ہم نشینِ گُل کو ملتا ہے مزا آزار میں
رتبۂ تاجِ شہاں اِس کو مِلا دربار میں
وہ پڑا سوکھا کیا خاشاک کے انبار میں
اَلغرض ہے سب اَہِنسا سے نظامِ کائنات
تھم رہی ہے دستِ قُدرت میں زمامِ کائنات

اَب تشدّد کی جہاں میں ناز برداری نہیں
اَب جہانِ نَو میں وہ طرزِ کہن جاری نہیں
ظلم سے اَب ماسوائے ذلت و خواری نہیں
آشنائی جوز سے رسمِ وفاداری نہیں
ہاں اگر دونو جہاں میں چاہتے ہو آبرو
تو اَہِنسا کے اصولوں سے کرو تم گفتگو

توڑ کر گھر سے چلے دُکھ درد کی زنجیر کو
روشنی آئی اَہِنسا کی نظر مہاویر کو
زینتِ الفاظ بخشی خوبیِ توقیر کو
اہلِ عالم میں بڑھایا اِس کی یوں توقیر کو
موت پر بھی زندگی ہر گز نہیں ہوتی تمام
یہ بھی کرتی ہے اَہِنسا کا سراسرِ احترام

دوست، دشمن کو اَہنسا نے بنایا بارہا
یہ کرشمہ اِس نے دُنیا کو دکھایا بارہا
رہبرانِ مُلک نے بھی آزمایا بارہا
بدھ سے لے کر جو گاندھی نے بتایا بارہا
تاجور تو ظُلم کی طاقت سے اب بے تاج ہے
دیکھ لُو اِس کی بدولت آج اپنا راج ہے

***

اَہنسا کے پیمبر مہاویر سُوامی

اَے زمانے کو اَہنسا کے دکھانے والے
گمرہوں کو بھی رہِ راست پہ لانے والے
مِہر و اُلفت کا نیا رنگ جمانے والے
یاد کرتے ہیں تجھے سارے زمانے والے
تُو تو وہ ہے کہ جسے حق کا پیمبر کہیے
حُسنِ یوسفؑ، دم عیسیٰؑ یا ڈگمبر کہیے

غمِ دُنیا کے سبب ظاہراً دلگیر ہے تُو
چشمِ باطن میں مگر حُسن کی تصویر ہے تُو
ہے جہاں خواب اگر، خواب کی تعبیر ہے تُو
واقعی حق و صداقت کا مہاویر ہے تُو
ہے ترے نام پہ دُنیائے محبّت بھی نثار
آئی ہے تیری بدولت ترے گُلشن میں بہار

تجھ سے پہلے تھی عجب تیرے جہاں کی حالت
نظر آتی تھی جہاں بھر میں بہر سُو ظُلمت
خوں بہانا تھا روا کچھ نہ تھی جاں کی قیمت
کیوں نہ جاگ اُٹھتی ترے آنے سے اپنی قسمت
جب کہ کشتی تھی بھنور میں تو سہارا تُو تھا
ساری دُنیا میں تھا اَغیار، ہمارا تُو تھا

آج بھی تیرے اصولوں پہ ہے دُنیا کا نظام
ہوگئے جور و تشدّد تو جہاں میں ناکام
اہلِ دُنیا کو ہیں مرغوب محبّت کے پیام
ختم ہوتا ہے اِسی بات پہ نیرنگؔ کا کلام
نُورِ ریزی رہے دُنیا میں ترے نام کے ساتھ
کیف طاری ہو جہاں والوں پہ ہر جام کے ساتھ

***

(09-04-1957)

مہرشی دیانند

قوم کے قافلے کا قافلہ سالار نہ تھا
یعنی ظلمات میں ماہتاب ضیابار نہ تھا

نخل اُمید کسی وقت بھی گلبار نہ تھا
دَست منت کشِ گُل چنیٔ گلزار نہ تھا

نغمۂ زاغ سے مانوس تھے گوشِ انساں
بُلبُلِ باغ کا کوئی بھی طلب گار نہ تھا

اِک زمانہ تھا یہاں جنس بتاں کا طالب
جنسِ وحدت کا مگر کوئی خریدار نہ تھا

رہبرِ ہند ترا آنا مُبارک سب کو
جادۂ دُوریٔ منزل تجھے دشوار نہ تھا

سرِ قاتل پہ بھی رکھتا تھا تو دستِ شفقت
تیری نظروں میں گنہگار، گنہگار نہ تھا

صاف باطن تیرا اللہ رے، دیکھا نہ سُنا
کون دشمن تھا جو دم بھر میں ترا یار نہ تھا

لغو گوئی سے وہی ہے تجھے نفرت دائم
کون کہتا ہے کہ تو حق کا پرستار نہ تھا

ہے ترا درس زمانے کو ہدایت کا چراغ
تجھ سا بڑھ کر تو کوئی مطلعِ انوار نہ تھا

کیوں نہ ہو ترے لیے وقف کلامِ نیرنگؔ
تیرا بندہ تھا کوئی شاعرِ اغیار نہ تھا

***

یومِ ولادتِ مہاویر سُوامی

صاحبِ عِزّ و شان آئے ہیں
ہمسرِ آسمان آئے ہیں

مُردہ جانوں کی جان آئے ہیں
بے زباں کی زبان آئے ہیں

رہبرِ دوجہان آئے ہیں
خسروَ عالی شان آئے ہیں

اہلِ دُنیا کا غم مٹانے کو
ویرِ عالی نشان آئے ہیں

پُھول برسائے اہل گردوں نے
والیٔ دو جہان آئے ہیں

بوئے عرفان چار سُو پھیلی
غیرتِ بُوستان آئے ہیں

صد مُبارک ہو ایشیا والو
فخرِ ہندوستان آئے ہیں

سرکشوں کی بھی جھک گئی گردن
ایسے جادو بیان آئے ہیں

دعوتِ عام ہے مئے نوشو!
ساقیِ مہربان آئے ہیں

پیش کرنے کو ہدیۂ ناچیز
ابنِ نیرنگ، خان آئے ہیں

***

(13-04-1965)

* بالا اشعار خان بن نیرنگ سرحدی نے اپنے مخصوص اندازِ ترنم میں ادا کیے۔

گورُو گوبند سنگھ

مرحبا اے قوم کے سالارِ اعظم مرحبا
تیرے قدموں پر ہوئے سات آسماں خم مرحبا
تیری عزّ و شان کے آگے ہیں سب کم مرحبا
کررہے ہیں سر جُھکا کر خیر مقدم مرحبا
تُو نے اپنی قوم کی مُشکل کو آساں کردیا
مورکِ ناچیز کو دم میں سُلیماں کردیا

زِندگی تیری جہاں والوں پہ یکسر راز ہے
ہم ترے بندے ہیں تجھ پر ہم کو کتنا ناز ہے؟
''میری چڑیوں میں ابھی تک جذبۂ جانباز ہے''
یہ صَدا تیری نہیں، یہ غیب کی آواز ہے
رُوح آزادی کی پُھونکی تو نے مُردہ جان میں
آگئی پرواز مُشتِ خاک کو اِک آن میں

کاروانِ راہِ گُم کردہ کا تُو سردار ہے
تیری اس توصیف کا دُشمن کو بھی اِقرار ہے
سَر ہمارا تیرے احسانوں سے زیرِ بار ہے
سچ تو یہ ہے تو صداقت کا علم بردار ہے
سَر زمین ہند پر بارانِ رحمت ہوگئی
زِندگی تیری سَراسَر خیر و برکت ہوگئی

اس جہاں پر جب کہ طاری حالت سیلاب تھی
کشتیِ ہندوستاں جب مائل غرقاب تھی
عظمتِ قومی کوئی دَم میں خیال و خواب تھی
رَحمتِ حق پردۂ ظُلمت میں تب بیتاب تھی
ڈوبتی کشتی کو وہ تیرا سہارا یاد ہے
تیرے بچّوں کو شہادت کا نظارا یاد ہے

***

نغمۂ توحید

تضمین بر اشعار حضرت خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمہ

وہ سَر کہ جو مُنکر ہو ترے لُطف و کرم کا
اُس سَر پہ چلے وار تری تیغِ سِتم کا
مُمکن نہیں تحریر میں ہو ذِکر نِعم کا
''مَقدُور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خُداوند ہے تو لوح و قلم کا''

کُن کہنے سے عالم کو بَپا تُو نے کیا ہے
اور خود تو اُسی گلشن ہستی میں چُھپا ہے
حیران ہوں رہنے کی ترے کون سی جا ہے
''اس مَسندِ عزّت پہ کہ تو جلوہ نُما ہے
کیا تاب گُزر ہووے تعقل کے قدم کا''

ہوتے ہیں تجلّی سے تری نُور کے مسکن
شاہوں کے شبستان گداؤں کے نشیمن
دونوں ہیں کرم یاب وہ ہے دوست کے دُشمن
"بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن"
آباد کبھی سے تو ہے گھر دَیر و حَرم کا

***

تضمین بر غزل حضرت غالبؔ مرحوم

جوشِ شباب میں اُسے سرشار دیکھ کر
ذرّے میں ایک حُسن کا اَنبار دیکھ کر
پیشِ نگاہ مطلعِ اَنوار دیکھ کر
"کیوں جل گیا نہ تابِ رُخ یار دیکھ کر
جلتا ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر"

واحسرتا کہ چھوڑ گیا کارواں مجھے
لے جائے گی کہاں مِری عمرِ رواں مجھے
سوزِ دروں نے بخش دی آہ و فغاں مجھے
"آتش پَرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے
سَرگرم نالہ ہائے شرر بار دیکھ کر"

ہر سمت دیکھتا ہوں رقیبوں کا جمگھٹا
جن کو نصیب دولتِ غم مجھ سے ہے سوا
دَرد و غم فراق کا ہے ذِکر جابجا
"کیا آب رُوئے عِشق جہاں عام ہو جفا
رُکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر"

کوتاہ کردیا ہے جو اُس نے سِتم سے ہاتھ
اب دُور رہ گیا ہے مِرا بیش و کم سے ہاتھ
ہٹنے لگا ہے آج کچھ اُن کا کرم سے ہاتھ
"واحسرتا کہ یار نے کھینچا سِتم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذّتِ آزار دیکھ کر"

اب تنگیٔ زمانہ سے اُکتا گیا ہوں میں
سامانِ لُطفِ دشت میں کچھ پا گیا ہوں میں
ہر ایک سنگِ راہ کو ٹھکرا گیا ہوں میں
"اِن آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا ہوں میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر"

نیرنگؔ یہ ہے ذِکر اس اِک باکمال کا
عاشِق وہ ایک صاحبِ حُسن و جمال کا
طالِب رہا وہ عُمر بھر اس کے وصال کا
"سَر پھوڑنا وہ غالبؔ شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تِری دیوار دیکھ کر"

***

مہاتما گاندھی

کیا دِل نواز موجِ صَبا کا خرام ہے
گاندھی کے دَم سے باغ کا یہ اہتمام ہے

گُلہائے نَوبہار سے ہے رونقِ چمن
رَحمت کا فیض میرے وطن پر تمام ہے

وہ شمع جَل رہی ہے زمینِ وطن میں آج
پُرنُور جس کی ضو سے ہر اِک سقف و بام ہے

"لازم ہر اِک بشر پہ ہے آزادیٔ وطن"
کِتنا حسیں زمانے کو اُس کا پیام ہے

مُردہ دِلوں کو جس نے عَطا کی ہے زندگی
میرا ہزار مرتبہ اس کو سَلام ہے

موقوف بزمِ ہند پر نیرنگؔ کچھ نہیں
جس بزم میں چلیں وہاں گاندھی کا نام ہے

***

مہاتما گاندھی

مردِ خلیق و خوشتر گاندھی مہاتما تھا
سب رہبروں کا رہبر گاندھی مہاتما تھا

صدق و صفا کا مظہر گاندھی مہاتما تھا
اِس نور سے منور گاندھی مہاتما تھا

عہدِ شباب میں تھا بے باک مردِ کامل
پیری میں بھی دِلاور گاندھی مہاتما تھا

بحرِ فنا میں اکثر آکر سفینے ڈوبے
اِس بحر کا شناور گاندھی مہاتما تھا

جس جوہرِ وفا کی دُنیا کو جستجو ہے
وہ راستی کا جوہر گاندھی مہاتما تھا

گیتا کا وَعظ اہلِ دُنیا کو کر رہا ہے
قُراں بدَستِ دیگر گاندھی مہاتما ہے

انگریز جس کی ہیبَت دُنیا پہ چھا رہی تھی
لرزاں تھے جس سے اکثر گاندھی مہاتما تھا

اپنے وطن کی خاطر قربان جان کر دی
یعنی شہیدِ اکبر گاندھی مہاتما تھا

مہاتما گاندھی اور ہندوستان

اَے وطن کی سَر زمیں اَے رشکِ فردوسِ بریں
تجھ کو بخشی ہے یدِ قرت نے نُورانی جبیں
یوں تو شادوخرم ہیں اب اِس زمیں کے سب مکیں
حیف لیکن اِس چمن کا باغباں اس میں نہیں
نکہتِ گُل ڈھونڈتی پھرتی ہے ہر گُلزار میں
جستجو کرتی ہے اُس کی وادیٔ کہسار میں

کارواں کے بعد میرِ کارواں روپوش ہے
برکنارِ رودِ جمنا وہ ہمہ تن گوش ہے
مادرِ ہندوستاں کی زینتِ آغوش ہے
دیکھتا ہے حالتِ گلشن مگر خاموش ہے
سوچتا ہے آج بھی وہ خواب کی تعبیر کو
محوِ حیرت دیکھ کر ہے ہند کی تعمیر کو

کیا یہی نقشہ ہے اُس آزاد ہندوستان کا
کیا تصوّر ہے یہی اُس نیک دِل اِنسان کا
کیا یہی نعم البدل ہے رہبری کی شان کا
کیا تحفظ ہے یہی اُس قیمتی سامان کا
کل جو ضامن تھا ہر اِک فردِ زمانے کے لیے
آج خود محتاج ہے وہ دانے دانے کے لیے

میرے ہم وطنوں میں جینے کی ادا باقی نہیں
اِس کے مرد و زن میں پہلی سی حیا باقی نہیں
باغِ جنّت ہے وہی لیکن فضا باقی نہیں
ساکنانِ ہند میں خوفِ خُدا باقی نہیں
رشوتوں کی اِس زمیں میں گرم بازاری ہے آج
ہر جگہ نااہل کرداروں کی سرداری ہے آج

کاش سمجھیں اہلِ ہند اُن رہبروں کی شان کو
خون سے سینچا جنھوں نے کشتِ ہندوستان کو
درسِ آزادی دیا، تھا جس نے ہر اِنسان کو
جان بخشی جن شہیدوں نے تن بے جان کو
اُن کی قربانی کا بدلہ بَر ملا ہے صاف صاف
کیا ہو انجام اَے وطن والو! یہ گستاخی معاف

***

(02-10-1968)

مرثیہ وفات

پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند

۲۷ر مئی ۱۹۶۴ء

وائے حسرت حامیٔ اَمن و اَماں رُخصت ہوا
اہلِ عالم کے دلوں کا دِلستاں رُخصت ہوا
قلبِ ہندوستان سے عزمِ جواں رُخصت ہوا
چھوڑ کر روتا ہوا سب کو کہاں رُخصت ہوا
اِس چمن کی شاخ پر تُو نے بنایا آشیاں
نغمہ زن ہیں گلشنِ ہستی کے طائر سب جہاں

جھک گئے ہیں آج دُنیا بھر کے پرچم کس لیے
اہلِ دُنیا کی ہیں آنکھیں آج پُرنم کس لیے
چھا گئی پیر و جواں پر ظلمتِ غم کس لیے
ذِی وقارانِ جہاں ہیں وقفِ ماتم کس لیے
بابِ جنّت اے جواہرؔ تیرے آگے باز ہے
سُوئے فردوسِ بریں تو مائل پرواز ہے

گلشنِ فردوس سے کچھ کم نہ تھا تیرا چمن
لاکھ جنّت کے مقابل میں تھا اِک تیرا وطن
باغِ رضواں سے تھے بڑھ کر ہند کے سرو سمن
کوثر و تسنیم سے بھی تھے سِوا گنگ و جمن
کس چمن کی آرزُو میں چل دِئے مُنہ موڑ کر
کون سے گلشن میں جا پہنچے گلستاں چھوڑ کر

مست تھے خُورد و کلاں تیرے خرامِ ناز سے
واقفیت تجھ کو تھی سارے جہاں کے راز سے
کانپتے تھے اہلِ عالم تیری اِک آواز سے
تھے خجل طائر بھی تیری قوتِ پرواز سے
تیری میّت سُوئے جمنا آج زیبِ دوش ہے
باغبانِ گلستاں ہندوستاں خاموش ہے

ہائے اپنے مُلک کا آرام جاں جاتا رہا
اہلِ دُنیا کی ترقی کی نشاں جاتا رہا
صاحبِ ہمّت وہ یارِ مہرباں جاتا رہا
تُو جہاں سے کیا گیا سارا جہاں جاتا رہا
یک بیک اہلِ جہاں پر مُردنی سی چھا گئی
تیرے اِک جانے سے دُنیا میں قیامت آ گئی

اور ہوں گے اِس چمن میں جاں نثارانِ چمن
ہوگا فردوس بریں سے بھی سوا تیرا چمن
روشنی دیتی رہے گی چار سُو یہ انجمن
چلتی جائے گی یونہی اپنی روایاتِ کُہن
جذبۂ حُبّ وطن کی شان دِکھلائے گا کون
گتھیاں رُوس اور امریکہ کی سُلجھائے گا کون

***

سبھاش چندر بوس: بتقریب یوم پیدائش

اَے مایۂ صدنازِ وطن تیری قسم ہے
تیرا نہ کریں ذِکر اگر ہم تو ستم ہے

ہمت کا تری چرچا ابھی تک ہے جہاں میں
افسانہ ترا دُنیا کے سینوں پہ رقم ہے

ہر ذرہ ہے رشک مہہ خورشید وطن کا
تو کاش اِسے دیکھتا، اِس بات کا غم ہے

اب مردہ دِلی ختم ہوئی تیری بدولت
کیا تیرا یہ اِحسان وطن والوں پہ کم ہے

مدت ہوئی قربان ہوئے راہِ وطن میں
تو زندہ ابھی تک ہے یہ لوگوں کا بھرم ہے

ہوتا ہے تیرا ذِکر شہیدوں کے بیاں میں
مسجود جوانانِ وطن تیرا قدم ہے

حیراں ہوں تِری ہمتِ مردانہ پہ نیرنگ
عاجز ترے اوصاف کے لکھنے سے قلم ہے

***

(23-01-1973)

شہیدِ اعظیم سردار بھگت سنگھ

اے کہ تیرا نام ہے نقش و نگارِ انجمن
ترا قصّہ دلنواز و دلفگارِ انجمن
اے کہ ترا خون ہے ذوقِ نثارِ انجمن
اے کہ تو ہے اب تلک بھی یادگارِ انجمن
تو ہوا قربان ناموسِ وطن کے واسطے
بُلبُلیں قربان ہوتی ہیں چمن کے واسطے

ہے کہیں منشائے اِنساں شان وشوکت کے لیے
یا کوئی وارد ہوا ہے اپنی شہرت کے لیے
عیشِ فانی کے لیے کوئی عبادت کے لیے
یا کوئی آتا ہے تعمیرِ حکومت کے لیے
تیری ذاتِ کبریا تھی شہرت افزائے وطن
نام ہے ترا قیامت تک بھی شہیدائے وطن

جب دلوں میں خاک سے تعمیرِ انسانی ہوئی
اہلِ دُنیا میں تری تخلیق لاثانی ہوئی
تِرے حصّے میں رقم ایثار و قربانی ہوئی
تِری قربانی سے دُشمن کو بھی حیرانی ہوئی
آنِ مُلک قوم پر تو خود کو قرباں کر گیا
چشمِ عالم کو قیامت تک تو حیراں کر گیا

تری ہستی اِک شعاعِ عشق باطل سوز ہے
زندگانی تری کتنی وائے درس آموز ہے
نالہ خورد و کلاں کیوں آج غم اندوز ہے
یاد کرتے ہیں تجھے کیوں کہ یہی وہ روز ہے
تختۂ دارِ ستم پر تری قربانی ہوئی
پھول وہ ٹوٹا کہ گُلشن بھر میں ویرانی ہوئی

***

مجسمۂ ایثار

(لالہ لاجپت رائے "شیرِ پنجاب")

دُشمنوں کی لاٹھیوں سے تیری قربانی ہوئی
تیری قربانی سے دُنیا بھر کو حیرانی ہوئی
ہائے گلچینِ اجل سے کیسی نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی
بارگاہِ ایزدی میں جاکے فریادی ہُوا
تو شہیدِ قوم ہوکر فخرِ آزادی ہُوا

زندگی کیا ہے فقط اِک درد کی آواز ہے
تھرتھراتی چند تاروں کا طلسمی ساز ہے
طائرِ ہستی دمادم مائلِ پرواز ہے
تیری ہستی پر مگر تیرے وطن کو ناز ہے
قوم کے سینے پہ ہے اِک نقش افسانہ ترا
قابلِ صد آفریں ہے کارِ مردانہ ترا

کب اُلجھ سکتا تھا تو دُنیا کے صبح و شام سے
طائرِ ہستی ہوا آزاد اپنے دام سے
آرہی ہے یہ صدا کانوں میں سقف و بام سے
زندۂ جاوید ہے تو لاجپت کے نام سے
شمعِ ہستی پہ جو جل جائے وہ پروانہ ہے تُو
حُسنِ آزادی کا جُویا ہو وہ دیوانہ ہے تُو

دیکھتا تو کاش اپنا آج گلزارِ چمن
مایۂ ناز و ادا ہے انجمن کی انجمن
نُور برساتا ہے بام سُوج سے چرخِ کہن
اَب گُلِ شاداب سے بہتر ہے ہر خارِ وطن
آج اُس تیرے وطن کی سر زمیں آزاد ہے
یعنی انگریزوں کی چوکھٹ سے جبیں آزاد ہے

***

مرثیہ بروفات

پنڈت ہنس راج آنجہانی

محوِ خرام بادِ صبا آج کیوں نہیں
فرحت دہِ چمن کی فضا آج کیوں نہیں
رنگِ شفق برنگِ حِنا آج کیوں نہیں
فرشِ زمیں پہ نور و ضیا آج کیوں نہیں
اب شہر مثل وادیٔ وحشت ہے کس لیے
پھیکی ہر ایک شوخ کی رنگت ہے کس لیے

اے ہم نشیں یہ قصّہ اندوہ گیں نہ پوچھ
کس رنج میں ہیں مُبتلا اہلِ زمیں نہ پوچھ
اہلِ سکوں کے دل کو سکوں کیوں نہیں نہ پوچھ
کیوں تنگ زندگی سے ہے جانِ حزیں نہ پوچھ
آزاد ہو کے بندِ غمی شیرِ نر گیا
اُس کی تلاش ہے کہ کہاں ہے کدھر گیا

کل جو فضا تھی شہر کی اَب وہ فضا نہیں
محوِ خرام ناز اب بادِ صبا نہیں
وہ کون سا بشر ہے جو ماتم سرا نہیں
ہے کون سی جگہ جہاں چرچا ترا نہیں
خاموش کر گیا ہے تو اہلِ زبان کو
کیوں چھوڑ کر چلا گیا روتا جہان کو

ہندو چلا گیا نہ مُسلماں چلا گیا
اپنی زمیں کا آج اِک انساں چلا گیا
چپکے سفر کا باندھ کر ساماں چلا گیا
بستی کو چھوڑ سُوئے بیاباں چلا گیا
پختہ اگر سفر کا ارادہ حضور تھا
وقتِ سفر حباب سے ملنا ضرور تھا

جادو بھرا ہُوا تھا وہ تیرے بیان میں
اپنے وطن میں جی رہا تھا اپنی شان سے
آیا نہ تھا کسی کے یہ وہم و گمان میں
یوں عازم سفر بھی تو ہوگا اِک آن میں
ہر اِک تیری تلاش میں مصروف آج ہے
ماتم کُناں ہر ایک تیرا ہنس راج ہے

مجھ کو تو تیری موت کا آیا یقیں نہیں
ہوگا وطن کی سرزمیں میں تو یہیں کہیں
آواز دے کہ دیکھ لیں آکر تجھے وہیں
ہے کل کی بات کرتا تھا تقریر آتشیں
تقریر وہ کہ جس میں تھا جادو بھرا ہُوا
چپ ہوگیا تو ایک سناٹا سا چھا گیا

آئے گی اِس چمن میں خزاں بھی بہار بھی
ہوگا کسی کا وصل بھی اور انتظار بھی
ہوں گے غمِ فراق میں ہم اَشکبار بھی
ہوں گے اعزا و اقربا سے ہمکنار بھی
لیکن تجھے نہ پائیں گے ہم اپنے درمیاں
تجھ سے ہمیں تو لاکھ سہی تو مگر کہاں

***

عبدالغفار ''عید اور وطن''

(پیغام خان عبدالغفار [بادشاہ خان] کے نام)

زمینِ سرخ پوش شانِ پشاور یاد آتی ہے
بزرگانِ سلف کی یاد دِل میں گدگداتی ہے

کئی سالوں سے غُربت میں ہماری عید آتی ہے
وطن کی یاد ہے ہر بار رہ رہ کر ستاتی ہے

تصوّر میں نظر آتے ہیں گُلزار و چمن اپنے
وہی نغمے بَلابَل کے وہی سُر و سمن اپنے

وہی پانڈوں کے پنج تیرتھ وُہی بالاحصار اپنا
گُزرنا قصّہ خوانی سے ہمیشہ بار بار اپنا

پئے گُل گشتِ شاہی باغ کی جانب رواں ہونا
وہ رُوشوں پر گلاب و یاسمن کا گُل فشاں ہونا

وہ گھنٹہ گھر سے آگے گور گٹھڑی سے گزر جانا
خرامِ نازنیناں قلبِ مُضطر میں اُتر جانا

خرام ناز کی جلوہ نمایاں فرش پر ہونا
مزاجِ شاعرانہ کا تصورِ عرش پر ہونا

کنگھم پارک کے پھولوں کا منظر دِل کشا ہونا
حَسینانِ جہاں کے جمگھٹوں کا جابجا ہونا

زیارت گاہِ دِل وہ آستانہ بادشاہ خاں کا
جہاں اب تک بھی سر جھکتا ہے اِس ناچیز وناداں کا

مُبارک عید ہر محبوب ہستی کو سلام اپنا
کوئی پہنچا دے کاش اُن تک محبّت کا پیام اپنا

اگر ایسے مناظر کی کہیں پر دید ہو جاتی
مُحرم بھی اگر ہوتا تو اپنی عید ہو جاتی

وطن والو! مُبارک ہو یہ نغمے جانفزا تم کو
رکھے شاداب و سرسبز خرمِ دائم خدا تم کو

خان عبدالغفار خان کو سلام

کچھ دور ہے یہاں سے ایک خطۂ زمیں
فردوس کو بھی جس سے کوئی ہمسری نہیں

مشہور ہیں وہاں کے فلک بوس کُہسار
چشموں پہ آبِ کوثر تسنیم ہے نثار

غالب وہاں پہ فضل پہاڑی کے رنگ ہیں
گلچینِ باغ حالتِ گلشن پہ دنگ ہیں

چاروں طرف کھڑے ہیں شجر ہائے بے شمار
جن سے لٹک رہے ہیں ثمر ہائے زرنگار

سنہرے کی تازگی عیاں دیوار و در سے ہے
روشن وہاں کی شام ضیائے سحر سے ہے

ظاہر ہر ایک چیز سے حُسنِ قدیم ہے
گویا وہاں کی خاک پہ فضلِ کریم ہے

اُس سرزمین کا نام پٹھانوں کی ہے زمیں
دُنیا میں جس زمین کا ثانی کوئی نہیں

مشہور ہیں پٹھانوں کی مہماں نوازیاں
انسانیت کے دور کی تہذیب ہے وہاں

دیکھا کبھی ہو جاکے علاقہ وہ پار کا
شاید سُنا ہو نام بھی عبدالغفار کا

وہ آسمانِ حُسن کا ماہِ تمام ہے
ہر ایک خان، خان کا اَدنےٰ غلام ہے

بس سادگی ہی سادگی اُن کے اُصول ہیں
اُن کی نظر میں رنگِ تکلّف فضول ہیں

ہر اِک بشر کے دِل میں سمائی ہے اُس کی چاہ
کہتے ہیں سب پٹھان اُسے خان بادشاہ

حبِ وطن سے کام شب و روز ہے اُسے
رکھتا یہی خیال جگر دوز ہے اُسے

صد حیف ایسا شیر ہو جیلوں میں خستہ حال
اب تک کسی کے دِل میں نہ آیا ہے کچھ مَلال

حبِ وطن نہیں ہے مری جاں کوئی قصور
قیدِ گراں سے شیر وہ نکلے گا اب ضرور

نیرنگؔ جسے وطن کی محبّت سے کام ہے
میرا ہزار مرتبہ اُس کو سلام ہے

***

اِس نظم کے سننے کے بعد آج مجھے حبِ وطن کے صحیح مطلب سے آگاہی ہوئی۔ لہٰذا میں بحیثیت کُل یوپی ''ادارہ سخن داں'' کے نائب صدر، جناب نیرنگؔ سرحدی کو ادارہ مذکور کے اصول کے تحت ''محبِّ وطن'' کے خطاب سے ملبوس کر رہا ہوں۔

شاعرِ فطرت بدرالشعرا راہی بھارتی
نائب صدر کُل یوپی ادارہ سخن داں، لکھنؤ
10/جنوری 1957ء

ہمارا ہندوستاں

ہِمالہ سا پربت جہاں پاسباں ہے
جہاں آبِ گنگا و جمنا رَواں ہے
جہاں جلوہ افشاں ترِنگا نشاں ہے
جو گاندھی کی بھُومی جواہر کی جاں ہے
کروڑوں عنادِل کا جو آشیاں ہے
ہمارا وہی دیش ہندوستاں ہے

اُسی کے ترانے سُنانے لگے ہیں
کمالِ ہُنر آزمانے لگے ہیں
اُسی کے ہم اب گِیت گانے لگے ہیں
یہی جسم و جاں ہے سَتانے لگے ہیں
بہاروں سے بہتر جہاں کی خزاں ہے
ہمارا وہی دیش ہندوستاں ہے

مُعطّر فضا میں بسر ہورہی ہے
بہارِ چمن جلوہ گر ہورہی ہے
زمانے کو اپنی خبر ہورہی ہے
ہمارے وطن میں سحر ہورہی ہے
جسے لوگ کہتے ہیں جنّت نشاں ہے
ہمارا وہی دیش ہندوستاں ہے

الٰہی زمانے کو کیا ہوگیا ہے
ترقی سے اس کی جلا جارہا ہے
کہیں اس کی سرحد پہ جھگڑا بپا ہے
کہیں کوئی کم ظرف اُسے گھورتا ہے
یہاں تو سپاہی تبسم کُناں ہے
ہمارا وہی دیش ہندوستاں ہے

کسی سے یہاں کا جواں کم نہیں ہے
مصائب ہوں ہر سو اُسے غم نہیں ہے
تلاظم میں بھی دیدہ پُرنم نہیں ہے
کوئی تفرقہ ان میں باہم نہیں ہے
جہاں شورِ ناقوس و بانگِ اذاں ہے
ہمارا وہی دیش ہندوستاں ہے

***

شانِ وطن

مُدت سے خوگرِ سِتمِ آسماں رہے
ہم محوِ انقلابِ زمین و زماں رہے
فصلِ بہار میں بھی ہم مثلِ خزاں رہے
مُنہ میں زبان رکھتے ہوئے بے زباں رہے
اظہارِ دل کے لفظ ہمیں یاد تک نہ تھے
یعنی مجازِ نالہ و فریاد تک نہ تھے

وہ دِن گئے کہ مذہب و ایمان تھے کئی
ہندو کئی تھے اُن میں مُسلمان تھے کئی
اُن میں کئی ذلیل تھے ذی شان تھے کئی
سینے میں ایک دِل تھا اور ارمان تھے کئی
اب سرزمین ہند کا انسان ایک ہے
طائر تو بے شمار گُلستان ایک ہے

ہر مرد گامزن ہے ترقی کی راہ پر
نازاں ہر ایک آدمی ہے عز و جاہ پر
رکھتا گدا بھی فوق ہے اب بادشاہ پر
ایواں کو برتری نہیں اب خانقاہ پر
ہم کو نصیب دولتِ امن و اماں ہے اب
گہوارۂ نشاط میں خورد و کلاں ہے اب

اپنے وطن کو مثلِ گُلستاں بنائیں گے
تارے بھی آسمان کے ہم توڑ لائیں گے
ہم آشتی و صلح کی شمع جلائیں گے
اور اِس کی روشنی سے جہاں جگمگائیں گے
سب کچھ دیارِ ہند پر قرباں کریں گے ہم
مِل کر کے اِس کی مشکلیں آساں کریں گے ہم

کچھ دُشمنانِ ہند کو یہ ناگوار ہے
اُن کے سروں پہ بُھوت حسد کا سوار ہے
جلنا اگرچہ اُن کا قدیمی شعار ہے
ہندوستاں کا عہدِ وفا استوار ہے
آمادہِ پیکار وہ بے نام و ننگ ہیں
ہم بھی خُدا کے نام پر مائل بجنگ ہیں

اُٹھو جوانو! بازُوئے ہمت سے کام لو
تم کو قسم بزرگوں کی تلوار تھام لو
جوہر دکھاؤ، دُشمنوں سے انتقام لو
بڑھتے چلو، نہ بھول کے ہٹنے کا نام لو
تم پرچم ظفر لہراتے ہوئے چلو
اپنے وطن کی شان دکھاتے ہوئے چلو

ہنگامِ جنگ شانِ وغا برقرار ہو
میدان کارِ زار میں رنگِ بہار ہو
جوشِ وطن کی مے سے دلوں میں خمار ہو
وقتِ نزع بھی سرخ روئی آشکار ہو
اپنا طریقِ جنگِ کہن دلنشیں کرو
فتح و ظفر تمہاری ہے اِس پر یقیں کرو

***

ترانۂ وطن

عیاں برگ و بر سے بہارِ چمن ہے
جہاں خاک بھی رشکِ مشک ختن ہے
حَسیں جس زمیں کا ہر اِک مرد و زن ہے
جہاں پر رواں آبِ گنگ و جمن ہے
وہی رشکِ فردوس
میرا وطن ہے

نہالِ چمن جس کا دائم ہرا ہے
ہر اِک شاخ پر مُرغ نغمہ سرا ہے
جہاں عیش سے دَامنِ دِل بھرا ہے
کہیں سازِ عشرت کی رنگیں نوا ہے
کہیں رقص میں محو نازک بدن ہے
وہی رشکِ فردوس
میرا وطن ہے

محبّت کی دُنیا جہاں کامراں ہے
جہاں شورِ ناقوس بانگِ اذاں ہے
منادر مسجد کی حُرمت جہاں ہے
جہاں پاک گیتا مقدس قرآں ہے
سحابِ کرم جس جگہ خیمہ زن ہے
وہی رشکِ فردوس
میرا وطن ہے

جہاں فرشِ سنجاب سطحِ زمیں ہے
ہر اِک شے جہاں کی حَسیں سے حَسیں ہے
جہاں رنج و غم کا نشاں تک نہیں ہے
جہاں آب چنار جاں آفریں ہے
جہاں فلک و مرد شیریں دہن ہے
وہی رشکِ فردوس
میرا وطن ہے

جہاں میکدے ساقی و جامِ لاکھوں
ہزاروں گُل اندام گُلفامِ لاکھوں
مسرت کے ملتے ہیں پیغام لاکھوں
ترقی کی راہیں صبح و شام لاکھوں
جہاں مردِ مزدُور بھی اہلِ فن ہے

وہی رشکِ فردوس
میرا وطن ہے

وہ گُلشن کہ جس میں خزاں تک نہ آئے
ہری کھیتوں سے زمیں لہلہائے
عدو اِس کی جانب جو نظریں اُٹھائے
یقیں ہے یہاں سے وہ بچ کر نہ جائے
سپاہی یہاں کا ہر اِک سیلتن ہے

وہی رشکِ فردوس
میرا وطن ہے

***

عزمِ جوان ہند

دیارِ ہند کو اُونچا اُٹھا کے چھوڑیں گے
ہم اپنا سکہ جہاں پر بٹھا کے چھوڑیں گے
عُدوئے مُلک کو نیچا دکھا کے چھوڑیں گے
کیا ہے ہم نے جو وعدہ نبھا کے چھوڑیں گے
گُلوں کو خار سے یکسر چھڑا کے چھوڑیں گے
ہم اپنے دیش کو جنّت بنا کے چھوڑیں گے

پیامِ امن ہمارا ہے اِک جہاں کے لیے
ہیں مثلِ بادِ صبا صحنِ گُلستاں کے لیے
ہیں رہنمائے سفر اہلِ کارواں کے لیے
صلائے عام ہے یارانِ مہرباں کے لیے
تلاش جس کی ہے ہم اُس کو پا کے چھوڑیں گے
ہم اپنے دیش کو جنّت بنا کے چھوڑیں گے

فریب اہلِ زمانہ کا کھا لیا ہم نے
بنا کے چین کو بھائی صِلہ لیا ہم نے
قریب و دور کو بھی آزمالیا ہم نے
سُراغ عمر گزشتہ بھی پالیا ہم نے
مثالِ برق عدو کو جلا کے چھوڑیں گے
ہم اپنے دیش کو جنّت بنا کے چھوڑیں گے

ہمارا عزم ہے دُنیا کی شانتی کے لیے
بڑھائے ہاتھ ہمیشہ ہی آشتی کے لیے
سہے ہیں رنج سدا غیر کی خوشی کے لیے
پیام سب کو دیا ہم نے زندگی کے لیے
نقوش اپنے جہاں پر بیٹھا کے چھوڑیں گے
ہم اپنے دیش کو جنّت بنا کے چھوڑیں گے

ہمارے دیش کی ہر بات معتبر ہوگی
جو بات مُنہ سے نکالیں گے پُراثر ہوگی
بنے گی چیز جو نیرنگِ زیب تر ہوگی
کہیں ہو شام مگر ہند میں سحر ہوگی
ہم اپنی بات ہر اِک کو سنا کے چھوڑیں گے
ہم اپنے دیش کو جنّت بنا کے چھوڑیں گے

***

للکار

کتنے طوفان تھے رستے میں جو حائل آئے
اُن سے لڑتے ہوئے ہم جانبِ ساحل آئے
عالمِ غم میں بھی آئے ہیں تو خوش دِل آئے
لوگ کہتے ہیں ہمیں زینتِ محفل آئے
ہم شہیدوں کی قسم پھر سرِ مقتل آئے
جس نے آنا ہو بصد شوق مقابل آئے

اپنے ہاتھوں میں ہے تلوار تو ڈر کس کا ہے؟
تیغِ ہندی ہے شرربار تو ڈر کس کا ہے؟
ہند کے ہم میں وفادار تو ڈر کس کا ہے؟
ہم ہیں ہر وقت جو بیدار تو ڈر کس کا ہے؟
کس کی طاقت ہے قریبِ حدِ فاصل آئے
جس نے آنا ہو بصد شوق مقابل آئے

ہم سے گر لاگ لگاؤ گے تو مشکل ہوگی
اِس طرف آنکھ اُٹھاؤ گے تو مشکل ہوگی
ساتھ اغیار کو لاؤ گے تو مشکل ہوگی
وقت پر یاد نہ آؤ گے تو مشکل ہوگی
سوچ کر آئے اِدھر گر کوئی عاقل آئے
جس نے آنا ہو بصد شوق مقابل آئے

ہمسری آج زمانے میں نہیں بھارت کی
خُوب چمکی ہے جہاں بھر میں جبیں بھارت کی
ہم نے جب خون سے سینچی ہے زمیں بھارت کی
تب نظر میں ہے جچی شکل کہیں بھارت کی
اپنی جانبازی سے نیرنگ درِ منزل آئے
جس نے آنا ہو بصد شوق مقابل آئے

***

عزائم

زمین ہند کو رشکِ بہاراں کرکے چھوڑیں گے
خزاں دیدۂ چمن کو باغِ رضواں کرکے چھوڑیں گے

یہاں کا ذرہ ذرہ ماہ و انجم بن کے چمکے گا
شبِ تاریک میں ایسا چراغاں کرکے چھوڑیں گے

نصیبوں میں جہاں پہلے رہے خارِ الم اکثر
اُسی آغوش کو ہم گل بداماں کرکے چھوڑیں گے

نہ ہوگی آرزوئے دید جنت اہلِ عالم کو
مُہیا سب یہاں جنت کے ساماں کرکے چھوڑیں گے

بلندی پر رہے گا پرچمِ ہندوستاں دائم
اِسی کوشش میں جاں اپنی بھی قرباں کرکے چھوڑیں گے

ضیا باشی کرے گی ہند کی تہذیب عالم پر
مثالِ آئینہ دُنیا کو حیراں کرکے چھوڑیں گے

چراغِ خانۂ ظلمت تو ممکن ہے کہ جل جائے
چراغِ آسماں کو بھی فروزاں کرکے چھوڑیں گے

قدم اپنا کسی نے گر بڑھایا اِس طرف نیرنگؔ
تو ہم بھی خانۂ دُشمن کو ویراں کرکے چھوڑیں گے

❋❋❋

ارادے

ہمارا عزم ہے خاکِ وطن کو آسماں کردیں
جو دِل کی بات ہے کیوں کر نہ ہم سب پر عیاں کردیں
نشاطِ چند روزہ ہم فِدائے آشیاں کردیں
بہاروں کو بلا کر اپنے گھر کا پاسباں کردیں
نئی تہذیب کی مشعل سے روشن ہر مکاں کردیں
نگاہِ اہلِ عالم قائلِ ہندوستاں کردیں
فریبِ اہلِ دُنیا اُن کی منزل کا نشاں کردیں
زمینِ ہند کا ہر فرد میرِ کارواں کردیں
یہاں کا ذرہ ذرہ رشکِ مہرِ ضو فشاں کردیں
حقیقت میں زمینِ ہند کو باغِ جناں کردیں

شہیدانِ وطن کے نام سے ہم کو عقیدت ہو
ہمارے واسطے تقلید اُن کی فخر و عزت ہو
ہر اِک مدفن اِنھیں کا اہلِ دُنیا کی زیارت ہو
یہی اپنی ریاضت ہو یہی اپنی عبادت ہو
اِنھیں کا نور اپنے واسطے شمع ہدایت ہو
عبادت گاہِ اہلِ دِل ہمیشہ اُن کی تُربت ہو
اِنھیں کی یاد اپنے واسطے فیضانِ قدرت ہو
زمینِ ہند پر دائم یہی بارانِ رحمت ہو
خزاں دیدہ چمن کو واصلِ صد بوستاں کردیں
حقیقت میں زمینِ ہند کو باغِ جناں کردیں

ہم اپنے جذبۂ اخلاص سے دُنیا پہ چھا جائیں
ہم اپنے ہند کا پرچم زمانے بھر میں لہرائیں
مِٹا دیں نام دُشمن کا گر اپنی ضِد پہ آجائیں
زمیں تو چیز کیا ہے ہند سے افلاک تھرائیں
اگر کوہ الم ہو سامنے ہر گز نہ گھبرائیں
قسم اپنی جوانی کی سمندر چیرتے جائیں
اگر پیلِ زماں جنگ آزما ہو اُس سے ٹکرائیں
یہ ممکن ہے اجل بھی ہو تو ہم اُس سے لپٹ جائیں
بلندی حوصلوں میں ہو ارادوں کو جواں کردیں
حقیقت میں زمینِ ہند کو باغِ جناں کردیں

بتادیں اہلِ دُنیا کو ہم آدابِ جہاں داری
دلوں میں ہر بشر کے پھونک دیں ہم جذبِ بیداری
وہ اپنا شیوۂ اخلاق ہمدردی و غم خواری
دِکھا دیں ہم زمانے بھر کو اپنی شانِ خود داری
بزرگانِ سلف کی زندہ پھر سے داستاں کردیں
حقیقت میں زمینِ ہند کو باغِ جناں کردیں

***

آج کل

بھارت کی سرزمیں پہ خراماں ہوں آج کل
یارانِ مہربان کا مہماں ہوں آج کل

یہ بھی صحیح ہے سوختہِ ساماں ہوں آج کل
یہ بھی دُرست شاکیِ دوراں ہوں آج کل

کیسے چمک رہے ہیں مِرے داغ ہائے دِل
کوئی کہے کہ نیّرِ تاباں ہوں آج کل

درسِ علوم مشرقی ہے مشغلہ مِرا
مکتب میں اِک ریواڑی کے ملّا ہوں آج کل

کچھ دُوریِ وطن سے رہا ہوں نہ ہوش میں
کچھ غربتِ وطن سے پریشاں ہوں آج کل

اپنا وطن کبھی تھا گُلستانِ رنگ و بُو
پر آشنائے ریگِ بیاباں ہوں آج کل

مُرغِ چمنِ خطۂ سرحد تھا مَیں کبھی
اُس سَرزمیں کی یاد میں نالاں ہوں آج کل

ترکِ وطن کا رنج ابھی تک نہ مٹ سکا
کہتا ہے کون مجھ کو کہ شاداں ہوں آج کل

پہلے وطن گیا تھا گئی اب زبان بھی
صد حیف زندگی پہ کہ نازاں ہوں آج کل

آب و ہوائے ہند موافق نہ آسکی
اِس پر بھی میں شرمندۂ اِحساں ہوں آج کل

***

منصوبہ بندی.....ضبطِ تولید

بڑھ رہی ہے روز و شب آبادی ہندوستاں
تلف ہوئی جارہی ہے شادیِ ہندوستاں
بدنما ہونے کو ہے اب وادیٔ ہندوستاں
صاف آتی ہے نظر بربادیٔ ہندوستاں
اِس قدر مخلوق ناکارہ خُدا کا قہر ہے
پھرتی ہے مظلوم و آوارہ خُدا کا قہر ہے

اِس نئی تہذیب میں نالاں ہر اِک انسان ہے
زیست کے پردے میں پیدا موت کا سامان ہے
کم اگر اولاد ہو تو آدمی کی شان ہے
بیشتر اولادِ انسانی وبالِ جان ہے
روک اگر سکتے نہیں اولاد کے طوفان کو
مل نہیں سکتی کبھی راحت دِلِ انسان کو

حد سے بڑھ کر کوئی بھی ہو چیز، آفت ہے وہی
حُسن بھی حَد سے گُزر جائے قیامت ہے وہی
مال و زر بھی گر فراواں ہو مصیبت ہے وہی
انتہائے دوستی ہو گر، عداوت ہے وہی
شاخ بھی بارِ ثمر سے ٹوٹ سکتی ہے کبھی
کثرتِ اولاد بھی ہے یوں عذابِ زندگی

یہ تو مانا اِن گلوں سے رونقِ گلزار ہے
وائے قسمت آج اِن سے ہر بشر بیزار ہے
جان سکتا ہے وہی جس دل کو یہ آزار ہے
اِک طرف عالم پریشاں، اِک طرف سرکار ہے
جب گُزرتا ہے ہمارا مُلک نازک دور سے
ہم کو لازم ہے کریں ہم کام فکر و غور سے

گر نہیں سنبھلے ابھی تک اب سنبھلنا چاہیے
وقت کی آواز سے اب دِل بدلنا چاہیے
بہتری ہو جس سے ایسا کام کرنا چاہیے
اِس نئے سیلاب کو اب بند کرنا چاہیے
دِل سے اپنائیں اگر ہم خاندانی یوجنا
کامیاب ہو باغباں کی باغبانی یوجنا

***

(12-05-1968)

گوا کے شہیدوں کی یاد میں

بحالِ زار چشمِ تر سے دو آنسو بہاتے ہیں
شہیدانِ گوا کی داستانِ غم سُناتے ہیں

یہ دُنیا جانتی ہے ہم کو آزادی کے پروانے
ہمارے کام کی تقلید کے لب پر ہیں افسانے

ہمارا مدُعا یہ ہے، غلامی کو مِٹا دیں ہم
اِسی کوشش میں ممکن ہو تو جانیں تک لٹا دیں ہم

ہمارا ہر بشر دُنیا کی آزادی کا جُویا ہے
جہاں بھر کی زمینوں میں یہ ہم نے بیج بویا ہے

طریقِ کارِ جنگ اپنا ہے دُنیا سے جُداگانہ
نہیں آتا کسی مظلوم کو پاؤں سے ٹھکرانا

ہماری جنگِ آزادی پیامِ ناز دیتی ہے
ہر اِک در پر باندازِ سکون آواز دیتی ہے

چلا دیں گولیاں دشمن نے مظلوموں کی جانوں پر
کیا حملہ سِفاکانہ تھا مہمانوں کی جانوں پر

اِسی صورت میں اپنے غم کا ہم اظہار کرتے ہیں
جو خود بیدار ہیں، دُنیا کو بھی بیدار کرتے ہیں

***

مادرِ ہندوستاں

زندہ اُٹھے ہیں مر کے اِسی آستاں سے ہم
پیدا ہوئے ہیں مادرِ ہندوستاں سے ہم

اُلجھا کیے گلوں سے کبھی باغباں سے ہم
صدیوں رہے شریکِ غمِ بوستاں سے ہم
کھیلے ہیں اِس زمیں کے لیے اپنی جاں سے ہم
مانوس ہیں یہاں کے بہار و خزاں سے ہم
لڑتے رہے زمین سے بھی آسماں سے ہم
لیکن جُدا نہ ہوسکے جنّت نشاں سے ہم
لیتے رہے ہیں لُطفِ زباں بھی زباں سے ہم
واقف ہیں خوب عشق کے طرزِ بیاں سے ہم

زندہ اُٹھے ہیں مر کے اِسی آستاں سے ہم
پیدا ہوئے ہیں مادرِ ہندوستاں سے ہم

دِل میں ہمارے حسرت و ارمان ہیں کئی
گھر ایک ہے مگر یہاں مہمان ہیں کئی
حاصل یہاں یہ عیش کے سامان ہیں کئی
لُطفِ کنار آب ہے، طوفان ہیں کئی
ہندو ہیں اِس میں اور مُسلمان ہیں کئی
عالِم وید، حافظِ قرآن ہیں کئی
ہے ایک در مگر یہاں دربان ہیں کئی
دُشمن کی کیا مجال نگہبان ہیں کئی
صدیوں لپٹ کے سوئے ہیں اِس آشیاں سے ہم
پیدا ہوئے ہیں مادرِ ہندوستاں سے ہم

اُونچا جہاں میں پرچمِ ہندوستاں رہے
یہ فکر ہے جہاں میں ہمارا نشاں رہے
ہندوستاں کی ہر نوا وردِ زباں رہے
ناقوس کی صدا رہے بانگِ اذاں رہے
بُلبُل کا شور شمعؔ سوزاں یہاں رہے
ہر شے یہاں کی رونقِ بزمِ جہاں رہے
دِل میں ہمارے عظمتِ ہندوستاں رہے
بیتاب منزلوں کے لیے کارواں رہے
نیرنگؔ نہ غم کریں جو گزر جائیں جاں سے ہم
پیدا ہوئے ہیں مادرِ ہندوستاں سے ہم

***

(15-10-1967)

نیا زمانہ: عالمِ تخیل میں

صداقت پر ہماری اَب کسی کو کیا گماں ہوگا
جو دِل سے بات نکلے گی وہ مضمونِ زباں ہوگا

نئے سر سے لکھا جائے گا افسانہ ملائک کا
نئی حوریں، نئے غلماں، نیا باغِ جناں ہوگا

دو بارہ اِس جہاں میں ہوگی پھر تخلیق آدم کی
یہ دُنیا تو نئی دُنیا نیا اِک آسماں ہوگا

سمجھ لی جائے گی باطل یہاں تبلیغ مذہب کی
فقط دُنیا میں ہی اخلاق کا اُونچا نشاں ہوگا

نہ ہوگا فرق کچھ بھی حاکم و محکوم رعیت میں
خُدا ہی جانتا ہے کیا وہ آئین جہاں ہوگا

نہ سرمایہ پرستی ہوگی محوِ خواب بستر پر
نہ مزدوروں کی گردن پر کبھی بارِ گراں ہوگا

ذرا بھی کاتبِ تقدیر کی مانی نہ جائے گی
ازل میں ہر نئی آدم کا حصّہ ایک ساں ہوگا

نہ حد بندی، نہ جھگڑے، مفت میں ہوں گے زبانوں کے
محبّت کی زمیں ہوگی نیا دورِ زباں ہوگا

***

گرانی اور سرکارِ ہند

اے حال کی رودادِ گرانی تیرے صدقے
اے سوزِ دِل و جاں کی کہانی تیرے صدقے
معدوم ہے اشکوں کی روانی تیرے صدقے
اب خونِ جگر میں ہے نہ پانی تیرے صدقے
فریاد کُناں آج زمانے کی زباں ہے
اُٹھتی ہے جدھر آنکھ اُدھر دورِ خزاں ہے

فارغ نہیں اب کوئی بشر رنجِ گراں سے
فرصت ہے کہاں اُس کو بھلا آہ و فغاں سے
مہماں کی تواضع تو نہیں ہوتی زباں سے
جب پاس نہ ہو کچھ تو تواضع ہو کہاں سے
ہے خشک زباں لب پہ مرے جانِ حزیں ہے
شاعر ہوں مگر طاقتِ گفتار کہاں ہے
اِک عالم ظلمات ہے اور جانِ حزیں ہے
شکوہ ہے مگر طاقتِ اِظہار نہیں ہے

بچّوں کو بلکتا ہوا دیکھا نہیں جاتا
دِل غم سے اُبلتا ہُوا دیکھا نہیں جاتا
گِر گِر کے سنبھلتا ہوا دیکھا نہیں جاتا
یُوں جام چھلکتا ہوا دیکھا نہیں جاتا
اِس حال میں خاموش کوئی رہ نہیں سکتا
فاقے ہوں تو باہوش کوئی رہ نہیں سکتا

محرومیٔ گندم نے ہے اِنسان کو مارا
معدومیٔ اجناس نے حیوان کو مارا
مجبوریٔ حالات نے ارمان کو مارا
نایابیٔ برکات نے ایمان کو مارا
ایسا تو کوئی دور نہیں گزرا نظر سے
تاریخ کے اوراق اُلٹ جاؤ جدھر سے

مندر میں ہے ناقُوس نہ مسجد میں اذاں ہے
حیران بشر ہے کہ خدا آج کہاں ہے
روٹی کا سوال آج ہر اِک وردِ زباں ہے
کہتا ہے ہر اِک شخص کہ اَب زیست گراں ہے
زر دار کو تو اَب بھی ہے دولت کا سہارا
کھائے گا کہاں سے بھلا کنگال بچارا

زرَ دار کو بے زر کا کوئی پاس نہیں ہے
بے زر کو زمانے کی ہوا راس نہیں ہے
مُفلس کا کوئی حامی بُجز یاس نہیں ہے
اِس حال میں جینے کی اُسے آس نہیں ہے
رُخسارِ شرافت نے کیا خون کا غازہ
اَخلاق کا نکلا ہوا دیکھا ہے جنازہ

ہونے کو ہے اب لرزہ براندام زمیں تک
مزدور ترستا ہے یہاں نانِ جَویں تک
فاقوں کی تو آ پہنچی ہے نوبت ہی یہیں تک
ماں دھونے سے معذور ہے بچّے کی جبیں تک
اِس سختیِ دوراں کا اثر کیوں نہیں ہوتا
یعنی یہ جہاں زیر و زبر کیوں نہیں ہوتا

آسکتا ہے جمہور میں اِک ایسا سماں بھی
اُٹھ سکتا ہے جب قلب سے اِنساں کے دھواں بھی
کرسکتی ہے برباد غریبوں کی فغاں بھی
اِک آگ لگا سکتی ہے شاعر کی زباں بھی
اہلِ دِلِ بے باک کنارا نہیں کرتے
ایسے میں خُدا کو بھی پکارا نہیں کرتے

گُزری ہوئی عظمت کو شرافت کو بچالے
اَسلاف کی دیرینہ امانت کو بچالے
کر ہوش کہ جاتی ہوئی شُہرت کو بچالے
کر رحم کہ مرتی ہوئی خلقت کو بچالے

سرکار! تِری در پہ صدا دیتی ہے خلقت
ہو کاش خبر تجھ کو دُعا دیتی ہے خلقت

***

ویر جنتی

چمن کی آبیاری کو ہزاروں باغباں آئے
نظامِ گُلستاں بدلے نگہبانِ جہاں آئے

پریشانی کبھی آئی، کبھی امن و اماں آئے
بہاریں ہوگئیں رُخصت تو سامانِ خزاں آئے

سیاست نے بدل ڈالا ہے اکثر اہلِ ایماں کو
بسا اوقات جھگڑوں میں مذاہب درمیاں آئے

کبھی صورت بنائی ظلم نے محمود و نادر کی
غبارِ آتشیں کے کارواں در کارواں آئے

اُڑا دی تیغ سے گردن نہ کچھ خوفِ خدا کھایا
لرز اُٹھتا ہے سینہ جب بھی یادِ رفتگاں آئے

مگر ظلم و ستم کے ناز نے حالت نہیں بدلی
کدورت بڑھ گئی عالم میں ظلمت کے نشاں آئے

اِسی تاریک عالم میں نہ آئی کام جب طاقت
پیامِ مہر و اُلفت لے کے ویرِ مہرباں آئے

جھکا دی سب کی گردن ایک شمشیر صداقت سے
مِٹا جور و ستم، مہر و محبّت کامراں آئے

جُھکی جاتی ہے اِحسانوں سے گردن اہلِ عالم کی
زباں پر جب کبھی اَے ویرؔ تری داستاں آئے

پیامِ ویرؔ نے اہل جہاں کو تازگی بخشی
اِسی سے آج گاندھی کامیابِ امتحاں آئے

اصول کارِ فرمائی یہی نیرنگؔ رہے گا اب
یہی تو باعثِ آزادیٔ ہندوستاں آئے

***

ہولی اور شاعر

ہُولی کا روز، منظرِ صبح بہار تھا
ہر رُخ پہ انبساط و سرور آشکار تھا
وہ شور تھا کہ شورِ قیامت نثار تھا
اِک جوش تھا غضب کا عجبِ انتشار تھا
ہر رُخ پہ تازگی سے نمایاں تھا اِک چمن
گویا دلوں میں بحرِ محبّت تھا موجزن

سب رنگ میں رنگ ہوئے پیر و جوان تھے
کپڑوں پہ جن کے رنگ کے گہرے نشان تھے
نیلے تھے کچھ گلابی تھے کچھ زعفران تھے
جو یادگارِ عہد گزشتہ کی شان تھے
ملتے تھے رنگ جھومتے تھے سب خوشی کے ساتھ
اِک زندگی نئی لیے زندگی کے ساتھ

کچھ رنگ سے بھری ہوئی پچکاریاں بھی تھیں
کچھ آتشِ زباں کی شرر باریاں بھی تھیں
کچھ دِل میں کینہ سوز کی چنگاریاں بھی تھیں
لیکن کسی جگہ، یہ دِلِ آزاریاں بھی تھیں
مل کر کسی کو رنگ، پریشاں کیا اُسے
کپڑے کسی کے پھاڑ کر عُریاں کیا اُسے

تقدیر سے اگر کہیں دو چار مل گئے
اِک غلغلہ بلند ہوا یار مل گئے
کیا خوب بن کے وہ گلے کا ہار مل گئے
وہ فرطِ جوش تھا کہ دو سرکار مل گئے
چشمِ زدنِ میں حیف زمانہ گزر گیا
وہ بات ہوچکی وہ فسانہ گزر گیا

اِک مَیں کہ اِن نظاروں سے محروم ہی رہا
علیٰ الصباح ہی شہر سے باہر چلا گیا
پہنچا میں ایک دشت میں جو تھا اُجاڑ سا
تھا اُس جگہ کہیں کہیں سایہ درخت کا
پہلے تو مَیں نے چار سُو ڈالی وہاں نگاہ
اِک سایۂ درخت میں پھر جاکے لی پناہ

گرچہ سفر کی کوفت سے میں چُور چُور تھا
لیکن فضائے دشت میں محوِ سرور تھا
شاعر تھا فکرِ شعر میں اُس دم ضرور تھا
مجبور تھا کہ مجھ میں دِماغی فتور تھا
اِس حال میں ذرا سا پریشان دل ہُوا
جس کی طرف دِماغ مرا منتقل ہُوا

پھیلا ہوا جہاں میں مصائب کا جال ہے
چاروں طرف سے نانِ جویں کا سوال ہے
اِس حال میں بشر کا تو جینا مُحال ہے
اِس پر بھی فردِ ہند اُڑاتا گُلال ہے
جب کہ گرانی اِس قدر ہے حوصلہِ شکن
اِس پر بھی ہولی کھیلتے ہیں میرے ہم وطن

اِن میں تمام آدمی شاید ہیں اہلِ زر
ہوتا نہیں ہے اِن پہ زمانے کا کچھ اثر
مِلتا ہے روز و شب اُنھیں کھانے کو پیٹ بھر
ورنہ نہیں ہے اِن کی گرانی پہ کیوں نظر
حاصل ہیں آج بھی اِنھیں سامان عیش کے
کِس شان سے نکلتے ہیں اَرمان عیش کے

اِک نظم تھی کہ دِل کی کہانی کہیں جسے
نشتر کہیں کہ شوخ بیانی کہیں جسے
یا جُوئے آتشیں کی روانی کہیں جسے
یا دِل کا سوز تھا کہ گرانی کہیں جسے
اِس کے خیال نے مجھے غمناک کردیا
وہ یاس تھی کہ دامنِ دل چاک کردیا

تنہائیوں میں بزم کا ساماں کیے ہوئے
بیٹھا تھا میں تصوّرِ جاناں کیے ہوئے
اب تک وہ دشت تھا مجھے مہماں کیے ہوئے
میں سوچنے لگا دِل فرحاں کیے ہوئے
تقدیر کا فضول ہے نیرنگؔ گلہ تجھے
گنجِ سخن خدا نے فراواں دیا تجھے

اَرمان جتنے دِل کے تھے سارے نکل گئے
ترکش میں جتنے تیر تھے سارے وہ چل گئے
اشعار تھے کہ صفحۂ دِل پہ مچل گئے
اتنے میں دیکھتا ہوں کہ سائے بھی ڈھل گئے
اُٹھا پریشاں حال مَیں احساس باختہ
کپڑوں کو جھاڑ کرلیا پھر گھر کا راستہ

ناگاہ ایک باغ سے میرا ہوا گُزر
ڈالی نگاہِ شوق وہاں پر اِدھر اُدھر
دیکھا تو ایک شخص تھا بیٹھا منڈیر پر
میرے ہی رنگ روپ کا تھا وہ بھی جانور
کہنے لگا کہ رنگ سے اُستاد بچ گئے
قیدِ قفس سے طائرِ آزاد بچ گئے

میں اُس کی بات سن کے ذرا مُسکرا دیا
مَیں جانتا تھا وہ بھی اِک مردِ شریف تھا
اُس نے بھی کنجِ دشت کا تھا آسرا لیا
وہ جاذب نظر تھا محبّت سے آشنا
اُس کا جواب مَیں نے دیا احترام سے
حضرت! میں آرہا ہوں نہا کر حمام سے

***

(26-03-1967)

بسنت

آیا ہے کس ادا سے تبسم کناں بسنت
ہر اِک بشر کے آج ہے وردِ زباں بسنت

موسم بدل گیا ہے، زمانے بدل گئے
روئے زمیں پہ جب سے ہوا حکمراں بسنت

لیکن مَیں دیکھتا ہوں زمانے کے ہاتھ سے
بے لطف اب بہار ہے، اور بے نشاں بسنت

فاقہ کشی کی آگ تو ہر سو ہے شعلہ زن
شاید اِسی کو کہتے ہیں اہلِ جہاں بسنت

ہر گُل بہ صحنِ باغ مسرت فضا ہُوا
دہرا رہا ہے شوق سے پھر داستاں بسنت

بادِ سحر کا باغ میں ہے خوب ہی نظام
طائر سراپا گوش ہیں اور نغمہ خواں بسنت

صحنِ چمن میں قمریوں کا اِس قدر ہجُوم
گاتی ہیں مل کے شاخ پر سب مِل بلا بسنت

ہے چار سو نظر میں مصائب کا سامنا
کچھ اِن دنوں عجیب ہے بے خانماں بسنت

دیکھو وطن کا ذرہ بھی نذرِ خزاں ہے آج
وہ دِن گئے مناتا تھا ہندوستاں بسنت

ہوگا کسی زمانے میں ہم پر بھی مہرباں
کچھ اِن دنوں تو ہم پہ ہے نامہرباں بسنت

مجھ کو تو سب سے بڑھ کے ہے شکوہ بسنت کا
لے کر جو اُڑ گیا ہے میرا آشیاں بسنت

نیرنگؔ بقدرِ ذوق، غنیمت ہے اِس قدر
اپنے نصیب میں ہے وگرنہ کہاں بسنت

***

سرزمینِ پنجاب

مرغزاروں، کُہساروں، آبشاروں کی زمیں
مندروں کی، مسجدوں کی، گوردواروں کی زمیں
یوں تو بھارت کا ہے ہر خط بہاروں کی زمیں
ہاں مگر پنجاب ہے صدہا نظاروں کی زمیں
ہیں معابد اِس میں اور اِس میں صنم خانے بھی ہیں
شمعِ محفل بھی ہے روشن اور پروانے بھی ہیں

جادۂ منزل کا میرِ کارواں پنجاب ہے
کشتیِ ہندوستاں کا بادباں پنجاب ہے
ساقیِ دوراں کا جام اَرغواں پنجاب ہے
اہلِ عالم کے دِلوں کا دلستاں پنجاب ہے
اِس کے ہر ذرے سے جذبِ آشنائی ہے عیاں
اِس کے خار و خس سے شانِ دِل رُبائی ہے عیاں

منتخبِ روئے ہستی ہے زمیں پنجاب کی
رُوح پرور ہے ادائے دلنشیں پنجاب کی
بستیاں ہیں ہمسرِ عرشِ بریں پنجاب کی
رفعتیں ہیں چرخ سے بڑھ کر کہیں پنجاب کی
حُسن کی جلوہ گری میں ایک انبالہ بھی ہے
دِل اگر جنّت کا طالب ہو تو پٹیالہ بھی ہے

نغمۂ توحید نانک نے سُنایا تھا یہاں
خواہشِ زر لے کے اسکندر بھی آیا تھا یہاں
آریوں نے بھی سکونِ قلب پایا تھا یہاں
کرشن نے بھی درس گیتا کا سُنایا تھا یہاں
آسمانِ دہر پر چمکا یہی پنجاب تھا
اِس کا ہر اِک فرد گویا گوہرِ نایاب تھا

دبدبہ طاری ہوا تھا خالصہ دربار کا
مدتوں بجتا رہا ڈنکا یہاں سرکار کا
رُعب چھایا تھا جہاں پر لشکرِ جرار کا
تھا دھنی اِس سر زمیں کا ہر جواں تلوار کا
درۂ خیبر ہے واقف بُرشِ صمصام سے
لرزہ بر اندام ہے اب تک بھی اِس کے نام سے

اہلِ عالم کو بھگت سنگھ کا فسانہ یاد ہے
سانڈرس کے قتل میں اُس کا نشانہ یاد ہے
رُخ پہ انگریزوں کے کاری تازیانہ یاد ہے
تختۂ دارِ ستم کا بھی زمانہ یاد ہے
وہ جواں بھی اِس زمینِ پاک سے پیدا ہوا
مل گیا اُس خاک میں جِس خاک سے پیدا ہوا

اتحادِ باہمی جب شیوۂ ارباب ہو
ہر بشر پھر کیوں نہ اِس کا خرم و شاداب ہو
کاش یہ پنجاب بھر مجموعۂ پنج آب ہو
ہر جواں اِس کی ترقی کے لیے بے تاب ہو
رات دِن کوشاں رہے پنجاب کی تعمیر میں
رنگِ اُلفت بھر دیں اِس کے پیکرِ تصویر میں

***

اِعلانِ فتح اِنتخاب

(محبوبِ ہریانہ اپنے حریف سے دونوں کی کثیر التعداد سے کامیاب ہوئے)

اَے آفتابِ حُسن، اَے رشکِ مہِ مبیں
اَے فخرِ قوم، نازشِ اقبال و حشم و دیں
دُشمن کی لاکھ کوششوں کے باوجود بھی
آئی ہے تیری شان میں ہر گز کمی نہیں

ہم کو تو اِنتخاب سے پہلے بھی تھا یقیں
ہوگا تو کامیاب بصد شان و آفریں
اِس بات کا ثبوت زمانے نے دے دیا
تیرے سِوا ہمارا کوئی رہنما نہیں

اَے رشکِ نوبہار، بہارِ چمن ہے تُو
اِس سر زمینِ خار میں مُشک ختن ہے تُو
اَب ہوگیا ہے اہلِ زمانہ پہ منکشف
دراصل اِس زمیں کا فدائے وطن ہے تُو

دانشوری میں آپ کی کس کو کلام ہے
اہلِ نظر میں آپ کا نقشِ دوام ہے
سب جلنے والے آتشِ دوزخ میں جل گئے
عَرشِ بَریں سے آپ کا اُونچا مقام ہے

دُشمن سے دِل کا داغ دِکھایا نہ جائے گا
تازِیست اُس سے ہوش میں آیا نہ جائے گا
"نُورِ خدا ہے کُفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھُونکوں سے یہ چراغ بُجھایا نہ جائے گا"[1]

اہلِ وفا کا دِل نہیں لگتا ترے بغیر
محفل وہ کیا، جو ہو کوئی محفل ترے بغیر
میدانِ انتخاب میں دشمن کے رُوبرُو
ہے کون جو کہ آیا مقابل ترے بغیر

[1] مولانا ظفر علی خاں

تُجھ کو نصیبِ خدمتِ قوم و وطن رہے
تو جِس کا باغباں ہے ہرا وہ چمن رہے
تیرے لیے زمامِ وزارت ہے چیز کیا
تیرے مُطیع خُدا کرے چرخِ کہن رہے

تو صاحبِ شعور ہے دانائے راز ہے
تیری زمیں کو تیری وزارت پہ ناز ہے
نیرنگؔ سُنا ہے اہلِ سیاست سے اِس قدر
شاعر نہیں ہے تو مگر شاعر نواز ہے

کچھ بیکسوں کے حال کی، جاں کی بھی فکر کر
رنگِ بہار، دیکھ خزاں کی بھی فکر کر
نیرنگؔ کی بات جانِ برادر قبول ہو
اہلِ زباں کے بعد، زباں کی بھی فکر کر

***

(23-02-1967)

ندائے ہریانہ

ہمیں جس روز سے حاصل ہوا اِنعامِ ہریانہ
بنارس کی صبح سے خُوشنما ہے شامِ ہریانہ

نہ ہو کیوں شادماں ہر فردِ خاص و عام ہریانہ
طیورِ باغ بھی لیتے ہیں جب کہ نامِ ہریانہ

امامت کررہا ہے آج کل جو امامِ ہریانہ
صلائے عام ہے سب کے لیے پیغامِ ہریانہ

فروغ اتنا کہاں حاصل ہوا ہے، اہلِ عالم کو
کہاں کم ہے عروجِ آسماں سے بامِ ہریانہ

نسیمِ رُوح پرور چل رہی ہے صحنِ گُلشن میں
نہ ہو کیوں بُلبلِ شیدا اسیرِ دامِ ہریانہ

حریفِ مے کدہ سے جا کے اتنا تو کوئی کہہ دے
ذرا سا مُنہ لگا کر دیکھئے گا جامِ ہریانہ

عیاں ہے اِس کے ذرے سے بھی دِن کو طور کا عالم
ہے شب کو اِس سے بڑھ کر چرخِ نیلی فام ہریانہ

خدا محفوظ رکھے اِس زمیں کو ہر مصیبت سے
تمہارے ہاتھ میں دائم رہے لگامِ ہریانہ

اگر آغاز میں کچھ تیرگیِ شب رہی لیکن
ہے روشن تر مَہ و خُورشید سے انجام ہریانہ

رہیں گے کس طرح اِس مے کدہ میں تشنہ لب ساقی
کہ ہم بھی تو ہیں رندان مے آشام ہریانہ

مِٹا دیں گے ہم اپنی ہستیِ فانی کو اے نیرنگؔ
نہ آنے دیں گے ہم لیکن کبھی اِلزامِ ہریانہ

ہریانہ تلک روزانہ میں کیا دیکھا؟

وطن کے درد کا میں نے اِسے درد آشنا دیکھا
کہ "ہریانہ تلک" میں جذبۂ مہر و وفا دیکھا

مُحبِ قوم، ہریانہ کا سچا راہنما دیکھا
ادیبانہ مسائل میں اسے شلجھا ہوا دیکھا

خزاں دیدہ وطن میں پھر ہوائے نوبہار آئی
مہک میں دِل کے غنچوں کو نزاکت میں سوا دیکھا

خیالاتِ سخن میں اِس کے رنگینی جھلکتی ہے
سخن سنجوں میں اِس کے میں نے ذوقِ انتہا دیکھا

کوئی پوچھے اگر تم سے تو یہ پڑھ کر سُنا دینا
کہ ہریانہ تلک میں حضرتِ نیرنگ نے کیا دیکھا

***

(10-07-1958)

مژدۂ جانفزا

فدائے ہریانہ

جناب راؤ بیریندر سنگھ

کا عہدِ زریں

آنکھوں میں ہے شادابیٔ گلزار زیادہ
گلزار میں گلریز ہیں اشجار زیادہ

ہر شاخِ مغیلاں ہے نگوں خار زیادہ
ہر نخل بر و مند ہے گل بار زیادہ

پیدا ہوئے اب زیست کے آثار زیادہ
چرچا ترا ہر لب پہ ہے سرکار زیادہ

اب شاخِ اُمید اپنی ہری ہو کے رہے گی
برسے گا یہاں ابرِ گوہر بار زیادہ

راس آئیں گی اب سب کو مسرت کی فضائیں
ہوں گے نہ غم و رنج کے انبار زیادہ

خاموشِ زباں پُھول بھی ہوں گے نہ چمن میں
شاید گل و بُلبل میں ہو تکرار زیادہ

اب کشتِ گُل و لالہ میں کھٹکا ہو تو کیسے
آغوشِ چمن میں نہیں جب خار زیادہ

منزل پہ رسائی کا یقیں ہو تو چلا ہے
جب آہی گئی قوّتِ رفتار زیادہ

ایامِ گُزشتہ میں سُنی کس نے ہماری
کہنے کو تو کہتے رہے ہر بار زیادہ

سُنتے ہیں مسیحا کی ہے آمد کی خبر آج
پائے گا شِفا ہرتنِ بیمار زیادہ

دیکھیں کسے ہوتی ہے مُلاقات مُیّسر
محبوب ہے اِک طالبِ دیدار زیادہ

اے صاحبِ اقبال ترے لُطف و کرم سے
اَب زیست کا ہونے کو ہے معیار زیادہ

ہے مجھ کو تعجب مِری خاموشِ زباں میں
کیوں آنے لگی طاقتِ گفتار زیادہ

مُمکن ہے رسائی کے لیے حضرتِ نیرنگ
بن جائیں وسیلہ مِرے اشعار زیادہ

***

راؤ بیریندر سنگھ صاحب

(سابق وزیرِ اعلیٰ ہریانہ)

اَے ضیائے فلک! تنویرِ وطن
اَے فِدائے قوم، اَے میرِ وطن

شانِ ہریانہ و توقیرِ وطن
تیرا دم ہے اور تعمیرِ وطن

ہے مسلط تجھ پہ تحریرِ وطن
تجھ سے وابستہ ہے تقدیرِ وطن

سنتے آئے ہیں ثنا فردوس کی
کھینچ دے ویسی ہی تصویرِ وطن

اِس زمیں کا ہر بشر جانباز ہو
کند ہونے دے نہ شمشیرِ وطن

ختم ہونے دے نہ حدِ اِرتقا
بڑھتی جائے اور تدبیرِ وطن

ہے بہر سُو نہر عشرت کی رواں
ہے نِشاط انگیز کشمیرِ وطن

تیری برکت کی بدولت ہے کہ آج
اِس کا ہر ذرّہ ہے اکسیر وطن

جو ثنا سُنتے رہے فردوس کی
کھینچ دے دیسی ہی تصویرِ وطن

اِس زمیں کا ہر بشر جانباز ہو
کُند ہونے دے نہ شمشیرِ وطن

ختم ہونے دے نہ حدِ ارتقاء
بڑھتی جائے اور تدبیرِ وطن

موجزن دریائے دانش ہو یہاں
ہر جواں آئے نظر پیرِ وطن

ہر بشر سے شوقِ خدمت ہو عیاں
پھونک دے ایسی ہی تاثیرِ وطن

تو فقط ہمشیر ہیرندر نہیں
درحقیقت تو ہے ہمشیرِ وطن

فخر کیا کم ہے ہمارے واسطے
رہنما تو ہم ہیں رہ گیرِ وطن

رہبرِ قوم و وطن پائندہ باد
ختم کرتا ہوں میں تقریرِ وطن

شاعرانِ قوم پر بھی ہو نظر
یہ ہوا کرتے ہیں جاگیرِ وطن

ہاتھ میں ہے تیرے دولت کی عناں
تو بدل سکتا ہے تقدیرِ وطن

ناز خطبہ ہو تجھے نیرنگؔ بجا
شاعری تیری ہے تشہیرِ وطن

راؤ بہال سنگھ صاحب مرحوم و مغفور

کنیا مہاودیالیہ، ریواڑی

نقش ہر دِل میں ہے اُلفت کی کہانی کیسی؟
دَورِ حاضر میں ہے ماضی کی کہانی کیسی؟
آ گئی سازِ مغنی میں روانی کیسی؟
صحنِ گلزار میں ہے زمزمہ خوانی کیسی؟
دِل خاموش سے خاموش سی فریاد آئی
یعنی اِک صاحبِ توقیر کی پھر یاد آئی

طرب انگیز ہے کیسی یہ زمیں کالج کی
رُخِ محبوب سے بڑھ کر ہے جبیں کالج کی
دِل کشی حُور سے بڑھ کر ہے کہیں کالج کی
نظر آتی ہے ہر اِک چیز حسیں کالج کی
اِس کی زینت میں اِسی شخص کا حصّہ ہے ضرور
ہو نہ ہو یہ اُسی بے باک کا قصّہ ہے ضرور

عالمِ غم میں بھی دیکھا جسے شاداں ہوکر
تُو وہ گُل ہے جو خزاں میں بھی تھا خنداں ہوکر
تو بہرحال رہا درد کا دَرماں ہوکر
مختصر کہ رہا دُنیا میں اِنساں ہوکر
آئی حصّے میں ترے مہر و وفا کی دولت
مِل گئی تجھ کو فنا میں بھی بقا کی دولت

چیز وہ کیا ہے کہ جو تجھ میں سِوا دیکھی ہے
تجھ میں خود داری و ہمت کی ادا دیکھی ہے
ناز دیکھا ہے کہیں تجھ میں وفا دیکھی ہے
طرزِ تقریر تری سب سے جُدا دیکھی ہے
بات کرتا تھا تو تصویر کھینچی آتی تھی
بلکہ تدبیر سے تقدیر کھینچی آتی تھی

اپنے میخانے کا ساقی بھی تو میخوار بھی تھا
گاہے تھا تلخ نوا گاہے گوہر بار بھی تھا
تو سخن فہم، سخن سنج و اداکار بھی تھا
ہم کو معلوم ہے تو صاحبِ اشعار بھی تھا
قدر تیری دِل شاعر کے قریں ہے اب بھی
تیری ہر بات نرالی ہے حسیں ہے اب بھی

***

خیر مقدم: برموقعِ تشریف آوری

بحضور جناب کنور مہندر سنگھ صاحب سحرؔ

ڈپٹی کمشنر گوڑگاؤں

آج ہے حاصل مسرت ہی مسرت ہم کو
مجلسِ غم بھی ہے اَب محفلِ عشرت ہم کو

صحنِ گلزار میں انداز سے چلتی ہے نسیم
ہر گُلِ تر سے یہاں آتی ہے نزہت ہم کو

جابجا ریگِ بیابان کے منظر ہیں کہاں
تختۂ گُل سے ہوئی جاتی ہے اُلفت ہم ہو

کھول دے اَب درِ میخانہ بہر سُو ساقی
ایسے موسم میں بھلا تابِ حماقت ہم کو

کم نہیں روضۂ رضواں سے ریواڑی کی زمیں
فرش سے پیدا ہے اَب عرش کی رفعت ہم کو

آج کس صاحبِ اعجاز کی آمد ہے یہاں
باعثِ فخر ہے اَب کس کی صدارت ہم کو

کرسیِ عدل یہ ہیں آج جنابِ بیدیؔ
ماننا پڑتا ہے اِحسان وزارت ہم کو

عدل میں صاحبِ تدبیر، ادیب و شاعر
اللہ اللہ یہ برکات و عنایت ہم کو

ان کی توصیف میں پڑھتا ہوں وہ مطلع روشن
جن کے ہر شعر سے ظاہر ہے کرامت ہم کو

آج اُس صاحبِ فن سے ہے رفاقت ہم کو
جس سے انکار کسی کو ہے نہ حُجت ہم کو

رنگ لائے گی یہاں حُسنِ معانی کی بہار
ہم نے مانا کہ ہے کچھ شعر سے نسبت ہم کو

قدر دانی سخن شعر سے ہوگی پیدا
ہوگئی شعر میں کچھ کہنے کی جرأت ہم کو

ایسے حاکم یہ رہے سایۂ الطاف و کرم
زینتِ بزم بھی ہو، شانِ حکومت ہم کو

حدِ توصیف سے باہر ہے صداقت کا بیاں
سچ تو یہ ہے کہ نہیں جھوٹ کی عادت ہم کو

***

(10-07-1955)

عالجناب سردار بھائی شیر جنگ سنگھ صاحب

(اے.ڈی.ایم تحصیل ریواڑی کی تبدیلی کے موقع پر)

غم تجھے کیا ہے جو گُلشن کوئی آباد نہیں
بُلبُلِ باغ مجھے شکوۂ صیاد نہیں
زیرِ منقار بہاروں کی بھی روداد نہیں
کب کِھلے پُھول چمن میں یہ تجھے یاد نہیں
اِس قدر اُنس تجھے خانۂ صیاد کے ساتھ
گُل تجھے تاکتے ہوں حسرت و فریاد کے ساتھ

نہ سہی ہم ترے محبوب تو، محبوب تو ہے
ترا اندازِ تکلم ہیں، تو مرغوب تو ہے
حُسن یوسفؑ نہ سہی نالۂ یعقوبؑ تو ہے
کام کوئی ہو ترے نام سے منسوب تو ہے
واسطہ صُحبتِ دیرینہ کا تو ساتھ نہ چھوڑ
اسپ خود رُو کو یہاں تھام ذرا مُنہ نہ موڑ

کیوں کریں ہم تجھے مجبور کہ مجبور ہے تو
کیا غرض ہم کو کہ مغموم یا مسرور ہے تو
ہاں مگر بادۂ الفت ہی سے مخمور ہے تو
سچ تو یہ ہے کہ اِسی کام سے مشہور ہے تو
اہلِ اُلفت سے تو اُلفت ہی عیاں ہوتی ہے
داستاں کوئی ہو اُلفت سے بیاں ہوتی ہے

آشیاں بُلبُل گُلشن سے ہُوا ہے خالی
بُلبُلِ باغ ہی آئے گی چہکنے والی
باغ آباد ہو جس باغ کا تو ہو مالی
گُل فشاں نخلِ تمنا کی ہو ڈالی ڈالی
"ترے ہی دَم سے رہے مرے وطن کی رونق
"جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی رونق"[1]

[1] علامہ اقبال

ایک ہی طرز چلتا ہے یہ قدرت کا نظام
ہے اگر کوچ کسی کا تو کسی کا ہے مقام
جانے والے تجھے صدبار ہمارا ہو سلام
ختم ہوتا ہے اِسی شعر پہ نیرنگؔ کا کلام
ہم کو بھی گلشنِ عالم سے چلے جانا ہے
فرق کچھ بھی نہیں یہ ایک ہی افسانہ ہے

***

(20-07-1957)

ریواڑی میں گورنر کی آمد پر

شکرِ خدا ہے مُلک میں اَمن و امان آج
ہے مہربان مالکِ ہر دو جہان آج

دورِ خزاں کے بعد ہے فصلِ بہار اب
شاداں ہیں مرد و زن بھی اور پیر و جوان آج

آزادیٔ وطن کی ہے ہر شش جہت میں دُھوم
ہے واقعی یہ خطۂ جنّت نشان آج

وارد ہوئے ہیں افسرِ اعلیٰ پنجاب کے
نازاں ہے جن کی ذات پر ہندوستان آج

خوش خلق و خوش مزاج ہیں عقل و غیور میں
حاکم ہمارے سر پہ ہیں کیا مہربان آج

ہے تجھ پہ ناز سب بجا سرچندولعل جی
صُوبے کی تجھ سے بڑھ گئی ہے آن بان آج

اُترے ہیں آسمان سے شاید کہ مہر و ماہ
دیکھے تو کوئی آکے ہماری یہ شان آج

ہے قابل صد رشک ریواڑی کی سرزمیں
ذرہ چمک رہا ہے سرِ آسمان آج

ہاں ایک بات کی ہے گُزارش حضور میں
فرصت اگر مِلے تو کروں گا بیان آج

موجود شہر میں ہے یہاں ہندو ہائی اسکول
شہرہ ہے جس کے علم کا وردِ زبان آج

اِس مدرسہ میں ایک عمارت کی ہے کمی
لازم عطا ہو اُس کو زمین و مکان آج

بس اَب دُعا پہ ختم کر نیرنگؔ کلام کو
رحمت خدا کی سایہ بنے سائبان آج

***

انسپکٹر کی آمد پر

کھلاتی غنچۂ دِل دوستوں کا پھر بہار آئی
صبا رشکِ ختن در آستیں مستانہ وار آئی

دلوں کی شادمانی سے یہ حسرت ہمکنار آئی
پیام شوق لائی، باعثِ صدِ افتخار آئی

یہاں گُل ریزیٔ تعلیم ہے جو صحنِ مکتب میں
ہوائے خلد بھی اِس کے مقابل شرمسار آئی

ہوئیں کلیاں شگفتہ خاطرِ اربابِ مکتب کی
مرادوں کے چمن پر رحمتِ پروردگار آئی

توجہ ہوگئی جے این ڈوڈیجہ صاحب کی جس دم
تو رُوح مردہ بدن میں در جانِ زار آئی

یہ ٹیلے ریت کے ہوں گے گلِ شاداب کے تختے
عنایت کی نظر کرنے کی نوبت ایک بار آئی

تمنا ہے کہ تو پہنچے اِرادوں کی بلندی پر
صداقت کی زباں سے یہ دُعا بے اختیار آئی

لبِ شیریں سے نیرنگؔ اہلِ محفل محوِ حیرت ہیں
یہ اِنسانی تکلم ہے کہ یا بانگِ ہزار آئی

ڈپٹی کمشنر کی آمد پر

زہے قسمت کہ آئے ہیں ہمارے حکمراں ہوکر
دُعائیں دیں تجھے جتنی تو لے سب شادماں ہوکر

بہت مدت کے بعد آخر بہارِ جانفزا آئی
پڑے تھے خشک بے آب و گیاہ محوِ خزاں ہوکر

کہاں تو حاکم عادل، کہاں یہ خطۂ صحرا
ہمیں بخشا شرف تو نے ہمارے درمیاں ہوکر

ترے تشریف لانے سے ہمیں ہے ناز قسمت پر
کہ مکتب کی زمیں اب رہ گئی ہے آسماں ہوکر

شبِ تاریک میں بھی اَب چراغ مہر و ماہ چمکے
زمینِ خار بھی اَب بن گئی باغِ جناں ہوکر

خُدا سرسبز رکھے اِس چمن کو مہرباں ہوکر
دُعا یہ ہے تجھے دائم گُلِ راحت مُیسّر ہو

***

وزیرِ تعلیم کی آمد پر

دِل راحت و سرور سے ہے ہمکنار آج
ہے ہر طرف محیط ہوائے بہار آج

ناگاہ سکول علم کی خوشبو سے بھر گیا
ہے اِس لیے نسیم یہاں عِطر بار آج

تشریف آپ لائے تو ہم پر کرم کیا
کیا جوش میں ہے رحمتِ پروردگار آج

کرتے ہیں خیر مقدم عالی جناب ہم
انجام کار ختم ہوا اِنتظار آج

شاداب اِس جہان میں ہے نخلِ آرزو
دِل سے نکل رہی ہے دُعا بار بار آج

نیرنگؔ زہے نصیب یہ ریواڑی کی سرزمیں
گلزار جس کا بن گیا ہر ایک خار آج

***

.....کی آمد پر

اے کہ تیرا نام ہے دردِ زباں
مایۂ تمکین و فخرِ خانداں

تھی جدائی تیری یوں بارِ گراں
جس طرح بُلبُل کو ہو فصلِ خزاں

ہو مُبارک لوٹ کر آنا ترا
تو باحسرت آمدی ہندوستاں

آگئے تم جان میں جاں آگئی
چار سو ہے نہر اُلفت کی رواں

ہم نے یہ مانا جدائی کچھ نہ تھی
اِس قدر بھی تیری فرقت تھی گراں

مردمِ چشم جہاں آرا ہو جو
کس طرح ہو اپنی آنکھوں سے نہاں

ہورہا ہے اہتمام خورد و نوش
پھرتے ہیں احباب سب شادی کناں

خدمتِ خلقِ خدا اِک وصف ہے
ہم سمجھتے ہیں ترا جانا وہاں

آنکھ سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں
یہ نہ ہو تو زندگانی ہے کہاں

اِس کے تھے محتاج سب اہلِ وطن
حاجتیں پوری ہوئیں سب بے گماں

آپ کا سچ مچ بہت احسان ہے
ہم نہ مانیں تو ہمارا ہے زیاں

کس قدر ہے مقصدِ عالی ترا
مونس و غمخوار و یار بیکساں

ہم پہ واضح ہوگئی اُلفت تری
ہم پہ ظاہر ہے صداقت کا بیاں

تو رہے گا منبعَ بحرِ سخا
تجھ سے پائیں گے شِفا خورد و کلاں

چاہتے ہیں جو کہ دُنیا میں خوشی
خدمتِ انساں سے ہوتی ہے عیاں

تو بنا دے سر زمیں خار کو
رشکِ جنّت غیرتِ باغِ جناں

ہے دُعا یہ نیرنگؔ دلشاد کی
سُن لے تو اب خالق ہر دو جہاں

تیری دُنیا کی یہ غم خواری کرے
تو عطا کر اِس کو عمرِ جاوداں

***

.....ایم پی ہو جانے پر

ہر طرف عیش کے سامان نظر آتے ہیں
کس کی محفل ہے کہ مہمان نظر آتے ہیں

جذبِ اُلفت میں جو غلطان نظر آتے ہیں
میری نظروں میں وہ اِنسان نظر آتے ہیں

قوم پر اپنی جو قربان نظر آتے ہیں
دو جہانوں کے وہ سُلطان نظر آتے ہیں

جن کی فُرقت دِلِ احباب پہ تھی بارِگراں
آج وہ اُن میں بصد شان نظر آتے ہیں

خادمِ قوم و وطن کی تو ہے توقیر یہاں
جو ہیں خود بیں وہ پریشان نظر آتے ہیں

سرزمیں تیرے وطن کی ہو سوا جنّت سے
یہی احباب کے ارمان نظر آتے ہیں

جن کو توفیق خُدا دیتا ہے اُس کے آگے
کوہ و دریا بھی ہوں، آسان نظر آتے ہیں

کچھ تعلق نہیں نیرنگؔ کو کسی فرقے سے
وہ تو بے چارے سخن دان نظر آتے ہیں

***

(24-03-1957)

یومِ افتتاح: بھاکڑا انہار

ہند کیا ہے رُوکشِ گلزار ہے
ہر سُو پیدا رحمتِ غفار ہے

لالہ و گل پر ہے اَب رونق نئی
نرگسِ بدمست بھی ہشیار ہے

دم بدم رقصاں ہے اَب بادِ بہار
شوق سے گل ہم نشینِ خار ہے

تازگی ہے چہرۂ انسان پر
رنج و غم سے اَب اِسے انکار ہے

دورۂ امن و اماں ہے مُلک میں
محوِ حیرت دیدۂ اغیار ہے

ہر بشر شاداں نہ ہو کیوں مُلک کا
خیرِ خواہِ مُلک جب سرکار ہے

آج ہے پنجاب کا روزِ سعید
یومِ افتتاحی انہار ہے

سر زمینِ خطۂ پنجاب کی
عیش میں اَب گرمیِ بازار ہے

چہرۂ دہقاں کا ہے اندازِ نو
ہر طرف غلے کا جب انبار ہے

لہلہاتے کھیت آتے ہیں نظر
گُلشنوں میں لُطفِ سیب و نار ہے

بارور ہونے کو ہے شاخِ اُمید
ہمکنارِ خوشۂ اَشجار ہے

ہے کرم سرکار کا پنجاب پر
اِس زمیں سے خاص اِس کو پیار ہے

دَستِ شفقت سے کرے گا وا اِسے
آج نہرو نہر کا سردار ہے

حضرتِ نیرنگؔ میانِ دوستاں
محوِ نغمہ سنجیٔ اشعار ہے

***

(08-08-1954)

اے صدر بزمِ زینتِ محفل خوش آمدید

جوشِ شباب روئے گل و یاسمن میں ہے
کیسا حجاب آج عروسِ چمن میں ہے

گلہائے رنگارنگ کا جلوہ چمن میں ہے
اللہ کیا بہار، زمینِ وطن میں ہے

اَے آنے والے صاحبِ عزت خوش آمدید
تیرے لیے خلوص ہر اِک مرد و زن میں ہے

تیرا جمالِ حُسن زمیں پر ہے جلوہ ریز
لرزہ شعاعِ نور سے چرخِ کہن میں ہے

ہُوں کِتنا خُوش نصیب کہ سرمایۂ وطن
لعل و گوہر سے بھی سوا میرے وطن میں ہے

شاعر نواز، صاحبِ علم و ہنر ہے تو
اور وقعتِ کلام ترے ہر سخن میں ہے

روشن ضمیر ہے وہ ترا اے ادب نواز
جو دیکھنے کی چیز ہے وہ میرے فن میں ہے

کرتا ہے شکر خالق پروردگار کا
اِک شاعرِ سرحد جو کہ تیرے وطن میں ہے

نیرنگؔ زہے نصیب ادب کے بیان میں
تیرا شمار آج تیری انجمن میں ہے

***

ہندو ہائی اسکول کے سالانہ جلسہ میں پڑھی گئی

چہکتا صحنِ چمن میں جو اب ہزار آیا
ہمیں گمان ہوا موسمِ بہار آیا

اِب ہر بشر پہ ہے کیف و نشاط کا عالم
شرابِ علم میں گویا نظر خمار آیا

خوش آمدید ادب پروران و صدرِ نشیں
تمہارا بندہ نوازی کا اعتبار آیا

خوش آمدید بزرگان و ساکنانِ وطن
کہ بہر شرفِ ملاقات خاکسار آیا

آداب عرض رفیقان و دوستانِ قدیم
خدا گواہ تمھیں دیکھ کر قرار آیا

سلام اہلِ زباں قدردانِ شعر سلام
نشاطِ عمر دو روزہ یونہی گزار آیا

زباں سے اپنی اجازت ہے عرضِ حال کروں
خدا کا شکر ہے یہ روز خوش گوار آیا

پنجاب کے جو مکاتب ہیں صفِ اوّل کے
بہر لحاظ وہاں اِس کا بھی شمار آیا

عیاں ہُوا ہے وظائف سے محنتوں کا ثمر
کہ شاخِ نخل تمنا میں برگ بار آیا

بجا ہے لالہ گوردھن داس کا یہ نظام
کہ جن کا نام زبانوں پہ بار بار آیا

درخشاں ماہ کی صورت ہو مدرسہ نیرنگؔ
اِسی دُعا پہ سخن کا بھی اختصار آیا

***

ایک درخواست

(درخواست عوام کی خاطر، پانی کے نل کے لیے)

شفیق و مہربان و کامران و حاکمِ بلدہ
رفیق و غمگسار و ہم زباں و ناظمِ بلدہ

گُزارش خدمتِ عالی میں اپنی داستاں کرلیں
اجازت ہو تو ہم بھی آرزوئے دِل بیاں کرلیں

حدودِ شہر میں مُدت ہوئی ہے ہم بھی بستے ہیں
غضب یہ ہے کہ اِک اِک بوند پانی کو ترستے ہیں

کئی کوچوں میں یوں تو ہم نے بھی، سیلاب دیکھا ہے
محلّہ ایک ایسا ہے جسے بے آب دیکھا ہے

بہت ہی دور سے مٹکوں میں پانی بھر کے لاتے ہیں
بمشکل پیاس گھر والوں کی بیچارے بُجھاتے ہیں

کسی کو مِل گیا مٹکا جوان مرد اُس کو کہتے ہیں
خُدا حافظ شریفوں کا جو مُنہ تکتے ہی رہتے ہیں

بہت ہی رحم کے قابل ہے یہ حالِ زبوں اُن کا
تعجب ہے گزارہ کس طرح ہوتا ہے یوں اُن کا

نوازش ہوگی سر بارِ گراں سے اُن کا ہو ہلکا
مزا آجائے اُس کوچے میں لگ جائے اگر نلکا

غرض کچھ شاعری سے ہے نہ مقصد شعر خوانی سے
اگر مطلب ہے کچھ نیرنگ تو مطلب ہے پانی سے

***

(29-08-1954)

نل میں پانی کم ہو جانے پر

جناب ای.او میونسپل کسٹے ریواڑی کو درخواست

کچھ روز ہوئے خوف سر انجام ہوا تھا
درخواست کی صورت میں ہی اَرقام ہوا تھا

اُناسِ دِلِ زار کا آزار تھا اُس میں
پانی کی شکایات کا اِظہار تھا اُس میں

دردِ دِلِ بے چارگاں کی درد کہانی
دو بارہ لکھی جاتی ہے شاعر کی زبانی

اِک نل ہے محلے میں بڑی شان تھی اُس سے
پانی سے تر و تازہ ہر اِک جان تھی اُس سے

معلوم نہیں نل میں کوئی نقص ہوا ہے
پانی کا یہ ہے حال کہ برعکس ہوا ہے

آتے تھے جہاں ساٹھ (٦٠) گھڑے چاہِ ذَقن سے
آتے ہیں وہاں سات گھڑے غنچہ دہن سے

ہو جاتا ہے یک لخت ہی پانی کا خسارا
دم توڑتا ہے ہچکیاں لے کے وہ بچارا

اللہ کا سہارا ہے کہ اَب جاں پہ بنی ہے
راہ تکتا ہے بچارا کہ اب جان کنی ہے

یوں قالب آبی ہی سے تاراج ہے نلکا
یعنی کسی تیمار کا محتاج ہے نلکا

ہے اتنی گزارش کہ توجہ کوئی دم ہو
پانی کی مصیبت تو یہ فی الفور ہی کم ہو

نیرنگؔ کی بھی ساتھ اِس کے فقیرانہ دُعا ہے
یہ سچ ہے کہ گرمی میں تو پانی ہی خدا ہے

***

ایک درخواست صدرِ میونسپل کمیٹی

اَے شانِ کرم، عالی گہر، فخر کمیٹی
اَے بحرِ سخا، عالیِ نسب، صدرِ کمیٹی

کس اَوج پر پہنچی ہوئی ہے آج ریواڑی
اَے زینتِ شہر! آپ کی برکت یہ ہے ساری

یہ باغِ ارم آپ کی برکت سے بنا ہے
جو گُل ہے یہاں آپ کی کوشش سے کھلا ہے

سڑکیں ہوئیں تعمیر نئی شان ہوئی ہے
سب آمد و رفت اِس لیے آسان ہوئی ہے

پانی کی فراوانی تو ہے حد سے زیادہ
جو کچھ ہے مہربانی تو ہے حد سے زیادہ

خدمت میں گُزارش ہے یہ ادنیٰ سی اسی مری بھی
ہو جائے جو یہ کام تو عزت ہے مری بھی

دیوار ہے اِک خستہ جہاں گھر ہے ہمارا
گرنے کے سوا جس کے نہیں کوئی بھی چارا

دیوار شکستہ ہے تو میدان ہے خالی
جز ذاتِ خُدا کوئی نہ مالک ہے نہ والی

ہر شام وہاں لگتا ہے بچّوں کا ہی میلہ
نیچے ہے کھڑا کوئی تو اُوپر کوئی کھیلا

کیا جانے یہ کمبخت گرے آج گرے کل
ایسا نہ ہو دیوار میں آجائے تزلزل

زخمی ہو مسافر ہو کوئی اہلِ محلّہ
بھگوان کا بندہ ہو یا ہو بندۂ اللہ

ہٹ جائے جو دیوار وہاں سے تو مزا ہو
جب شام کو گھر پہنچوں تو میدان صفا ہو

***

اُستاد

اے کہ تو روزِ اَزل سے قوم کا معمار ہے
کاروانِ راہ گم کردہ کا تو سردار ہے
نونہالانِ چمن سے تجھ کو کتنا پیار ہے
تو صحیح معنی میں اُن کا مونس و غمخوار ہے
تجھ کو قدرت نے عطا کی ہے وہ نورانی کرن
جگمگا اُٹھتا ہے جس کے نُور سے سارا چمن

تیرے دم سے بج رہی ہے یہ رُبابِ زندگی
تجھ سے ہے شرمندۂ تعبیر خوابِ زندگی
تجھ سے ہی تکمیل پاتا ہے حسابِ زندگی
تو نہ ہوتا تو اُدھورا تھا نصابِ زندگی
تیرے دم سے ہستی آدم کا گھر آباد ہے
جانتا ہوں تو جواہر لال کا اُستاد ہے

تیری ہستی سے زمانے کو شناسائی نہیں
قدر و قیمت چاہیے تھی تو نے وہ پائی نہیں
تیرے قدموں میں میری زر کی اگر آئی نہیں
اہلِ زر کے پاس بھی صبر و شکیبائی نہیں
تجھ کو بخشی ہے خُدا نے نعمتِ ہر دو جہاں
یہ وہ گُلشن ہے جہاں پر ہے بہارِ بے خزاں

لے رہا ہے اَب زمانہ کروٹیں انداز سے
تو مگر واقف ہے اِس انجام سے آغاز سے
مشکلاتِ دہر آئیں گر نشیب افراز سے
تو بھی چلتا جا اُسی رستے پہ سُو سُو ناز سے
علم اسرارِ الٰہی تو ترے نغموں میں ہے
چاہیے جنّت اگر، جنّت ترے قدموں میں ہے

ہے بہر سُو نُور افشاں تیری نُورانی جبیں
تجھ کو بخشے ہیں خدا نے بھی خطاباتِ امیں
یاد ہے وہ کس قدر تیری تھی دُنیائے حَسیں
سب ملائک نے کیا تھا تجھ کو سجدہ یا نہیں
تو زمانے بھر کو آگاہ کر اُنھیں اطوار سے
تجھ کو اُلفت ہو گلوں سے اور نہ نفرت خار سے

***

(09-10-1956)

''کیرکیاری'' میں کیا دیکھا؟

تخیل کی بلندی اور عجب لطفِ زباں دیکھا
تجھے ''کیرکیاری'' برتر اَز وہم و گماں دیکھا

ہماری بزم، سے مہر و محبّت کی بنا ڈالی
شمیم جانفزا کو مہربانِ دوستاں دیکھا

ہوئی ہے شان سے اِک انجمن قائم محبّوں کی
کہ جن کے دِل میں دریائے محبّت بیکراں دیکھا

کیاری زعفرانِ زار کی اَب خوب پھولے گی
جنابِ حضرت احقر کو جس کا باغباں دیکھا

دِل پر درد سے بھی اِک ندائے درد ناک آئی
یہ ہیں مسعود درد، اِن کا عجب طرزِ بیاں دیکھا

اسی کیاری میں اِک نخلِ پنجابی لہلہاتا ہے
کہ جس کی پنج میں پنجاب کا پانی رواں دیکھا

یہی اشعارِ نیرنگؔ اُس کو تم پڑھ کر سنا دینا
اگر پوچھے کوئی تم سے کہ میں نے کیا وہاں دیکھا

***

مدوجزر: درلباسِ مجاز

مشتاق تمہارا میں بھی ہُوں
اِک محوِ نظارا مَیں بھی ہُوں

گو تار نہیں آواز نہیں
اِک سازِ تمنا میں بھی ہُوں

تم رشکِ گُل و گلزار سہی
پر گرمیٔ صحرا میں بھی ہُوں

تم حُسن و جمال میں یکتا ہو
قِسمت کا مارا میں بھی ہُوں

تسلیم تمہارا حُسن مجھے
اُس حُسن کا نعرا میں بھی ہوں

تم شہرت کے مہتاب ہو گر
گُمنام ستارا میں بھی ہُوں

تم تابشِ حُسن، سراپا ہو
اِک کشتہ، شرارا میں بھی ہُوں

تم دائمَ بحرِ سلامت ہو
غرقابِ کنارا میں بھی ہُوں

حامل ہیں تجھے گر ناز و نعم
محرومِ تمنا میں بھی ہُوں

تم چارہ گرِ عشاق ہو گر
بیمارا تمہارا میں بھی ہُوں

دریائے محبّت تم ہو اگر
اِک گھونٹ کا پیاسا میں بھی ہُوں

ہے دِل کو تسلی اے نیرنگؔ
اِک خادمِ شعرا میں بھی ہُوں

***

حِفظِ ماتقدم

خلقِ خُدا پہ آتی ہیں اکثر مصیبتیں
گھیرے ہوئے ہیں اِس کو برابر مصیبتیں
باہر مصیبتیں ہیں تو اندر مصیبتیں
اِک جان ہے ہزاروں ہیں اِس پر مصیبتیں
دُنیا بھی کیا ہے ایک مصائب کا جال ہے
آرام جس کو کہتے ہیں مِلنا مُحال ہے

آیا اگر طوفان تو سامان لُٹ گیا
آئی اگر خزاں تو گُلستان لُٹ گیا
بجلی گری تو اور پریشان لُٹ گیا
ہر اِک طرح سے الغرض اِنسان لُٹ گیا
نیرنگی حیات نے وہ گل کھلائے ہیں
کتنے ہی ایک جان پر چَرکے لگائے ہیں

وہ انقلاب آئے کئی گھر تباہ ہوئے
اور زلزلوں کے آنے سے اکثر تباہ ہوئے
طوفانِ برف و باد سے چھتر تباہ ہوئے
کس کس غریب کے نہ مُقدر تباہ ہوئے
ہے کون وہ بشر جو پریشاں ہوا نہ ہو
ایسا بھی کیا مرض ہے کہ درماں ہوا نہ ہو

اِن سے سوا ہیں اور بھی آفاتِ ناگہاں
ہے آدمی ہمیشہ سفر میں رواں دواں
پہنچا نہ جانے اپنے سفر میں کہاں کہاں
شب کو اگر یہاں ہے تو صبح دم وہاں
کیا حال ہوگا پردۂ قدرت سے جلوہ گر
ہونے لگا ہے کیا، اُسے مطلق نہیں خبر

ناگاہ ایک حادثہ پیش نظر ہوا
برباد ایسے حال میں ابنِ بشر ہُوا
ٹکرا گئیں دو ریلیں کہ جن کا اثر ہُوا
عالم تمام اَن میں سے زیر و زبر ہُوا
لاشوں کے ڈھیر آئے نگاہ میں پڑے ہوئے
تقدیر کے فرشتے ہیں حیراں کھڑے ہوئے

دُنیائے حادثات میں امن و اماں نہیں
وہ کون دِل ہے جس پہ یہ سنگِ گراں نہیں
وہ کون سا بشر ہے جو محوِ فغاں نہیں
جس جاسکوں نصیب ہو ایسا مکاں نہیں
رُک جائیں حادثے تو بڑی بات ہے جناب
ورنہ تو دن بھی ہو تو سیاہ رات ہے جناب

***

ادائے حُسن

سلیم اِن دنوں طفل نو خیز تھا
وہ پھرتا ہوا اِک چمن میں گیا

وہاں ایک پھول اُس کو آیا نظر
تمنا تھی دِل میں کہ توڑے مگر

تھا ہاتھوں میں اپنے کبوتر لیے
اِسی وجہ سے ہاتھ بند اُس کے تھے

اچانک نظر آئی مہرالنساء
بُلایا اُسے اپنے پاس اور کہا

پکڑ لے کبوتر کو میرے تو یوں
کہ مَیں جاکے اُس پھول کو توڑ لوں

کبوتر دئے اور آگے بڑھا
لیا پھول وہ اُس نے سینے لگا

جب آیا تو دیکھا کبوتر ہے ایک
کہا کیا ہوا، دوسرا جانِ نیک

وہ سنتے ہی بولی کہ عالم پناہ
کبوتر میرے ہاتھ سے اُڑ گیا

کہا اُڑ گیا کس طرح اُڑ گیا
کہاں ہے کبوتر تو جلدی بتا

یہ سنتے ہی کھولی مٹھی دوسری
کہا یوں کبوتر نے پرواز کی

اگرچہ کبوتر گیا دوسرا
سلیم ہوگیا اِس ادا پر فدا

***

نذرِاحباب

سنائیں کسے جاکے اپنی زباں سے
نکالے گئے کس طرح ہم مکان سے

ابھی یاد تازہ ہے اپنے چمن کی
ابھی اُڑ کے پہنچے ہیں ہم آشیاں سے

نہیں جانتے ہم کدھر جارہے ہیں
نہیں یہ بھی معلوم آئے کہاں سے

کریں پھر سے افسانۂ غم بیاں ہم
جہاں سے کہیں ہم سنائیں وہاں سے

پتہ پوچھنے والے احباب سن لیں
ہم آگاہ کرتے ہیں اپنے نشاں سے

تکالیف و زحمات سے بچ کے نیرنگؔ
ریواڑی میں پہنچے ہیں، ڈی. آئی. خاں سے

***

کسی دوست کی امریکہ سے واپسی پر

مُلکِ امریکہ سے آنا ہو مُبارک نوجواں
تیری اِس توقیر پر شاداں ہے ہر خُورد و کلاں
تُو نے بھارت کا کِیا جا کر وہاں اُونچا نشاں
فخر کرتا ہے تیری عِزّت پہ تیرا خاندان
تیری آمد سے ہوئی حاصل خوشی اَحباب کو
تُو نے بخشا ہے سُکوں اُن کے دِلِ بیتاب کو

سَیر کی ہے تُو نے امریکہ کے ارضِ پاک کی
تو نے دیکھی ہے زمیں واشنگٹن، نیویارک کی
کس قدر دِل کش وہاں پر ہے فضا افلاک کی
کونسی دیکھی ہے تو نے خاصیت اُس خاک کی
روشنی ہوتی ہے کیسی چاند تاروں کی وہاں
کس طرح گردش میں ہیں اُن کے زمین و آسماں

لوگ کہتے ہیں نرالی ہے وہاں کی سر زمیں
کوہ دَریا کے مناظر ہیں وہاں سحر آفریں
نازکی سارے جہاں کی ختم ہے اُن کے تئیں
الغرض اس سر زمیں کا چپہ چپہ ہے حُسیں
کیا کوئی دریا وہاں پر ہمسرِ جمنا بھی ہے
کیا ہمالہ کی بلندی ہے وہاں گنگا بھی ہے

تاج کی صورت عمارت کوئی دیکھی ہے وہاں
ہے زمینِ ہند پر جو یادگارِ شہِ جہاں
کیا وہاں بھی دفن ہے کوئی محبّت کا نشاں
جس کے آگے سر جھکاتے ہوں زمین و آسماں
سچ بتا کس چیز کی عظمت تیرے سینے میں ہے
کونسی تصویر تیرے دِل کے آئینے میں ہے

تُو نے امریکہ کے عِلم وفن سے پائی آگہی
تُو نے دیکھی ہے وہاں پر ہر بشر کی زندگی
تجھ کو بھارت میں نظر آئے اگر کوئی کمی
منتشر کر دے وہاں عِلم و ہُنر کی روشنی
روشنی میں ہو اضافہ تاکہ تیری ذات سے
پار بیڑا ہند کا ہو قلزمِ ظلمات سے

مایۂ نازِ وطن بَن کر وطن میں تُو رہے
نو بہارِ جانفزا بَن کر چمن میں تُو رہے
نکہتِ گُل کی طرح ہر رُوح وتن میں تُو رہے
تو گلِ شاداب ہو سرو سمن میں تُو رہے
رازِ سَر بستہ عیاں کردے تُو ہندوستان پر
نام کا سِکّہ بٹھا دے اپنا ہر اِنسان پر

***

ایک دوست کی تبدیلی پر

برستا خطۂ مغرب سے ابرِ دُرفشاں آیا!
فلک سے اِک ہُمائے اَوج سوئے آشیاں آیا

مُبارکِ سرزمیں ڈیرہ ایسا مہرباں آیا
تمہاری کشتیِ بے بادباں کا بادباں آیا

بوقتِ خامہ فرسائی یہ مصرع برزباں آیا
وطن والو! مُبارک ہو کہ فخرِ خاندان آیا

تمہاری رہبری کو رہنمائے نوجواں آیا
خوشی یہ ہے تکالیفِ وطن کا ترجمان آیا

وطن سے دور رہ کر بھی وطن والوں کی خدمت کی
تو کب بھولے گا اُن کو جب وطن کے درمیاں آیا

خوشی ہے ہر بشر کو تیرے درجے کی ترقی پر
مُبارک باد کہنے کو ہر اِک شادی کناں آیا

وطن والوں میں تو رہ کر وطن کو شاد ماں کردے
مزا تب ہے زمینِ خار کو باغِ جناں کردے

سنا نیرنگؔ نے جب تیری بڑھی توقیر اور عزت
زباں پر اُس کی شکرِ خالقِ ہر دو جہاں آیا

رُباعی انورؔ

منتشر اہلِ وطن میں ہے کہانی میری
پر حقیقت ہے کہ ہے ہیچ مدانی میری
باعثِ فخر ہے نیرنگ سے تلمذ انور
جن کی برکت سے ہوئی شہرت زبانی میری

***

جوابِ نیرنگؔ

کون سنتا ہے مرا حال، زبانی میری
خود بخود بن گئی روداد جوانی میری

زندگانی میں یہ افسوس رہے گا دائم
نہ رہی ایک وطن میں بھی نشانی میری

درد مطلق ہی نہیں ترکِ وطن کا مجھ کو
دِلِ انورؔ میں تو ہے یاد پرانی میری

وائے حسرت کہ وہاں دم بھی نہ مارا میں نے
نذرِ آتش ہوئی جب ساری کہانی میری

کاش رہ جائے مری یاد کسی کے دِل میں
یوں تو دُنیا کی ہر اِک چیز ہے فانی میری

آگیا مجھ کو یقیں اپنی سخن دانی کا
پاچکی داد جب انور سے روانی میری

مجھ کو اپنوں سے یہی شکوہ رہے گا نیرنگ
قیمت و قدر کسی نے بھی نہ جانی میری

***

نظر اپنی حصولِ بانی دونو جہاں تک ہے
تخیل کی بلندی دیکھنا میری کہاں تک ہے

ہماری دوریٔ منزل خدا جانے کہاں تک ہے
نظر پہلے قدم پر ہی مقامِ کارواں تک ہے

تگ و دو آج بھی انسان کی باغِ جناں تک ہے
ہوا رُسوا جہاں آدم نظر اُس کی وہاں تک ہے

بہار آئے ہمارے گُلشنِ دِل میں تو آجائے
چمن کی دلفریبی التفاتِ باغباں تک ہے

کسی کی بزم کے جام و سبو پر ناز کیا ہم کو
ہماری تو رسائی آج کل پیرِ مغاں تک ہے

تڑپتی ہے جبیں سجدوں کی خاطر دیکھتے ہم بھی
تمنائے قدم بوسی کسی کے آستاں تک ہے

نہ ہو مرنا تو لطف زندگی بیکار ہو جائے
بہاروں کا مزا تو باغ میں فصل خزاں تک ہے

انھیں پھر دے وہ دِن چمن کو لوٹ کر جائیں
مزا دُنیا میں جینے کا تو اپنے آشیاں تک ہے

ہمیں پوچھے بھلا نیرنگؔ کوئی کیوں زمانے میں
ہماری قدر دانی تو فقط اُردو زباں تک ہے

❋❋❋

نظم

محفل ہے آج خُوب یہاں پر لگی ہوئی
احبابِ نیک دل سے ہیں رونق بڑھی ہوئی

مجمع ہے باوقار محبّوں کا اِس جگہ
شاخِ اُمید آج ہماری ہری ہوئی

دولت نصیب شہر کے ممبر ہوئے شریک
اُن کی خوشی سے ہم کو زیادہ خوشی ہوئی

آیا ہے سال نو نئی خوشیاں لیے ہوئے
اِس شان سے کہ شان ہماری نئی ہوئی

احباب دلنواز کو خوشنود دیکھ کر
دِل کی ہمارے آج شگفتہ کلی ہوئی

پختہ بنیں گے فرش محلوں کے شہر میں
اُن پر نظر تمہاری اگر سرسری ہوئی

چمکے گا نام آپ کا بھی مثل آفتاب
تاریک گلیوں میں اگر کچھ روشنی ہوئی

ممکن نہیں شادابیٔ گلشن یونہی رہے
پانی کی اِس چمن میں اگر کچھ کمی ہوئی

٭٭٭

ایک شاعر بے زر اور اُس کی بیوی

(نیرنگؔ سرحدی نے اپنی بیگم کو خراج پیش کیا ہے)

اے مِری مونس، مِری ہمدرد، مِری غمگسار
زینت کاشانۂ ظلمت مِری عفت شعار
میری بدبختی پہ تو دائم رہی ہے اشکبار
تیرے دم سے ہے خزاں میں بھی مجھے لطفِ بہار
گو زباں خاموش ہے لیکن دلِ احساس ہے
میرے ہر لفظِ تمنا کو بھی تیرا پاس ہے

کاتبِ تقدیر نے کی سادگی تجھ کو عطا
مجھ کو فطرت نے بنایا شاعرِ رنگیں نوا
شایدِ قدرت نے بخشا تجھ کو دولت کا مزا
اور میں محرومِ لطف زیستِ اک درویش سا
کیا خبر تھی زندگی گزرے گی اِس ذلت کے ساتھ
تیری بھی قسمت ہے وابستہِ مری قسمت کے ساتھ

پرورش پائی ہے تو نے خوب خورد و نوش میں
اور میں پیدا ہوا ہوں وادیٔ خاموش میں
تو چڑھی پروان گھر میں حسن کی آغوش میں
اور میں پھرتا رہا ہوں عالمِ مدہوش میں
کیا خبر قسمت میں تھی کہ تیری یہ منظور تھا
چشمِ قدرت میں یہی انصاف کا دستور تھا؟

میں سراپا سوز ہوں اور تو سراپا ساز ہے
تجھ کو مجھ پر ہو نہ لیکن مجھ کو تجھ پر ناز ہے
میرے ہر اک درد و غم میں تو مری دم ساز ہے
میرے ہر اک شعر کی لَے میں تیری آواز ہے
رنگِ الفت بھر دیا ہے تو نے ہر اک تصویر میں
دیکھتا ہوں تجھ کو پنہاں شعر کی تاثیر میں

سیم و زر سے ہے زیادہ شعر کی دولت مِری
قدر دانوں میں ہے اب بھی عظمت و شہرت مِری
اہلِ دانش کے دِلوں میں ہے سوا عزت مِری
پوچھئے اہلِ ادب سے آج بھی قیمت مِری

سیم و زر کا شاعری سے ایک فطری بیر ہے
''شاعرِ ہندوستاں ہونا خُدا کا قہر ہے''

***

(12-12-1972)

نیرنگؔ سرحدی ہسپتال میں

مَیں گرچہ تندرست ہوں اپنے خیال میں
آنا پڑا ہے پھر بھی مجھے ہسپتال میں
ہے مبتلائے غم کوئی، کوئی وَبال میں
دِل آ کے پھنس گیا ہے مصائب کے جال میں
سب اہلِ علم کہتے ہیں دارالشفا اِسے
اور جانتے عزیز ہیں گھر سے سِوا اِسے

ہر درد مند پاتا ہے آکر شِفا یہاں
لگتا ہے دِل پہ نشترِ غم بے خطا یہاں
صحت کا لگ ہی جاتا ہے آکر پتا یہاں
سچ پوچھئے یاد آتا ہے آکر خُدا یہاں
یہ وہ جگہ ہے درد کا درماں کہیں جسے
صحت وہ ہے کہ حسرتِ ارماں کہیں جسے

ہے علمِ کیمیا کی ترقی یہاں تلک
پہنچے نہیں خیالِ فرشتہ جہاں تلک
گنئے کرشمہ سازیاں اِس کی کہاں تلک
ہاں اِس کے آگے سر نجم آسماں تلک
ہوتی ہے صبح و شام یہاں بارور اُمید
ہر وقت ہو رہی ہے یہاں تجربوں کی دید

اے دِل وہ کام کر کہ مسرت نصیب ہو
غم دُور ہو یہ دولتِ عشرت قریب ہو
صحت وہ ہو کہ دیکھ کر حیراں طبیب ہو
ہر شے تیری نظر میں عجیب و غریب ہو
ہر ماہ ماہِ عید ہو، ہو موسمِ بہار
معلوم زندگی کو نہ ہو زندگی کا راز

***

قوالی

وہ سر زمیں جو آج بھی فخرِ جہان ہے
وہ سر زمیں کہ خوب رو جس کا نشان ہے
جس سرزمیں کی خاک پہ زر کا گمان ہے
بڑھ کر کے وصفِ خلد سے جس کا بیان ہے
گردش میں جس زمیں کے لیے آسمان ہے
وہ کون سی زمین ہے؟ ہندوستان ہے

اپنا وطن ہے وید اور گیتا کی سرزمیں
پیدا ہوئے ہیں رام و کرشن اور بدھ یہیں
نیتا سبھاش بوس کی تقریر آتشیں
سنتے رہے ہیں بارہا سب اُس کے ہم نشیں
اُس سرزمیں کے واسطے قربان جان ہے
وہ کون سی زمین ہے؟ ہندوستان ہے

پرتاپ شیواجی سے بہادر یہاں ہوئے
گاندھی، پٹیل اور جواہر یہاں ہوئے
گوبند اور بھگت دلاور یہاں ہوئے
سب دیوتا و پیر و پیمبر یہاں ہوئے
وہ سرزمیں کہ جس کا ترنگا نشان ہے
وہ کون سی زمین ہے؟ ہندوستان ہے

آتی ہے بارہا ہمیں اُس مہرشی کی یاد
کانوں میں گونجتی ہے ابھی تک اُس کی یاد
دِل سے نہ محو ہوگی کبھی لکشمی کی یاد
تازہ ابھی دلوں میں ہے اُس شاستری کی یاد
کیا کہنے جس زمین کی اِس درجہ شان ہے
وہ کون سی زمین ہے؟ ہندوستان ہے

ہم ہی نے دی ہے روشنی سارے جہان کو
سب جانتے ازل سے ہیں ہندوستان کو
بخشی ہیں ہم نے رفعتیں آدم کی شان کو
ہم نے سکھائیں وسعتیں اُن کی زبان کو
اپنا گواہ خُدا کی قسم آسمان ہے
وہ کون سی زمین ہے؟ ہندوستان ہے

***

یومِ جمہوریت کے موقع پر

اسیرانِ قفس کی زندگی برباد ہوتی تھی
طبیعت حاکموں کی مائلِ بیداد ہوتی تھی
اگر کچھ نغمہ ہوتے تو وہ فریاد ہوتی تھی
فقط آہ و فغاں سینے کی اپنے یاد ہوتی تھی
ہمارے دیش بھارت کو غلام آباد کہتے تھے
سِتم یہ ہے کہ ایسی بات خود صیاد کہتے تھے

یکا یک رحمت و خدمت نے ہم پر رحم فرمایا
کہ میدانِ سیاست میں جواہر بن کے جو آیا
انھیں کے بازوے ہمت نے اپنا خون کھولایا
صدا ہر سو یہی آئی، وہی آیا، وہی آیا
تو پھر کیا تھا کہ قومی دستوں نے بھی ہوا باندھی
علم آزاد بھارت کا اُٹھا لائے پتا گاندھی

خدا نے اِن مصائب کا دیا مجھ کو اجر آخر
ملا اُن تلخیوں کا ہم کو کیا شیریں ثمر آخر
نظر پھر آسمانِ ہند پر آیا قمر آخر
شبِ تاریک سے پیدا ہوئی روشن سحر آخر
اُنھیں کی محنتوں کا آج ہم نے پھل بھی کھایا ہے
کہ بھارت کی زمیں پر یومِ آزادی منایا ہے

لگی ہیں غیر کی آنکھیں ہمارے آشیانے پر
اُنھیں معلوم ہو جائے گا پھر زور آزمانے پر
تمنائے دِلی یہ ہے کہ چھا جائیں زمانے پر
ہمارا نام لکھا ہے جہاں کے دانے دانے پر
دعا دے اس سے بڑھ کر نیرنگ دلشاد کیا تم کو
خدا دے ہمتِ مردانہ اس سے بھی سوا تم کو

***

فہرست

(تراجم) انگریزی سے اُردو

Savitri.....By: Arshia Sattar
831 مثنوی فکر و بیان المعروف داستان ساوتری:- یہ عہدِ سلف کی ہے اِک داستاں
Yussouf.....By: James Russell Lowell
857 حضرت یوسفؑ:- اجنبی اِک شخص آیا ناگہاں
The Mountain and the Squirrel
By: Ralph Waldo Emerson
867 پربت اور گلہری:- ایک پربت اور گلہری میں ہوا
A Nation`s Strength.....By: William Ralph Emerson
871 ایک قوم کی طاقت:- نہیں مال سے بلکہ فردوں سے ہے
The Enchanted Shirt.....By: John Hay
875 جادوئی کُرتہ:- اِک دیارِ مغربی کا تاجدار
How Doth the Little Busy Bee.....By: Isaac Watts
887 شہد کی مکھی:- شہد کی مکھی کو دیکھا چاہیے
The Parrot..... By: Thomas Campbell
891 طوطا:- خُوبرو طوطا تھا اِک اسپین کا
The Ant and the Cricket.....By: James Russell Lowell
897 ایک جھینگر اور چیونٹی:- ایک جھینگر تھا نہایت بد دماغ
King Bruce and the spider.....By: Eliza Cook
903 رابرٹ بروس:- رابرٹ بروس شاہ تھا اَسکاٹ لینڈ کا

When Death doffed its hat

Savitri

By: Arshia Sattar

yama admired savitri`s courage and intact poem

Savitri was more dazzling and beautiful than any

other woman in the world.

When it came time for her to be married,

she had no suitors because all the men around her

were intimidated by her beauty and her sharp

mind.

مثنوی فکر و بیان المعروف داستان ساوتری

Savitri By: Arshia Sattar

یہ عہدِ سلف کی ہے اِک داستاں
کہ تھا وارثِ تختِ ہندوستاں
نِکو سیرت و نیک فرجام تھا
ہر اِک طرح کا اُس کو آرام تھا
طبیعت میں تھا جوہرِ راستی
اسے لوگ کہتے تھے اشواپتی
وہ بے لوث پاک اور معصوم تھا
مگر حقِ پدری سے محروم تھا

عبادت میں مصروف رہتا تھا وہ
خُدا سے دِلی راز کہتا تھا وہ
ہَون کی پوتر جلاتا تھا آگ
وہ گاتا تھا اُس پہ ساوتری کا راگ

Her father washed his hands off the

responsibility to get his daughter suitably

married and asked her to find a husband for

herself. Savitri found handsome Satyavan,

whose father was not only blind but had lost

his kingdom.

اچانک اُس آتش سے اِک مَہ لِقا
نظر آئی راجہ کو اور یہ کہا،
تجھے حق سے بخشی گئی برتری
ترے گھر میں آئے گی ساوتری

جو ہوگی ترے گھر کا روشن دیا
وہ پھیلائے گی چار جانب ضیاء
یہی تھا دُعاؤں کا اُس کی اثر
کہ لڑکی سے روشن ہوا اُس کا گھر

وہ تھی خُوبرو اور تنومند بھی
وہ دُختر تھی کاہے کو فرزند تھی
تھی پاک اور منزہ خیالات میں
لیاقت، شرافت، عبادات میں

وہ روشن دماغ اور بے باک تھی
ہر اک بات میں چُست و چالاک تھی
شگفتہ تھا دِل اُس کے ماں باپ کا
نہ تھا اس میں ذرّہ کوئی پاپ کا

Then, Narada tells her that Satyavan will live

for only one year from the day they marry.

Her father does not object to this most

unsuitable husband and Savitri leaves the

luxuries of the palace to live with Satyavan

and his parents on the edge of the forest

یونہی بڑھتے بڑھتے جواں ہوگئی
جوانی غضب کی عیاں ہوگئی
وہ سنِ بلوغت میں جب آگئی
ہوئی فِکر ماں باپ کو بیاہ کی

کسی کے نہ آیا تھا کچھ دھیان میں
کہ کس سے ساوتری کی شادی کریں
بالآخر ساوتری نے کھولی زباں
اگر ہو اجازت کروں کچھ بیاں

جو چاہا تھا اُس کو اجازت ملی
زیارت مقدس مقامات کی
بموجب ہدایات اشواپتی
سُنہری سجائی گئی پالکی

ملازم بہت ساتھ خدمت میں تھے
خورد و نوش کا ساتھ ساماں لیے
کئی ساتھ تھے اس کے مردانِ پیر
جو تھے عقل و دانش میں ماہِ مُنیر

where Satyavan earns a living as a

woodcutter.

On the day that Satyavan is supposed to die,

Savitri goes with him into the forest.

As he is chopping wood,

he is overcome with fatigue and falls asleep

اندھیرے میں اُس کی سواری چلی
طلوعِ سحر میں بہت دیر تھی
وہ گھومی پھری جنگلوں میں گئی
وہ رِشیوں کی باتیں بھی سُنتی رہی

دُعائیں وہ لیتی گئی مختصر
ہُوا ایک جنگل سے اُس کا گُزر
جواں، خُوبرُو اُس نے دیکھا وہاں
وہ خوش خُلق تھا اور شیریں زباں

وہ جنگل کا باسی جواں مرد تھا
وہ لاکھوں جوانوں میں اِک فرد تھا
ساوتری نے دیکھا تو دل میں کہا
جسے ڈھونڈتی تھی وہی مِل گیا

کہا پھر کہاروں سے واپس چلیں
وہ فوراً محلات کی راہ لیں
کوئی دِن جو ایوانِ شاہی میں تھی
ملاقات اپنے پتاجی سے کی

in her lap.

Savitri knows that this is the moment of his death.

When Yama comes to claim his body and soul, Savitri refuses to leave her husband and follows the god of Death. Yama repeatedly

پتا اُس کا تھا زینتِ انجمن
تھا نارد رشی پاس جلوہ فگن
ساوتری سے حالات پُوچھے گئے
کم وبیش اس نے وہ سارے کہے

بالآخر وہ خوش ہوکے کہنے لگی
مُرادِ دِلی مجھ کو حاصِل ہوئی
جو ست وان کا نام اُس نے لیا
تو مُنہ پر رشی کے تغیُّر ہوا

کہا پھر غلط ہے یہ تیری پسند
گلے میں نہ ڈال اپنے ایسی کمند
مِرے دِل پہ سب راز ہے آشکار
کہ ست وان ہے بدُعا کا شکار

وہ اِک سال کے بعد مَر جائے گا
نہ خالی دُعا کا اثر جائے گا
پتا نے کہا اُس سے نُورِ نظر
پنا پسند ا کر لے تو شوہر دگر

tells her to go back and each time,

she argues with him, extolling first, the

virtues of obedience to dharma and then, the

company of good people. Eventually she

praises Yama himself,

wielder of the rod of punishment, dispenser of

ساوتری نے سُن کر کہا اے پتا
جو ہونا تھا مجھ سے وہی ہوگیا
میں جو کرچکی ہوں رہے گا وہی
میں پتنی ہوں اس کی وہ میرا پتی

جو دیکھا پتا نے کہ ساوتری
سراسر ارادے کی ہے پختگی
تو پیغام شادی کا بھیجا گیا
اسی طرح دونوں کا رشتہ ہوا

یہ خواہش تھی ست وان کے باپ کی
ساوتری کا مسکن بھی ہوگا یہی
رسوماتِ شادی ادا ہوگئیں
کماری ساوتری بدا ہوگئیں

تھا ست وان کا باپ بھی بادشاہ
وہ پھرتا تھا یونہی بحال تباہ
وہ آنکھوں سے اندھا فلاکت زدہ
وہ جنگل تھا اس کا مصیبت کدہ

justice.

Yama is impressed not only with her devotion

to her husband but also by her intellect.

Each time she defeats him with one of her

arguments, he offers her a boon

— any boon except the return of her

وہ ست وان کا تھا سہارا لیے
جو دن زندگی کے گزارا کیے
تھا ست وان کے بیاہ سے شادماں
مسرت کا گویا تھا دریا رواں

اِسی طرح گزرا کیے ماہ و سال
محبّت میں دولہا دُلہن تھے مثال
گزرتے گزرتے وہ دن آگیا
کہ ہونا تھا شوہر کو جس دِن جُدا

جُدائی میں آخر رہے تین روز
دُلہن کے مقدّر میں لکھا تھا سوز
نہ تھی مضطرب اور نہ تھی بے قرار
ہوئی سر بسجدہ مگر بار بار،

لگاتار سہ روز روزہ کیا
مِلا جس سے اس کو دلی حوصلہ
وہ دن اور ساعت ہوئے جب قریب
کہ ہونا ساوتری کو تھا بدنصیب

husband's life.

First, Savitri asks that her father-in-law's sight

be restored,

then she asks that his kingdom be returned to

him. And finally,

she asks Yama that she be the mother of a

ازاں بعد بیوہ وہ کہلا گئی
جئے گی، بچے گی، کہ مَر جائے گی
اُٹھی صبح صادق اور اشنان کر
پھری مندروں میں اِدھر سے اُدھر

وہ گاتی ہوئی گنگناتی ہوئی
خیالِ خدا دِل میں لاتی ہوئی
چلی سُوئے جنگل وہ شوہر کے ساتھ
وہ تھامے ہوئے ہاتھ میں اُس کا ہاتھ

گھڑی دو گھڑی میں وہ پہنچے وہاں
قضا کا انھیں سامنا تھا جہاں
بٹھا کر ساوتری کو زیر شجر
روانہ ہوا وہ اُٹھا کر تبر

لگا کاٹنے فوراً اشجار کو
وہ کیا جانتا تھا ان اسرار کو
کوئی دم میں مرگِ مفاجات ہے
وہ دن اس کو گویا سیہ رات ہے

hundred sons.

Yama is happy to grant her that until he realises that the boon cannot be fulfilled unless Satyavan comes back to life as her husband.

He admits defeat and Satyavan wakes as if

مُسلّط ہوئی اس طرف دوپہر
اِدھر اس پہ غالب ہوا دردِ سر
ذرا دیر کو اس میں شدّت ہوئی
بدن میں بہت تیز حدّت ہوئی

وہ آہستہ آیا ساوتری کے پاس
ساوتری کا چہرہ ہوا کچھ اُداس
ساوتری کی گودی میں سر رکھ دیا
اِدھر چیخ نکلی میں ہائے مَرا
ساوتری نے دیکھا جو سر کو اُٹھا
سیہ مَرد اِک پاس ہی تھا کھڑا
بڑی اس کی مونچھیں بڑے سر کے بال
گھنی اُس کی داڑھی تھی منہ اُس کا لال

جو دیکھا اُسے تو وہ گھبرا گئی
کہ ہے موت کا دیوتا واقعی
کہا اُس فرشتے نے ساوتری
اسے چھوڑ دے جو نہیں شے تری

from a deep sleep.

We are told to believe that Yama restored

Satyavan to life only because Savitri was so

devoted, she was willing to follow her

husband even into the realms of the dead.

It was this single wifely virtue, more than any

یہ سُن کر ساوتری کھڑی ہوگئی
وہ ساتھ اس کے چلنے کو تیار تھی
فرشتہ چلالے کے ست وان کو
چلی یاد کرتی وہ بھگوان کو

فرشتے نے مڑکر جو دیکھا اسے
کہا تو خیال اس کا اب چھوڑ دے
نہ آ مفت میں اب تو پیچھے مرے
جو چاہے کچھ اس کے سِوا مانگ لے

عنایت کی مجھ پر نظر کیجیے
سُسر کو مِرے دیدہ ور کیجیے
اگرچہ یہ مجھ سے بہت دُور ہے
مگر پھر بھی یہ بات منظور ہے

یہ کہہ کر کچھ آگے فرشتہ چلا
ساوتری کا اس سے بڑھا حوصلہ
ذرا دیر کو پھر فرشتہ رُکا
کہا اے ساوتری تو آتی ہے کیا؟

other, that compelled the god of Death to

acquiesce in to her demand.

It is clear from the beginning that Savitri is a

most unusual woman — she is beautiful,

she is learned, she is determined. But while

all the men around her seem to pull away

کہا تو کچھ اس کے سِوا مانگ لے
مگر رُوحِ شوہر نہ دوں گا تجھے
ساوتری نے نرمی سے کی التجا
سُسر کو ہو میرے حکومت عطا

فرشتے نے یہ بات منظور کی
جو مانگا ہے تو نے تو ایسا سہی
وہ سمجھا ساوتری چلی جائے گی
کہ اس سے زیادہ وہ کیا پائے گی

اچانک جو پیچھے نگاہ اس نے کی
تو دیکھا وہی کی وہی بات تھی
کہا نیک بخت اور کیا چاہیے
کچھ اپنے لیے بھی بھلا چاہیے

ذرا سوچ کر یوں وہ گویا ہوئی
میں پوتوں کو دیکھوں ہے خواہش مِری
فرشتہ یہ خوش ہو کے کہنے لگا
کہ پوتوں سے ہوگا ترا گھر بھرا

from these virtues, Yama recognises and

acknowledges Savitri's other special qualities.

She defeated him with her arguments and

with a cleverly worded boon

— it is her iron will, her intellect and her

quick wit that Yama honours when he gives

یہ سُن کر ساوتری ہوئی شادماں
وہ کہنے لگی یوں تبسّم کناں
"یہ سچے وچن ہیں اگر آپ کے
تو بچّے ہوں کیوں کر بنا باپ کے"

مہاراج مجھ پر کرم کیجیے
مجھے اپنا ست وان لوٹایئے
فرشتہ یہ سُنتے ہی گھبرا گیا
ساوتری کو ست وان واپس مِلا

اک آواز چاروں طرف سے اُٹھی
کہ "جے ہو سَدا تیری ساوتری"
چلی پھر ہوا ہوکے آئی وہاں
کہ تھی لاش مُردہ پتی کی جہاں

Satyavan back. These qualities are not predicated on her being married to Satyavan. Yama obviously sees Savitri as more than just a wife.

The writer works with myth, epic and the story traditions of the sub-continent

قریب اس کے آئی جگایا اسے
جو گُزرا تھا سچ سچ بتایا اُسے
ابھی پھر رہا تھا میں اَفلاک پر
جو اُٹھا تو دیکھا کہ ہوں خاک پر

چلی ساتھ لے کر وہ ست وان کو
کیا یاد دونوں نے بھگوان کو

***

Yussouf

By: James Russell Lowell

A stranger came one night to Yussouf's tent,

Saying, "Behold one outcast and in dread,

Against whose life the bow of power is bent,

Who flies, and hath not where to lay his head;

I come to thee for shelter and for food,

To Yussouf, called through all our tribes 'The

Good.'"

حضرت یوسفؑ

The Yussouf By: James Russell Lowell

اجنبی اِک شخص آیا ناگہاں
خیمہ زن تھا نیک دِل یوسفؑ جہاں

تھا پریشاں حال، گھبرایا ہوا
زندگی سے گویا تنگ آیا ہوا

یوں لگا کہنے کو وہ مردِ شریف
میرا پیچھا کررہا ہے اِک حریف

چاہتا ہوں جان کی تجھ سے اماں
نیک دِل یوسف ہے تُو، اے مہرباں

"This tent is mine," said Yussouf, "but no

more

Than it is God's; come in, and be at peace;

Freely shalt thou partake of all my store

As I of his who buildeth over these

Our tents his glorious roof of night and day,

And at whose door none ever yet heard Nay."

سن کے اُس کی بات یوسف نے کہا
اَے میرے ہمدرد میرے ہم نوا

آیئے مجھ پر کرم فرمایئے
آپ کا خیمہ ہے اندر آیئے

مجھ کو جو نعمت خُدا نے کی عطا
تیرا بھی حق اس میں ہے مردِ خُدا

خیمے پر ہے جس کا نیلا سائباں
ہے وہی تو خالقِ ہر دو جہاں

ماحَضَر جو ہے تناوُل کیجیے
مجھ کو اپنے غم میں شامل کیجیے

So Yussouf entertained his guest that night,

And, waking him ere day, said: "Here is gold,

My swiftest horse is saddled for thy flight,

Depart before the prying day grow bold."

As one lamp lights another, nor grows less,

So nobleness enkindleth nobleness.

پھر کیا اُس کی تواضع کا خیال
اُس کے چہرے پر تھا اِک گونہ جلال

ہوکے فارغ خورِش و طعام سے
پھر اُسے سونے دیا آرام سے

صبحِ دم اُس کو اُٹھایا خواب سے
یوں لگا کہنے بڑے آداب سے

روشنی سے بیشتر ہوجا فرار
حاضرِ خدمت ہے میرا رہوار

زین کس کر لایا اُس کے رُوبرو
ہو مُبادا اُس کا دشمن دو بدو

That inward light the stranger's face made grand,

Which shines from all self-conquest; kneeling low,

He bowed his forehead upon Yussouf's hand,

Sobbing: "O Sheik, I cannot leave thee so;

I will repay thee; all this thou hast done

Unto that Ibrahim who slew thy son!"

بعد ازاں کچھ مال بھی حاضر کیا
جھک کر اُس کے ہاتھ کو بوسہ دیا

وہ مسافر دیکھ کر یہ، رو پڑا
رازِ دِل سب اُس پہ انشا کردیا

ڈرتے ڈرتے اُس نے پھر کھولی زباں
سوز سے معمور تھا اُس کا بیاں

اب نہ باقی دل میں ہے یہ خوف وبیم
ہے تیرے فرزند کا قاتل ابراہیم

جب سنا یوسفؑ نے اُس کا یہ جواب
ہوگیا کم اُس کے دِل کا اِضطراب

"Take thrice the gold," said Yussouf, "for with thee

Into the desert, never to return,

My one black thought shall ride away from me;

First-born, for whom by day and night I yearn,

Balanced and just are all of God's decrees;

Thou art avenged, my first-born, sleep in peace!"

مال تکنا اور اُسے دینے لگا
سب بلائیں اُس کی اب لینے لگا

روکے بولا میں نہ لوں گا یہ کبھی
اِس کا بدلہ لیجیے مجھ سے ابھی

ہنس کے یوسف نے کہا عالی مقام
لے لیا ہے مَیں نے اِس کا انتقام

پھر مخاطب ہو کے وہ فرزند سے
یوں لگا کہنے وہ اُس دِل بند سے

اب نہ غمگیں مجھ کو ہونا چاہیے
راحت وآرام سے غربت میں سونا چاہیے

***

(19-12-1970)

The Mountain And The Squirrel

By: Ralph Waldo Emerson

The mountain and the squirrel

Had a quarrel,

And the former called the latter

"Little prig."

Bun replied,

"You are doubtless very big;

But all sorts of things and weather

Must be taken in together

To make up a year

And a sphere.

And I think it no disgrace

پربت اور گلہری

The Mountain and the Squirrel
By: Ralph Waldo Emerson

ایک پربت اور گلہری میں ہوا
ایک دِن جھگڑا نہایت زور کا
دیکھ کر پربت نے نفرت سے کہا

"جانور ہے ایک تو ناچیز سا
ہے سمایا تجھ میں سودائے غرور
بات کرنے کا نہیں تجھ کو شعور
سامنے میرے حقیقت کیا تری
کوہ سے نسبت بھلا کیا کاہ کی
ہمسری کی تاب ہے تجھ میں کہاں
تو ہے نازک چیز میں ہوں سخت جاں

To occupy my place.

If I'm not so large as you,

You are not so small as I,

And not half so spry:

I'll not deny you make

A very pretty squirrel track.

Talents differ; all is well and wisely put;

If I cannot carry forests on my back,

Neither can you crack a nut."

دیکھ مجھ کو غور سے اے ہوش مند
پیٹھ پر ہیں میری اشجارِ بلند

جانور ہیں مجھ میں تجھ سے بے شمار
ہے مِری چوٹی فلک سے ہمکنار"
یوں کڑک کر دی گلہری نے صدا
"شک نہیں ہے تیری باتوں میں ذرا
خوبیاں ہیں تجھ میں پربت بے شمار
راستہ ہے تیرا بے شک خوش گوار
تو بناتا ہے گلہری کو مکیں
ہمسری تیری زمانے میں نہیں
میں بڑی گرچہ نہیں مانند تری
تو بھی تو چھوٹا نہیں مانند مری
پیٹھ پر میری نہیں اشجار گو
توڑ تُو سکتا نہیں اخروٹ کو"
سُن کے یہ خاموش پربت ہوگیا
پھر نہ اُس کے ساتھ کچھ جھگڑا کیا

And is it pride? Ah, that bright crown

Has seemed to nations sweet;

But God has struck its luster down

In ashes at his feet.

Not gold but only men can make

A people great and strong;

Men who for truth and honor's sake

Stand fast and suffer long.

Brave men who work while others sleep,

Who dare while others fly...

They build a nation's pillars deep

And lift them to the sky.

وہ لڑتے ہیں جرأت سے لیتے ہیں کام
کہ بنتی ہیں قومیں اُنھیں سے مدام

حقیقت میں قوموں کی بنیاد ہیں
اُنھیں کی بدولت ہے ہم شاد ہیں

فلک تک اُٹھاتے ہیں قوموں کی جو
وہ مر بھی گئے ہیں تو زندہ ہیں وہ

***

The Enchanted Shirt

By: John Hay

A story can also be told in the form of a poem. This is called a ballad. The ballad has a counterpart in Vadakkanpattu.

The King was sick. His cheek was red
And his eye was clear and bright;
He ate and drank with a kingly zest,
And peacefully snored at night.

But he said he was sick, and a king should know,
And doctors came by the score.
They did not cure him. He cut off their heads
And sent to the schools for more.

At last two famous doctors came,
And one was as poor as a rat,
He had passed his life in studious toil,
And never found time to grow fat.

جادوئی کُرتا

The Enchanted Shirt By: John Hay

اِک دیارِ مغربی کا تاجدار
جانتا تھا خود کو جو زار و نزار

تھا خیال اس کا کہ وہ رنجور ہے
تندرستی کی حدوں سے دُور ہے

خوف سے چہرے پہ زردی تھی عیاں
کچھ نہ تھا اُس کو بجز وہم و گماں

خوب پیتا اور کھا لیتا تھا وہ
شہنشاہی کا مزا لیتا تھا وہ

لُطف لیتا تھا وہ دُورِ جام سے
رات کو سوتا تھا وہ آرام سے

The other had never looked in a book;
His patients gave him no trouble,
If they recovered they paid him well,
If they died their heirs paid double.

Together they looked at the royal tongue,
As the King on his couch reclined;
In succession they thumped his august chest,
But no trace of disease could find.

The old sage said, 'You are as sound as a nut.'
'Hang him up,' roared the king in a gale;
In a ten knot gale of royal rage,
The other leech grew a shade of pale.

گو کیا اُس کا طبیبوں نے علاج
اُن کو بھی دینا پڑا اُلٹا خراج

سب کے سب وہ ہوگئے ناکامیاب
کچھ نہ بن آیا بچاروں سے جواب

دم کے دم میں ہوگئے معتوب سب
حُکمِ شاہی سے ہوئے مُصلوب سب

ایک دن آئے وہاں دو ڈاکٹر
دیکھ کر اِک نے کہا، اے دادگر!

ہے دَرخشاں کس قدر تِری جبیں
تجھ میں کچھ آثارِ بیماری نہیں

قتل کروایا گیا اُس کو وہاں
دُوسرے نے سہم کر کھولی زباں

But he pensively rubbed his sagacious nose,
And thus his prescription ran,—
King will be well, if he sleeps one night
In the Shirt of a Happy Man.

Wide o'er the realm the couriers rode,
And fast their horses ran.
And many they saw, and to many they spoke,
But they found no Happy Man.

They found poor men who would fain be rich,
And rich who thought they were poor;
And men who twisted their waists in stays,
And women that shorthose wore.

جانتا ہوں اے شہنشاہِ جہاں
آپ کی حالت ہوئی مجھ پر عیاں

ایک کُرتہ لائیں خدمت میں اگر
تجھ کو ہو جائے شِفا اے دادگر

ہو وہ کُرتہ جسم پر پہنا ہوا
مردِ پاکیزہ و نیک اطوار کا

پہن لیں اِک رات کُرتہ وہ حضور
تندرستی لوٹ آئی گی ضرور

حُکمِ شاہی سے ہوئے نوکر رواں
تاکہ پائیں ایسے کرتے کا نشاں

کوششوں سے بعد کچھ اَیام کے
شخص اِک پایا بڑا آرام سے

They saw two men by the roadside sit,
And both bemoaned their lot;
For one had buried his wife, he said,
And the other one had not.

At last as they came to a village gate,
A beggar lay whistling there;
He whistled and sang and laughed and rolled
On the grass in the soft June air.

The weary couriers paused and looked
At the scamp so blithe and gay;
And one of them said, 'Heaven save you, friend!
You seem to be happy today.'

گھاس پر لیٹا ہوا تھا خوش نصیب
رنج وغم آئے نہ تھے جس کے قریب

گا رہا تھا وہ عجب انداز سے
ہوگئے واقف وہ اُس کے راز سے

پاس آئے اور کیا اُس کو سلام
پھر کیا شیریں زبانی سے کلام

اِس طرح رہنے کا ہے انداز کیا؟
شادمانی کا ہے تیری راز کیا؟

سُن کے اُن کی بات وہ گویا ہُوا
اے میرے یارِ شفیقِ دِل رُبا!

رات دِن رہتا ہوں میں مصروفِ کار
مجھ پہ غالب کیا ہو اثرِ روزگار

'O yes, fair sirs,' the rascal laughed
And his voice rang free and glad,
'An idle man has so much to do
That he never has time to be sad.'

'This is our man,' the courier said;
'Our luck has led us aright.
I will give you a hundred ducats, friend,
For the loan of your shirt tonight.'

The merry blackguard lay back on the grass,
And laughed till his face was black;
'I would do it, God wot,' and he roared with the fun,
'But I haven't a shirt to my back.'

اِس طرح رہنے میں، میں مسرور ہوں
یاس کے عالم سے کوسوں دور ہوں

سُن کے اُس کی گفتگو کی التجا
جسم کا اپنے کریں کُرتہ عطا

جتنی قیمت مانگئے تیار ہیں
پاس اپنے درہم و دِینار ہیں

ہنس دیا وہ سُن کے اُن کا یہ سوال
پھر کہا اے دوستانِ خوش خصال

ہوں بِنا کرتے کے اور شاداں ہوں میں
ہے مرا کُرتہ کہاں عُریاں ہوں میں

سن کے اُس کی بات تھے وہ لاجواب
گھر کو لوٹے با دلِ پُر اضطراب

Each day to the King the reports came in
Of his unsuccessful spies,
And the sad panorama of human woes
Passed daily under his eyes.

And he grew ashamed of his useless life,
And his maladies hatched in gloom;
He opened his windows and let the air
Of the free heaven into his room.

And out he went in the world and toiled
In his own appointed way;
And the people blessed him, the land was glad,
And the King was well and gay.

پاس آئے شاہ کے، کی التجا
کہہ دیا سچ سچ کہ جو دیکھا سُنا

شاہ کو یہ سُن کے حیرانی ہوئی
حالِ ماضی سے پشیمانی ہوئی

یوں ہوا گویا بآوازِ بلند
اِس طرح رہنا مجھے آیا پسند

کھول دو درہائے ایوانِ شہی
بند رہ سکتا نہیں میں اب کبھی

ہوکے خُوش رہنے لگا مصروفِ کار
پالیا بحرِ مسرت کا کِنار

کوئی دِن میں شادماں مسرور تھا
اب نہ تھا بیمار نہ رنجور تھا

***

(20-12-1972)

How Doth the Little Busy Bee

By: Isaac Watts

How doth the little busy bee

Improve each shining hour,

And gather honey all the day

From every opening flower!

How skilfully she builds her cell!

How neat she spreads the wax!

And labors hard to store it well

With the sweet food she makes.

شہد کی مکھی

How Doth the Little Busy Bee By: Isaac Watts

شہد کی مکھی کو دیکھا چاہیے
اُس کے کاموں پر نظر فرمایئے

کس طرح رہتی ہے وہ مصروفِ کار
کام کی رہتی ہے اُس پر دھن سوار

گھومتی پھرتی ہے وہ باغات میں
گرمیوں، جاڑے میں اور برسات میں

بیٹھ جاتی ہے وہ ہر اِک پھول پر
چُوستی ہے رس وہ اُس کا سر بسر

لا کے رکھ دیتی چھتے میں اُسے
تاذخیرہ شہد کا وہ کرسکے

In works of labor or of skill,

I would be busy too;

For Satan finds some mischief still

For idle hands to do.

In books, or work, or healthful play,

Let my first years be passed,

That I may give for every day

Some good account at last.

شہد ہو جاتا ہے چھتے میں تیار
مُوم پھیلاتی ہے اُس میں بے شمار

کام کی چیزیں بنالیتی ہے وہ
اُن کا جاڑے میں مزا لیتی ہے وہ

مجھ کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے
باغِ عالم میں سنورنا چاہیے

کارِ مفید خلائق کرسکوں
درد مندوں کی دوا بن کر رہوں

پڑھنے لکھنے میں گُزاروں زندگی
علم و فن سے میں سنواروں زندگی

خدمتِ مخلوق میرا کام ہو
زندگی کا تاکہ نیک انجام ہو

***



نند لال نیرنگ سرحدی

TAMEER-E-BAQA

By : Dr. Syed Taqi Abedi

EDUCATIONAL
PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA

ISBN 978-93-92

ی شاعرانہ عظمت



شاد عارفی

عثمان انجم

The Parrot

By: Thomas Campbell

A parrot, from the Spanish main,

Full young and early caged came o'er,

With bright wings, to the bleak domain

Of Mullah's shore.

To spicy groves where he had won

His plumage of resplendent hue,

His native fruits, and skies, and sun,

He bade adieu.

طوطا

The Parrot By : Thomas Campbell

خُوب رو طوطا تھا اِک اسپین کا
اِتفاقاً ایک دن پکڑا گیا

تھا بچارے کا ابھی عہدِ شباب
بال و پر تھے اُس کے مثلِ آفتاب

گفتگو میں اُس کی لطفِ خاص تھا
تھا کلام اُس کا فصاحت سے بھرا

ڈال کر اُس کو قفس میں لے گئے
اِک جزیرے میں وہ مالا شور کے

چھوڑنا اُس کو وطن تھا ناگوار
کوستا قِسمت کو تھا وہ بار بار

For these he changed the smoke of turf,

A heathery land and misty sky,

And turned on rocks and raging surf

His golden eye.

But petted in our climate cold,

He lived and chattered many a day:

Until with age, from green and gold

His wings grew grey.

یاد آتے تھے وطن کے گلستاں
تھا نہ جن کا اُس جگہ نام و نشاں

تھے وہاں کے اور کچھ لیل و نہار
جھاڑیاں پیشِ نظر تھیں خاردار

سرد اُٹھتا تھا سمندر سے دُھواں
تھی زمیں سنگلاخ دھندلا آسماں

تند جھونکے تھے ہوائے سرد کے
ساتھ صدمے تھے وطن کے درد کے

اجنبی ہوکر وہاں رہنے لگا
تھا نہ کوئی اُس کا یار و آشنا

عہدِ پیری سے ہوئی رنگت خراب
تھی نہ رعنائی نہ اب دورِ شباب

At last when blind, and seeming dumb,

He scolded, laugh'd, and spoke no more,

A Spanish stranger chanced to come

To Mullah's shore;

He hail'd the bird in Spanish speech,

The bird in Spanish speech replied;

Flapp'd round the cage with joyous screech,

Dropt down, and died.

ایک دِن کرنا خدا کا کیا ہوا
شخص اِک اسپین کا وارد ہوا

گفتگو طوطے سے کی اُس نے وہاں
سُن کے طوطا خوش ہوا اپنی زباں

چیخ کر وہ بھڑ بھڑایا گر گیا
زندگی سے ہوگیا قیدی رہا

جذبۂ حبِ وطن کے جوش میں
سوگیا طائر بچارا موت کی آغوش میں

***

The Ant and The Cricket

By: James Russell Lowell

A silly young cricket, accustomed to sing

Through the warm, sunny months of gay

summer and spring,

Began to complain when he found that, at home,

His cupboard was empty, and winter was come.

Not a crumb to be found

On the snow-covered ground;

Not a flower could he see,

Not a leaf on a tree.

"Oh! what will become,"

ایک جھینگر اور چیونٹی

The Ant and the Cricket By: James Russell Lowell

ایک جھینگر تھا نہایت بد دماغ
اُس کو گانے سے نہ تھا، مُطلق فراغ

رات دِن تھا اُس کو گانے کا خیال
تھا نہ کچھ بھی آب و دانے کا خیال

گرمیوں کے دِن تھے اور شاداں تھا وہ
اپنی خوش آواز پر نازاں تھا وہ

دِن بسر ہونے لگے آرام سے
تھا وہ غافل مطلقاً انجام سے

گرمیوں کے بعد سردی آگئی
ہر رُخِ روشن پہ زردی چھاگئی

says the cricket, “of me?"

At last by starvation and famine made bold,

All dripping with wet, and

all trembling with cold,

Away he set off to a miserly ant,

To see if, to keep him alive, he would grant

Him shelter from rain,

And a mouthful of grain.

He wished only to borrow;

He'd repay it tomorrow;

If not, he must die of starvation and sorrow.

Says the ant to the

cricket, “I'm your servant

and friend,

But we ants never

زور کا جاڑا ہُوا جب آشکار
چھپ گئے اپنے گھروں میں جاندار

ہوگئے مسدود برف و باد سے
آنے جانے کے تھے جتنے راستے

دِیکھ کر یہ حال جھینگر تھا اُداس
تھا نہ کچھ کھانے کو بے چارے کے پاس

اِس مصیبت سے وہ گھبرایا بہت
اپنی غفلت پر وہ پچھتایا بہت

آخرش اُٹھا وہ دِل میں سوچ کر
کھٹکھٹایا جاکے اِک چیونٹی کا در

اور کہا مایوس ہوکر، بی سلام
میرے کھانے کا کرو کچھ انتظام

ایک مٹھی مجھ کو دانہ دو اُدھار
زِندگانی مجھ پہ ہو جائے نہ بار

borrow; we ants never lend.

But tell me, dear cricket,

did you lay nothing by

When the weather was

warm?" Quoth the cricket,

“Not I!

My heart was so light

That I sang day and night,

For all nature looked gay."

“You sang, Sir, you say?

Go then," says the ant, “and dance the winter away."

Thus ending, he hastily lifted the wicket,

And out of the door turned the poor little cricket.

Folks call this a fable. I'll warrant it true:

Some crickets have four legs, and some have two.

سُن کے بولی، چیونٹی اے غم گُسار
ہم نہ لیتی ہیں نہ دیتی ہیں اُدھار

پہلے فرمائیں کہ کیا کرتے رہے
جو موافق دِن تھے حضرت آپ کے

سُن کے جھینگر نے کہا، آرامِ جاں
شوق تھا گانے کا مجھ کو مہرباں

مسکرائی چیونٹی سُن کر جواب
''خوب گزریں گرمیاں عالی جناب

گرمیاں گانے میں جب کردیں بسر
سردیاں کردیں بسر اب ناچ کر''

کہہ کے اِتنا اُس نے در بند کردیا
ہوکے شرمندہ وہ جھینگر چل دیا

***

(26-12-1972)

King Bruce and the Spider

By: Eliza Cook

King Bruce of Scotland flung himself down
In a lonely mood to think;
'Tis true he was monarch, and wore a crown,
But his heart was beginning to sink.

For he had been trying to do a great deed,
To make his people glad;
He had tried and tried, but couldn't succeed
And so he became quite sad.

He flung himself down in low despair,
As grieved as man could be;
And after a while he pondered there,
" I'll give it all up, " said he.

Now just at that moment a spider dropped,
With its silken, filmy clue;
And the King, in the midst of his thinking, stopped
To see what the spider would do.

رابرٹ بروس

The King Bruce and the spider By: Eliza Cook

رابرٹ بروس شاہ تھا اَسکاٹ لینڈ کا
کھاتا رہا شکست وہ لندن سے بارہا

وہ چاہتا تھا ملک کو آزاد دیکھنا
تھا ناپسند قوم کو ناشاد دیکھنا

کوشش کے باوجود بھی لیل و نہار میں
وہ کامیاب ہو نہ سکا کارِ زار میں

آخر کو تھک کے بیٹھ گیا وہ زمین پر
مایوسیوں کے تھے نشاں اُس کی جبین پر

کیا جانے کس خیال میں گم تھا وہ بادشاہ
جب سامنے دیوار پر اُس کی پڑی نگاہ

'Twas a long way up to the ceiling dome,
And it hung by a rope so fine;
That how it would get to its cobweb home,
King Bruce could not divine.

It soon began to cling and crawl
Straight up with strong endeavour;
But down it came with a slippery sprawl,
As near to the ground as ever.

Up, up it ran, not a second to stay,
To utter the least complaint;
Till it fell still lower, and there it lay,
A little dizzy and faint.

Its head grew steady — again it went,
And travelled a half-yard higher;
'Twas a delicate thread it had to tread,
And a road where its feet would tire.

Again it fell and swung below,
But again it quickly mounted;
Till up and down, now fast, now slow,
Nine brave attempts were counted.

مکڑی کا ایک جال تھا دیوار پر لگا
ریشم کے تار سے جو زیادہ مہین تھا

تھا خوشنما وہ جال جو اَیواں سے کم نہ تھا
یہ اُس کا گھر تھا شانِ شبستاں سے کم نہ تھا

وہ گر پڑی زمین پر ننھی سی بے زباں
پاؤں پھسل گیا تھا بچاری کا ناگہاں

گرتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئی ہمت سے پھر چڑھی
بدقسمتی سے پھر وہاں اِک بار گر پڑی

ہمت تھی کیسی اُس میں کہ وہ نیم جاں تھی
چڑھنے کو پھر تیار مگر بے زباں تھی

تھیں مشکلات سر بسر اُس کی حیات میں
لغزش نہ آسکی مگر پائے ثبات میں

" Sure, " cried the King, " that foolish thing
Will strive no more to climb;
When it toils so hard to reach and cling,
And tumbles every time. "

But up the insect went once more,
Ah me! 'tis an anxious minute;
He's only a foot from his cobweb door,
Oh say, will he lose or win it?

Steadily, steadily, inch by inch,
Higher and higher he got;
And a bold little run at the very last pinch
Put him into his native cot.

" Bravo, bravo! the King cried out,
" All honour to those who try;
The spider up there defied despair;
He conquered, and why shouldn't I? "

And Bruce of Scotland braced his mind,
And gossips tell the tale,
That he tried once more as he tried before,
And that time did not fail.

اِک بار کیا گری تھی وہ سُو بار گر پڑی
ناکام ہوتے ہوتے ہی منزل پہ جا چڑھی

گر گر کے وہ بھی جانور بڑھتا ہوا چلا
رابرٹ بروس اُس کی طرف دیکھتا رہا

ہمت سے اُس کی تاڑ گیا رازِ زندگی
کھاتے کہاں شکست ہیں جانبازِ زندگی

اُٹھا وہ جان توڑ کر اِک بار پھر لڑا
دشمن سے اپنے ملک کو آزاد کرلیا

***

شکریہ: وزیر اعلیٰ ہریانہ راؤ بیریندر سنگھ
چھایا ہوا ہے اَبرِ کرم کچھ نہ پوچھئے 938
یومِ ولادت پسر
اَے اہلِ بزم کس قدر فرخ سحر ہے آج 938
راؤ موہر سنگھ
گُریزاں جن سے نیرنگؔ وصفِ انسانی نہیں ہوتے 939
ہولی
ہے شفق شام و سحر چرخِ کہن کی ہولی 939
شہیدِ اعظم: بھگت سنگھ
اَے خُدا ایسے بھی انسان ہوئے جاتے ہیں 940
یومِ جمہوریت ہند
عشرت و شوکت و اقبال مبارک 940
زیارت کی تعظیم زائر سے پوچھو 941
لُطف سُننے میں کہاں اور سُنانے میں کہاں 941
بزمِ عشرت کے اَلم سوز ترانے نہ رہے 942
الٰہی داستانِ دِل بیاں مشکل سے ہوتی ہے 942
گُلزارِ ادب کی یہ خزاں ہے نیرنگؔ 943
اَب نہ پہلی سی شان باقی ہے 943
کیا گناہ جناب کر بیٹھے 944
کیا کہوں ساری زندگانی میں 944
فکرِ جرم عذاب رہنے دو 945
بہت زندگی میں صبح و شام آئے 945

فرد مایہ ہے زندگی کی کہانی 946
غم میں رہنے میں عمر گزری ہے 946
آرزوئے شراب لے آئی 947
دیدِ حسنِ قمر کی بات نہیں 947
غَرقِ آبِ شفاف رہتا ہوں 948
سوچتا ہوں کہ اِس زمانے میں 948
خاص بندوں پہ تر الُطف وکرم آج بھی ہے 949
تیری رحمت کی فراوانی کا صدقہ نیرنگ 949
بھارت سدا تو عیش میں شام وسحر رہے 950
کے سی تمہارے گھر کا یہ روشن دیار ہے 950
تحصیل علم آپ کا شغلِ مدام ہو 951
میں فیض یابِ، دوستِ من شاید نہ ہوسکوں 951
کِھل کے مثل جام ہو جاتا ہے ہر گُل باغ میں 952
یہ نیا دور ہے اِس دور میں اِک دور بھی ہو 952
صحنِ گلشن کے نظاروں سے ملاقات ہوئی 953
بُلبل سے بات ہے نہ گُل ویاسمین سے بات 953
میرے لیے یہ فخر ومباہات ہے جناب 954
مانا کہ عذرِ تنگیِ اوقات تھا مجھے 954
چار سُو حسن کی ہے جلوہ گری آج کے دن 955
کس مسرت کا ہے پھیلا یہ اثر آج کے دن 955
روشنی اور ہے کچھ رنگِ سحر ہے دیگر 956
زِندگی کو حُباب کہتے ہیں 956

کون کہتا ہے کہ قدرت کے نظاروں کو نہ دیکھ 979
دُنیائے محبت مری آباد نہیں ہے 979
آمد سے تری آج گل ولالہ کھلے ہیں 980
اُمیدوں کے سہارے ہیں کہ اب تک جی رہا ہوں میں 980
جس سے نہ بجھے تشنگی اے حضرتِ نیرنگؔ 981
زمانہ گو ترقی میں بہت آگے نکل جائے 981
بزم میں اُن سے ملاقات ہوئی جاتی ہے 982
دامِ اُلفت میں جونہی پھنستا گیا دل اپنا 982
کاش ہم اُن سے بھی رودادِ جوانی کہتے 983
اَبر و باراں کی ہے اَفلاک سے رحمت ساقی 983
ہوگئی جب سے مئے ناب سے اُلفت ساقی 984
ہوا ہے چرخ گرچہ درپئے آزارِ جاں ہونا 984
زندگی رنج سے تہی کرلوں 985
صحنِ چمن میں گل کو مقامِ کہن نہ دو 985
انقلاب آگیا ہے پل بھر میں 986
خدمتِ خلق میں دِل رہتا ہے بیتاب ترا 986
سرد آہوں سے تجھے دیدۂ تر سے دیکھا 987
وُہ ذوقِ دید ہے کہ مَیں ضد پر اڑا رہوں 987
مجھ کو ازل نے سینے میں جو چاکِ دِل دیا 988
عظمتِ حسینؓ
سجدوں کا نام ہے نہ نیاز و دُعا کا نام 989

انقلاب زمانہ
تھی جن کی طاقتِ پرواز آسمانوں میں 989

کپڑے
آج کل گرمئ بازار فقط ہیں کپڑے 990

زمانہ
ہم زمانے کی بات کہتے ہیں 990

مجبوریاں
بیاباں کو بھی غُربت میں چمن کہنا ہی پڑتا ہے 991

بارِ خاطر
کبھی کبھی جو نسیم بہار گُزری ہے 992

مفردات
ایسا تو کوئی دور نہیں گزرا نظر سے 992
بزمِ جاناں میں اَمیر آئے غریب آئے ہیں 993
دردِ منت کشِ پیمانہ ہوا جاتا ہے 993
وید میں ڈھونڈ نہ تو، اور نہ قرآن میں دیکھ 994
دِل تری زلف پہ قربان ہوا جاتا ہے 994
زندگانی میں کئی دَور بدلتے دیکھے 995
آنے کو تم آجائیں وہ اِک رات زیادہ 995
اب تو ذلیل وخُوار خُدایا نہ کر بہت 996
کبھی بدخواہ کی تعظیم نہیں ہو سکتی 996
غیب سے تجھ پہ کرم اور بھی ہو، اور بھی ہو 997
یہ دُنیا اِک مقام خودکشی ہے 997

مانا کہ بلندی پہ ہے، بہروزِ محبت؟ 998
واعظ کی نظرِ تنگ میں کافر تھا اُن دنوں 998
تعلیم کی کمی ہے نہ اسباق کی کمی 999
راستی کجردی سے بہتر ہے 999
ہندو نہیں سمجھے ہیں مُسلماں نہیں سمجھے 1000
قایل عظمتِ خودساز خدائی تو رہے 1000
ہندو ہُوں زیادہ نہ مُسلمان زیادہ 1001
اللہ رے یقین جو اہلِ جہاں پہ ہے 1001
درد باقی ہے نہ اب اُس کی دوا باقی ہے 1002
الٰہی مجھ کو وہ حاصل کرام ہو جائے 1002
خدایا شیخ پہ نازل عذاب ہو جائے 1003
عشق میں درد نہاں ہو تو فغاں کچھ بھی نہیں 1003
نوکِ مژگاں سے ہر اِک زخم کو سی لیتا ہوں 1004
تقاضا کیا بہار آئے نہ آئے 1004
ذکرِ میناو جام کرتا ہوں 1005
میرے لیے یہ فخر و مباہات ہے جناب 1005
منزل مجھے ملے نہ ملے اس کا غم نہیں 1006
شمع سے یہ کہہ رہی ہے خاک پروانہ ابھی 1006
مُدّت سے کبھی (ہولی) مَیں بُرجِ محفل نہیں کرتا 1007
ایسا نہ ہو موقوف ہو رسمِ نیاز بھی 1007
آدمی بستۂ دستورِ کہن آج بھی ہے 1008
حالِ غم کہتے ہوئے میرا بیاں چھوڑ دیا 1008

کسی بزرگ کے استقبال میں

مطلعِ دِل پہ نظر ماہِ مُنیر آتا ہے 1009
شبِ تاریک میں طاری ہے ہر سو نور کا عالم 1009
تمہارے باغِ محبّت کا ایک طائر ہوں 1010
اِک طاہرِ گم گشتہ، راہِ آشیاں ہوں مَیں 1010
خودی سے باز نہ آ، خود کو ناتمام نہ کر 1011
موت سے زیست کے آداب میں ہونا بہتر 1011
تیرا رندوں پہ راج ہے ساقی 1012
یوں تو ہر سال بہار آتی ہے 1012
وُہی فکرِ حیاتِ فانی ہے 1013
دِل صد چاک کے ٹکڑوں کو سیے جاتا ہوں 1013
حالِ دِل جان لیا کرتا ہوں سب سے پہلے 1014
یہ تو اِک حُسن ادا ہے کہ جو اُڑ جاتے ہیں 1014
دِل کہیں مُبتلا نہ ہو جائے 1015
جبیں کو خوگرِ سجدہ بنا لیا میں نے 1015
کی تو نے نظر، بخش، دیا لطف زباں میں 1016
ایک بے کس پہ کئی وار ہوئے جاتے ہیں 1016
زمانے میں شیریں بَیانی نہیں ہے 1017
دیدروئے جمال ہو جاتی 1017
بارہا میں نے حسینوں کی ادائیں دیکھیں 1018
تیری قدرت، تیری رحمت کے نثار 1018
گل بے رنگ و بو و باس ہوں مَیں 1019

کسی بھی چیز کو زاہد یہاں قیام نہیں 1019
اَے خُدا خیر ہو دائم دِلِ ناداں کی طرف 1020
مٹا کے درد کو درماں بنا لیا میں نے 1020
قابلِ غور ہے اِک رِندِ خرابات کی بات 1021
بزمِ جاناں میں کئی بار گیا دِل آگے 1021
علاجِ درد و غم کرنے لگا ہوں 1022

فردیات

گو مِل چکا ہے کب کا مذلت کی خاک میں 1022

منشی تلوک چند محرومؔ کی یاد میں

وفات: ۶/جنوری ۱۹۶۶ء

وہ سخن داں و شاعر و مُخدوم
شاعری میں مچی ہے جن کی دُھوم
مُلک ہستی سے کر گئے رحلت
آج محرومؔ ہوگئے مرحوم

•••

چشمِ اَحباب آج پُرنم ہے
کس قدر بیکسی کا عالم ہے
آپ کا اِس جہاں سے اُٹھ جانا
درحقیقت زباں کا ماتم ہے

•••

دُرِ معنی کی آب تھے محرومؔ
عِلم و فن کا سَحاب تھے محرومؔ
محفلِ فنِ شعر میں نیرنگؔ
آپ اپنا جواب تھے محرومؔ

•••

مردِ روشن خیال تھے محرومؔ
کتنے شیریں مقال تھے محرومؔ
آج دُنیا سے اُٹھ گئے افسوس
شاعرِ بے مثال تھے محرومؔ

•••

گُلشنِ ہند کی بہار تھے وہ
اَسپِ معنیٰ کے شہسوار تھے وہ
جانے کس چیز سے رہے محرُوم
شاعری کے تو تاجدار تھے وہ

•••

ہائے وہ شوخیِ بیاں تیری
بات اپنی کہاں، کہاں تیری
اہلِ محفل کا حال کیا ہوگا
یاد آئے گی جب زباں تیری

•••

زندگی کو یہاں ثبات نہیں
یہ نئی کوئی واردات نہیں
اب بھی شعر و سخن کے چرچے ہیں
بات یہ ہے کہ اب وہ بات نہیں

***

بہ یادِ غالبؔ مرحوم

ہر سُو ہے ذکرِ غالبِؔ شیریں مقال کا
چرچا ہے اُس کے شعرِ عدیم المثال کا
نیرنگ وہ تھا عروجِ زبان و اَدب کا دور
یہ دَور ہے زبان و اَدب کے زوال کا

♦♦♦

غالبؔ ہے دِل پذیر ہر اِک کو اَدا تِری
چَرخِ بریں سے دُور ہے فکرِ رسا تِری
مانا ہر ایک چیز ہے فانی جہان میں
شہرت مِٹا سکے گی نہ ہرگز فنا تِری

✻✻✻

شری لال بہادر شاستری

وزیرِ اعظم ہند کی یاد میں

چُھپ گیا روس میں وہ ماہِ مبیں
ہوگیا عرش پر وہ خُلد نشیں
ہائے بھارت کا پاسباں نہ رہا
راس پردیس کی نہ آئی زمیں

•••

اے نگہبان و باغبانِ چمن
تُو نے بخشی وطن کو شانِ وطن
تجھ سے چُھوٹا ہے کاروانِ حیات
تُو نے چھوڑا ہے کاروانِ وطن

•••

آہ! مُرجھا گیا ہزار چمن
آج سُونی ہے شاخسارِ چمن
مُردنی چھا گئی ہے گُلشن پر
ہائے رُخصت ہوئی بہارِ چمن

•••

تُو چمن کی بہار بَن کے رہا
کاملِ روزگار بَن کے رہا
گو بظاہر تھا خرقہ پوش وطن
باطناً شہریار بَن کے رہا

***

گرانیِ اشیائے خُوردنی

منزل کی طرف حدِ نظر ٹُوٹ گئی ہے
اس راہ میں اُمیدِ سفر ٹُوٹ گئی ہے
بارِ غمِ دوراں تو اُٹھاتے رہے نیرنگؔ
واللہ گرانی سے کمر ٹُوٹ گئی ہے

◆◆◆

جلوۂ بَرقِ سَر طُور سے واقف ہوں میں
نہ سہی طور مگر نُور سے واقف ہوں میں
مجھ کو معلوم ہے حالِ غم مفلس نیرنگؔ
غم زدہ ہوں غمِ مزدور سے واقف ہوں میں

❋❋❋

مجالس میں عدمِ شرکت کیلئے قطعاتِ معذرت

حسرتِ باریاب رہتی ہے
حالتِ اضطراب رہتی ہے
کچھ تو دِل اُٹھ گیا ہے محفل سے
کچھ طبیعت خراب رہتی ہے

•••

بہاروں کی جگہ فصلِ خزاں معلوم ہوتی ہے
کہ اَب خاموش بلبل کی زباں معلوم ہوتی ہے
نہ آئیں آج کی محفل میں شاید حضرتِ نیرنگ
طبیعت آج کچھ اُن کی گراں معلوم ہوتی ہے

•••

کسی زبان سے نکلا جو نام شاعر کا
ہر اِک بشر نے کیا احترام شاعر کا
بلندیاں تو ہیں کچھ اور بھی زمانے میں
بہت بلند ہے لیکن مقام شاعر کا

•••

دُر عدن کی قدر ہے مُلک عدن سے دور
قسمت میں طائروں کی ہے دانہ چمن سے دور
مجھ کو شریک بزم نہ ہونے کا ہے ملال
محفل میں جارہا ہوں میں اپنے وطن سے دور

•••

صحنِ چمن میں گل کو مقام کہن نہ دو
بلبل کو بھی اجازتِ سیر چمن نہ دو
وہ بات ہی نہیں ہے کہ محفل کہیں جسے
بہتر ہے مجھ کو دعوتِ شعر و سخن نہ دو

•••

رجوعِ دِل سوئے منزل نہیں ہے
یہ مشتِ گُل کسی قابل نہیں ہے
بہت مجبور ہوں اے بندہ پرور
یہ بندہ در خورِ محفل نہیں ہے

•••

ہم کلی کو چمن سمجھتے ہیں
ہم تجھے انجمن سمجھتے ہیں
رات کٹ جائے جس جگہ نیرنگؔ
ہم اُسی کو وطن سمجھتے ہیں

•••

گمراہ مجھ کو راہ بتائے گا کس طرح
ظلمت پسند روشنی پائے گا کس طرح
جس شخص کو گراں ہو کسی آدمی کی بات
بارِ غمِ حیات اُٹھائے گا کس طرح

•••

عرش سے آئی ندائے دلفگار
شاعرِ باطل پرست او نابکار
مدحتِ انساں نہیں ہے شاعری
شاعری ہے مدحتِ پروردگار

***

قطعاتِ یومِ آزادی و جمہوریت ہند

اے اہلِ وطن! شوکت و اقبال مُبارک
اے اہلِ سخن! تم کو نیا سال مُبارک
کل تک جو تمہارا تھا قفس آج چمن ہے
اے اہلِ چمن تم کو پر و بال مُبارک

◆◆◆

سُنایا ہے عنادِل نے ہمیں پیغامِ آزادی
الٰہی کس قدر پیارا ہے دِل کو نامِ آزادی
اب اس مدّت میں اتنا تو ہوا معلوم اے نیرنگؔ
غلامی کی سحر سے ہے حسیں تر شامِ آزادی

***

کُھلے ہیں اب عنادِل پر کہیں اَسرارِ آزادی
کہ گُل ہائے غلامی سے حسیں ہیں خارِ آزادی
سمجھتا ہوں میں اے نیرنگؔ! کس کی یہ کرامت ہے
نِکلتے ہیں زباں سے خود بخود اشعارِ آزادی

•••

رشک کے قابل ہے یارانِ چمن کی زندگی
زندگی دراصل ہے رَنج و محن کی زندگی
یُوں تو اے نیرنگؔ زندہ ہیں کروڑوں مرد و زن
رنگ لائی جاں نثارانِ وطن کی زندگی

•••

مجھ پر ہیں فرض اَدب کی ثنا خوانیاں بہت
کیں میں نے محفلوں میں غزل خوانیاں بہت
تنہائیوں میں بھی کبھی تنہا نہیں رہا
رہتی ہیں میرے گرد پریشانیاں بہت

•••

آنکھوں کے لیے ذوقِ نظارا ہی بہت ہے
اور دِل کے لیے غم کا سہارا ہی بہت ہے
دُنیا کی ہر اک چیز عبث ہے مِرے آگے
میرے لیے رحمت کا اشارا ہی بہت ہے

•••

کوئی جھک کر سلام کرتا ہے
ظاہراً احترام کرتا ہے
بے غرض آج کل زمانے میں
کون کس سے کلام کرتا ہے

•••

سیرت خاص و عام دیکھی ہے
سب کی طرزِ کلام دیکھی ہے
مجھ کو دُنیا نے گو نہیں دیکھا
میں نے دُنیا تمام دیکھی ہے

•••

افسوس کِسے ہوتا ہے گُلزار کے اندر
جب پُھول کِھلیں وادیٔ کُہسار کے اندر
ناقدریٔ عالم تو نئی چیز نہیں ہے
یُوسف کا بھی نیلام تھا بازار کے اندر

•••

احباب مجھ سے ملتے ہیں یوں بے رُخی کے ساتھ
ملتا ہے جیسے اَجنبی اِک اجنبی کے ساتھ
تیور بگڑ چکے ہیں کبھی کے جہان کے
کیسے چلُوں قدم بہ قدم میں کسی کے ساتھ

***

مہرشی دیانند

اَے مہرشی زمانے میں تُو شانِ ہند ہے
اور جسم پاکِ ہند میں تو جانِ ہند ہے
تہذیبِ عصر نو کے گُلستاں کے باغباں
شاداب تیرے دم سے گُلستانِ ہند ہے

•••

قُوتِ قلب و جگر، رُوحِ بدن، جانِ وطن
فخر ہے ذات پہ تیری اے نگہبانِ وطن
تیری تعلیم کا ہے آج اثر یہ نیرنگ
رشکِ صد رنگِ بہاراں ہے گُلستانِ وطن

***

(18-03-1968)

شکریہ: وزیرِ اعلیٰ ہریانہ راؤ بیریندر سنگھ

چھایا ہوا ہے ابرِ کرم کچھ نہ پوچھئے
سب مٹ گئے ہیں رنج و الم کچھ نہ پوچھئے
اُردو کو جو مقام ملا ہے تیرے طفیل
کتنے ہیں شاد اہلِ قلم کچھ نہ پوچھئے

***

یومِ ولادت پسر

اَے اہل بزم کس قدر فرخ سحر ہے آج
پرنُور جس کے نُور سے دیوار و در ہے آج
اپنی طرف سے کے سی مبارک قبول ہو
یہ ساعتِ پیدائش لختِ جگر ہے آج

***

راؤ موہر سنگھ

کے بُت سنگین کے نیچے اہیر کالج میں بطورِ یادگار پتھر پر کندہ ہوا ہے۔

گُریزاں جن سے نیرنگؔ وصفِ انسانی نہیں ہوتے
وہ چشمِ دَہر سے پنہاں بآسانی نہیں ہوتے
جو کارِ خیر میں قوم و وطن پر جان دیتے ہیں
وہ اِس دُنیائے فانی میں کبھی فانی نہیں ہوتے

***

ہولی

ہے شفق شام و سحر چرخِ کہن کی ہولی
گُل گلزار سے ظاہر ہے چمن کی ہولی
اپنی رنگینیٔ تہذیب پہ نازاں اِنساں
کاش دیکھے کوئی فطرت کے وطن کی ہولی

***

(27-03-1956)

شہیدِ اعظم: بھگت سنگھ

اَے خُدا ایسے بھی انسان ہوئے جاتے ہیں
جن کے ایثار پہ حیران ہوئے جاتے ہیں
تُو تو قربان ہُوا نامِ وطن پر لیکن
ہم ترے نام پہ قرباں ہوئے جاتے ہیں

***

یومِ جمہوریت ہند

عشرت و شوکت و اقبال مبارک
ہمعصرو! یہ نیا سال مبارک
کُھل گیا ہے درِ زنداں نیرنگؔ
بُلبلو تم کو پَر و بال مبارک

***

زیارت کی تعظیم زائر سے پوچھو
کمالاتِ پرواز طائر سے پوچھو
ادب جان سمجھو اَدیبوں کی نیرنگ
تو قدرِ زباں ایک شاعر سے پوچھو

لُطف سُننے میں کہاں اور سُنانے میں کہاں
داد دینے میں کہاں، داد کے پانے میں کہاں
دلِ بیتاب کی باتیں ہیں یہ ورنہ نیرنگ
قدردانی سخن آج زمانے میں کہاں

بزمِ عشرت کے اَلم سوز ترانے نہ رہے
وہ پَری زادوں کی دُنیا کے فسانے نہ رہے
جب سے بدلا ہے نئے رنگ نے پہلو نیرنگؔ
وہ طبیعت، وہ اُمنگیں، وہ زمانے نہ رہے

الٰہی داستانِ دِل بیاں مشکل سے ہوتی ہے
یہ وہ عالَم ہے جب ہم سے فُغاں مشکل سے ہوتی ہے
اب ایسے دَور میں داخل ہوئی ہے زندگی نیرنگؔ
کہ جس میں خدمتِ اُردو زباں مشکل سے ہوتی ہے

گلزارِ ادب کی یہ خزاں ہے نیرنگ
یا سازِ شکستہ کی فُغاں ہے نیرنگ
اب آرزُوئے لُطفِ تغزل ہے عبث
یہ مرثیۂ اُردو زباں ہے نیرنگ

اَب نہ پہلی سی شان باقی ہے
ہے غنیمت کہ جان باقی ہے
سب بلائیں تو دیکھ لیں نیرنگ
مَوت کا اِمتحان باقی ہے

کیا گناہ جناب کر بیٹھے
ہم تمہیں انتخاب کر بیٹھے
تم اِسے دِل لگی سمجھتے ہو
ہم جوانی خراب کر بیٹھے

کیا کہوں ساری زندگانی میں
لُطف پایا فقط جوانی میں
کِتنا میٹھا سَرُور ہوتا ہے
زِندگانی کی اِس کہانی میں

فکرِ جرمِ عذاب رہنے دو
خشک باتیں جناب رہنے دو
ذکرِ حُسن و شباب ہو جائے
ذکرِ روزِ حساب رہنے دو

بہت زندگی میں صبح و شام آئے
مقدر میں لیکن نہ آرام آئے
کسی نے بھی حالِ غمِ دل نہ پوچھا
مرے غم ہی اکثر مرے کام آئے

فردمایہ ہے زندگی کی کہانی
نہ یادیں ہیں باقی نہ کوئی نشانی
نہ حاصل ہوا جُز غم و یاس نیرنگؔ
زمانے میں گرچہ بہت خاک چھانی

فردمایہ ہے زندگی کی کہانی
نہ یادیں ہیں باقی نہ کوئی نشانی
نہ حاصل ہوا جُز غم و یاس نیرنگؔ
زمانے میں گرچہ بہت خاک چھانی

غم میں رہنے میں عمر گزری ہے
درد سہنے میں عمر گزری ہے
کچھ بھی ہم سے نہ ہوسکا نیرنگؔ
شعر کہنے میں عمر گزری ہے

(04-06-1970)

آرزوئے شراب لے آئی
حُسن کی آب و تاب لے آئی
کون اپنی خوشی سے آیا ہے؟
مجھ کو قسمت جناب لے آئی

دیدِ حسنِ قمر کی بات نہیں
لُطف شریں ثمر کی بات نہیں
فخرِ دُنیا بھی کم نہیں لیکن
ذوقِ علم و ہنر کی بات نہیں

(24-04-1971)

❋

غَرقِ آبِ شفاف رہتا ہوں
پاک دامن ہوں صاف رہتا ہوں
کچھ تُو دُنیا خِلاف ہے میرے
کچھ مَیں اپنے خِلاف رہتا ہوں

❋❋❋

(05-10-1968)

❋

سوچتا ہوں کہ اِس زمانے میں
اِس زباں کا مآل کیا ہوگا
زندگی میں تو مر گُزرتے ہیں سب
ہم ادیبوں کا حال کیا ہوگا

❋❋❋

(25-05-1971)

خاص بندوں پہ ترا لُطف و کرم آج بھی ہے
اُن کی قسمت میں وہی عیش رقم آج بھی ہے
جو زمانے کو بدل سکتے ہیں بن کر رہبر
اُن کی گردن کے لیے دارِ ستم آج بھی ہے

تیری رحمت کی فراوانی کا صدقہ نیرنگؔ
جو اَزل میں تھی وہی دولتِ غم آج بھی ہے
عشق کے طَور بدلنے تھے نہ بدلے اب تک
جو تھا مسجودِ خلائق وہ صنم آج بھی ہے

بھارت سدا تو عیش میں شام و سحر رہے
ہر وقت تیرے حال پر اُس کی نظر رہے
نیرنگؔ کی دُعا ہے خدا کے حضور میں
شاداب باغِ زیست تیرا عمر بھر رہے

***

کے سی تمہارے گھر کا یہ روشن دیار ہے
اور گوہرِ مراد سے دامن بھرا رہے
نیرنگؔ صدقِ دل سے دُعا گو حضور کا
دائم تمہارا نخل تمنا ہرا رہے

***

تحصیل علم آپ کا شغلِ مدام ہو
نشہ شرابِ علم کا ہر صبح و شام ہو
دُنیا بھی کیا مقام ہے جانِ برادرم
گر ہوسکے تو عرش سے اونچا مقام ہو

میں فیض یابِ، دوستِ من شاید نہ ہوسکوں
راہِ سخن پہ گامزن شاید نہ ہوسکوں
حَد سے سِوا ہوں مُضطرب نیرنگؔ خدا گواہ
اب کے شریک انجمن شاید نہ ہوسکوں

❋

کِھل کے مثلِ جام ہو جاتا ہے ہر گُل باغ میں
واقف آرام ہو جاتا ہے ہر گُل باغ میں
توڑتا ہے جب کبھی گلچیں کا دستِ ناروا
لرزہ با اَندام ہو جاتا ہے ہر گُل باغ میں

❋❋❋

❋

یہ نیا دور ہے اِس دور میں اِک دور بھی ہو
حالِ احباب پہ بہتر ہے کہ کچھ غور بھی ہو
خوش رہیں گلشنِ عالم میں جناب ذاکر
شاخِ اُمید ہری اور بھی ہو، اور بھی ہو

❋❋❋

صحنِ گلشن کے نظاروں سے ملاقات ہوئی
صبح دم آج بہاروں سے ملاقات ہوئی
کس قدر ساعتِ فرخ ہے جنابِ نیرنگؔ
کہ اچانک میری یاروں سے ملاقات ہوئی

بُلبل سے بات ہے نہ گُل و یاسمین سے بات
کرنے لگا ہوں آج اِک اہلِ سخن سے بات
یوں تو ہیں بختِ نارسا میں تلخیاں بہت
ممکن ہے آج سُن سکوں شیریں دہن سے بات

میرے لیے یہ فخر و مباہات ہے جناب
شاہ و گدا کا ملنا کرامات ہے جناب
زائر کا عزم جانبِ کعبہ تو ہے درست
کعبے کا چل کے آنا بڑی بات ہے جناب

مانا کہ عذرِ تنگیِ اوقات تھا مجھے
لیکن خیال دید تو دن رات تھا مجھے
نیرنگ وہ وقت آ ہی گیا حسرتوں کے بعد
مُدت سے جن سے شوقِ ملاقات تھا مجھے

(29-10-1967)

چار سُو حسن کی ہے جلوہ گری آج کے دن
بند شیشے میں ہوئی آ کے پری آج کے دن
حاکمِ اعلیٰ کی آمد کی خبر ہے نیرنگؔ
شاخِ اُمید ہوئی اپنی ہری آج کے دن

کس مسرت کا ہے پھیلا یہ اثر آج کے دن
رک گئی آ کے یہاں اپنی نظر آج کے دن
لائی ہے بادِ صبا صحن چمن میں نیرنگؔ
ایک مہمان کے آنے کی خبر آج کے دن

روشنی اور ہے کچھ رنگِ سحر ہے دیگر
آج جذبات میں بھی اپنے اثر ہے دیگر
کاش دیکھے کوئی اب میری نظر سے نیرنگؔ
ایک ہے مہرِ منور تو قمر ہے دیگر

(14-11-1967)

زِندگی کو حُباب کہتے ہیں
اور زمانے کو خواب کہتے ہیں
اپنی شہرت کے واسطے نیرنگؔ
ہم ہر اِک کو خراب کہتے ہیں

❋

زِندگی کی حَسین راتوں میں
اِک طلسمِ شباب دیکھا ہے
اہلِ علم و ہنر کو اَے نیرنگؔ
ہم نے اکثر خراب دیکھا ہے

❋❋❋

❋

حالتِ بے بسی سے ڈرتے ہیں
اور تِری بے رُخی سے ڈرتے ہیں
لوگ ڈرتے ہیں موت سے اکثر
ہم مگر زندگی سے ڈرتے ہیں

❋❋❋

ہوتا ہے کس طرح سے دِل و جاں کا فیصلہ
کرنے لگے ہیں چارہ گر درماں کا فیصلہ
نیرنگؔ رہیں گے محوِ غمِ دوش کب تلک
ہوگا کبھی تو کفر اور ایماں کا فیصلہ

یوں تو بقائے زیست کا ساماں بھی ہے غلط
افسانۂ حیات کا عنواں بھی ہے غلط
کرنی نہ آئے جس کو سلیقے سے بات بھی
کہنا اُس آدمی کو تو انساں بھی ہے غلط

فرعونیت کے دُور زمانے گُزر گئے
وہ بات ہوچکی وہ فسانے گُزر گئے
اب تک طریقِ گفتگو آیا نہ ہو جسے
کہہ دو اُسے وہ لوگ پرانے گُزر گئے

***

کوئی سراپائے غم ہو تو کہہ نہیں سکتا
کوئی غریقِ ستم ہو تو کہہ نہیں سکتا
عجب طرح کا زمانہ ہے حضرتِ نیرنگ
کسی کا ناک میں دُم ہو تو کہہ نہیں سکتا

***

ہنستے رہتے ہیں کچھ غمی میں بھی
ہیں کئی غم زدہ خوشی میں بھی
پس مُردن بھی بعض ہیں زندہ
بعض مُردہ ہیں زِندگی میں بھی

***

ہے مفلسی غمی کا، اَمیری خُوشی کا نام
کہتے ہیں زِندگی تو ہے زندہ دِلی کا نام
رازِ حیات و مرگ سوا اِس کے کچھ نہیں
نظرِ کرم بقا ہے، فنا بے رُخی کا نام

***

مُحتاج ترے در کا ہر اک شاہ و گدا ہے
اَندازِ کرم سب کے لیے تیرا جُدا ہے
ہر چیز عطا کی ہے کہیں اپنے کرم سے
مجھ پہ بھی کرم ترا ہے، غم مجھ کو دیا ہے

زردار کا ہے ذکر نہ بے زر کی بات ہے
نرمی کی گفتگو نہ تکبر کی بات ہے
نیرنگؔ یہی ہے کافی تسلی کے واسطے
جو کچھ ہے اِس جہاں میں مقدر کی بات ہے

اُٹھ کے راتوں میں بارہا نیرنگؔ
درِ دولت کو جا کے چوم آیا
لوگ کہتے ہیں گھومتی ہے زمیں
مَیں زیادہ زمیں سے گھوم آیا

میری ہستی بھی کوئی ہستی ہے
پارسائی نہ مے پرستی ہے
درد و غم کا ہجوم ہے دِل میں
ایک دُنیا یہاں بھی بستی ہے

(29-05-1971)

وفورِ غم میں جو آنسو نِکل پڑے نیرنگؔ
وہ عالی جاہ میرے دوستوں کو لے ڈوبے
نصیحت اُن کی کوئی میرے کام آ نہ سکی
میرے گناہ میرے دوستوں کو لے ڈوبے

(30-05-1971)

نرگس و لالہ و گُل سرو سمن لوٹ آئے
یعنی گلہائے چمن سوئے چمن لوٹ آئے
جن کی فرقت دِلِ احباب پہ تھی بار گراں
آج وہ جانِ وطن اپنے وطن لوٹ آئے

بیٹھے ہیں گرد و پیش رہائی لیے ہوئے
یہ اہلِ زر ہیں ساری خُدائی لیے ہوئے
کیا آپ کو خبر ہے کہ درویشِ بے نور
آیا ہوا ہے شانِ گدائی لیے ہوئے؟

اس زمانے کے خرافات کو سمجھے کوئی
اِن بدلتے ہوئے حالات کو سمجھے کوئی
رغبتِ مال و مَتاع سے پہلے
مسئلہ مرگِ مفاجات کو سمجھے کوئی

(03-07-1970)

قسمت میں نہیں آئی کبھی شامِ تمنا
افسوس مجھے مِل نہ سکا جامِ تمنا
احباب مِری شکل سے بیزار ہیں نیرنگ
ہر شخص مجھے کہتا ہے ''ناکامِ تمنا''

کہنے دے کہتا ہے اگر کوئی بُرا مجھے
اِس سے زیادہ اور کہے گا بھی کیا مجھے
احباب نے بھُلا دیا ہے مجھ کو ہے درست
یہ تو نہیں کہ بھول گیا ہے خدا مجھے

کس کس کا شکوہ کیجیے کس کا نہ کیجیے
بہتر تو ہے یہی کہ زباں وا نہ کیجیے
ہے کون راز دار جہاں میں بجز خدا
چرچا کسی کا راز کا اصلاً نہ کیجیے

مُدّت سے مِرا خشک ہے گلزارِ تمنا
کچھ کم نہیں نشتر سے ہر اِک خارِ تمنا
مجبور مجھے کرتے ہو کیوں حضرتِ نیرنگؔ
جب کر ہی نہیں سکتا مَیں اظہارِ تمنا

جس میں یاروں کی دید ہو نیرنگؔ
اُس کو روزِ سعید کہتے ہیں
اہلِ دُنیا جو کچھ کہیں لیکن
ہم دیوالی کو عید کہتے ہیں

لَبوں پر بَرق چہرے پر گھٹا دیکھی نہیں جاتی
نظر کے سامنے ہم سے قضا دیکھی نہیں جاتی
تیرے اعمال دیکھے جائیں گے محشر میں اے نیرنگؔ
وہاں رنگِ سخن طرزِ ادا دیکھی نہیں جاتی

چشمِ ساقی میں جو منظور ہوا جاتا ہوں
حُسنِ انداز پہ مغرور ہوا جاتا ہوں
کرمِ عام پہ مائل ہے نگاہِ ساقی
اِس لیے پینے پر مجبور ہوا جاتا ہوں

سُرمئی چشم سے مُسرور ہوا جاتا ہوں
اِک تبسّم پہ ترے چُور ہوا جاتا ہوں
میرے حصّے کی رقیبوں کو پلا دے ساقی
آج میں بن پیے مخمور ہوا جاتا ہوں

مختلف رنگ جو میخانے میں آجاتے ہیں
حضرت شیخ بھی بہکانے میں آجاتے ہیں
دِن کو ہوتا ہے یہی وَعظ کہ پینا ہے حرام
رات ہوتی ہے تو مَے خانے میں آجاتے ہیں

شغل مئے و شراب کرتے ہیں
احترامِ شباب کرتے ہیں
جن کو ہوتی ہے فکرِ دیں نیرنگ
اپنی دُنیا خراب کرتے ہیں

بہت زور مارا بدعُنوانیوں نے
محبّت کی ناکام نادانیوں نے
نہیں مرنے والا تھا نیرنگؔ کسی سے
اُسے مارا ڈالا پریشانیوں نے

نظر آتے ہیں بُوستاں خاموش
کاروانِ ستارگاں خاموش
یہ علاماتِ حُسن ہیں نیرنگؔ
کاش ہوتی زباں انساں خاموش

خویش و احباب و یار دُنیا میں
زندگانی ہی کے تو میلے ہیں
شاہ بابؔر و شاہجہاںؔ، اکبؔر
سب کے سب اپنے ساتھ کھیلے ہیں

***

یہ مَقُولہ ہے لارڈ ہیلی کا
اِبن آدم ہے بیل تیلی کا
شاعروں میں بھی فرق ہے نیرؔنگ
اِک ریواڑی کا ایک دہلی کا

***

وقفِ ناز و نیاز رہنے دے
حُسن میں احتراز رہنے دے
ٹوٹ جائے تو بن نہیں سکتا
چند تاروں کا ساز رہنے دے

***

(12-08-1970)

غم دوراں سے طبیعت میں گراں پائی ہے
مختصر بات تھی، مُدّت میں سمجھ آئی ہے
تیرے سمجھانے سے اے شیخ کروں کیوں توبہ
چرخ پر دیکھ اے ناداں کہ گھٹا چھائی ہے

***

کیے ہم پہ کیا کیا گماں دوستوں نے
مِٹایا ہمارا نشاں دوستوں نے
اثاثہ ہمارا تو دُونو نے لوٹا
مکاں دُشمنوں نے زباں دوستوں نے

ہو زباں کوئی مگر سب کا ترانہ ایک ہے
زندگی کی دوڑ میں اُن کا نشانہ ایک ہے
اپنے اپنے فہم سے مطلب ادا کرتے رہے
حضرتِ دل کا مگر سارا فسانہ ایک ہے

سر زمینِ عشق میں صبح بشکلِ شام ہے
یہ زمیں وہ ہے جہاں عرفانِ رحمت عام ہے
حضرتِ نیرنگؔ نہ گھبرا عشق کے انجام سے
کامیابی اصل میں ناکامیوں کا نام ہے

بہارِ عیش کہاں لذتِ خزاں بھی گئی
چمن کے ساتھ ہی بنیادِ آشیاں بھی گئی
کسی بھی چیز کے جانے کا غم نہیں نیرنگؔ
جو رنج ہے تو یہی ہے کہ اب زباں بھی گئی

مکاں لٹتے تو دیکھے ہیں زباں لٹتی بھی دیکھی ہے
کسی عاشق کا دِل، نازک سی جاں لٹتی بھی دیکھی ہے
خُدا کے واسطے اِتنا تو بولے دیکھنے والے
کہیں پر آج تک تو نے زباں لٹتی بھی دیکھی ہے؟

ذکر ہوتا ہے شب و روز ترے آنے کا
شمعِ محفل نہ ہو کیا کام ہے پروانے کا
اپنے ہونے کا مزا پوچھ لے میخواروں سے
لُطف کتنا ہے وہاں ساغر و پیمانے کا

(28-09-1955)

زندگانی کی منازل میں وہ آئے ہیں مقام
خار زاروں میں بصد ناز ہوئے محوِ خرام
بات کرنے کا سلیقہ بھی نہ آیا جن کو
اُن کو بھی جا کے صبح و شام کیے ہم نے سلام

غم و اندوہ کے انبار نظر آتے ہیں
وائے احباب بھی اغیار نظر آتے ہیں
منزلِ زیست کی جانب جو بڑھاتا ہوں قدم
ہر طرف بکھرے ہوئے خار نظر آتے ہیں

منزلِ دل میں مجھے چین کہاں ہوتا ہے
خانۂ دوست میں دُشمن کا گماں ہوتا ہے
مَیں تو جاتا ہوں وہاں کعبۂ سمجھ کر نیرنگ
پردہ اُٹھتے ہی عیاں نُورِ بتاں ہوتا ہے

(28-08-1955)

مجھے جہان میں توفیق دی نہیں کوئی
ترے خزانے میں لیکن کمی نہیں کوئی
مجھے بھی بخش دے سامانِ زندگی یارب
بغیر اس کے مری زندگی نہیں کوئی

مشک خُتن کی قدر ہے ملکِ ختن سے دُور
مِلتا ہے طائروں کو بھی دانہ چمن سے دُور
نیرنگؔ! شریکِ بزم نہ ہونے کا ہے ملال
محفل میں جا رہا ہوں میں اپنے وطن سے دُور

جانبِ اَوج بڑھے اِن کی ترقی کا قدم
اَے خدا غیب سے دے اتنی بشارت ہم کو
ہیچ ہے صُحبتِ بیدیؔ کے مقابل نیرنگؔ
ہفت اقلیم کی مِل جائے جو دولت ہم کو

کون کہتا ہے کہ قدرت کے نظاروں کو نہ دیکھ
بر سرِ ارض و سما پھول ستاروں کو نہ دیکھ
چشمِ روشن تجھے گر حق نے عطا کی نیرنگؔ
دیکھ انجام کو آغازِ بہاروں کو نہ دیکھ

***

دُنیائے محبّت مری آباد نہیں ہے
پہلو میں جو دِل ہے وہ دِل شاد نہیں ہے
وہ عہد گُزشتہ و محبّت کا زمانہ
اُلفت کی قسم کچھ بھی مجھے یاد نہیں ہے

***

آمد سے تری آج گل و لالہ کھلے ہیں
کل تک تو یہاں پھول تھے کم خار زیادہ
تقدیر نے بخشا ہے ہمیں شرفِ ملاقات
احسان ترا ہم پہ ہے سرکار زیادہ

اُمیدوں کے سہارے ہیں کہ اب تک جی رہا ہوں میں
نگاہوں میں کنارے ہیں کہ اب تک جی رہا ہوں میں
محبّت کے اشارے ہیں کہ اب تک جی رہا ہوں میں
نظر میں کچھ نظارے ہیں کہ اب تک جی رہا ہوں میں

جس سے نہ بجھے تشنگی اے حضرتِ نیرنگؔ
اُس ساغرِ مئے کو کبھی ساغر نہیں کہتے
"کعبہ میں مسلماں کو بھی کہہ دیتے ہیں کافر
بُت خانہ میں کافر کو بھی کافر نہیں کہتے"

زمانہ گو ترقی میں بہت آگے نکل جائے
کہیں گے پھر بھی سب اہل جہاں سردار نانک تھے
یہی تحفہ تری خدمت میں نیرنگؔ لے کے آیا ہے
قبولیت کو اُس کے پاس جو اشعارِ نانک تھے

بزم میں اُن سے ملاقات ہوئی جاتی ہے
آنکھوں آنکھوں میں ہر اِک بات ہوئی جاتی ہے
آج دِل کھول کے ارمان نکالوں تو سہی!!
مختصر حیف مگر رات ہوئی جاتی ہے

دامِ اُلفت میں جونہی پھنستا گیا دل اپنا
سہل ہوتا گیا ہر کام بھی مشکل اپنا
ناخدا جس کو تو گردابِ بلا کہتا ہے
پوجھ مجھ سے وہ حقیقت میں ہے ساحل اپنا

کاش ہم اُن سے بھی رودادِ جوانی کہتے
شبِ فرقت کی تکالیف زبانی کہتے
دِل کی دھڑکن میں کوئی فرق نہ آیا نیرنگ
ہوئی عمر بسر ایک کہانی کہتے

***

اَبر و باراں کی ہے اَفلاک سے رحمت ساقی
قابلِ رشک ہے میخواروں کی قسمت ساقی
اب تو اس رندِ خرابات کو محروم نہ کر
تیرے میخانے کو اللہ دے برکت ساقی

***

ہوگئی جب سے مئے ناب سے اُلفت ساقی
نہ رہے سجدہ و تسبیح و عبادت ساقی
پوچھتے کیا ہو نشاں رند خرابات کا نام
نام نیرنگؔ ہے ریواڑی میں سکونت ساقی

ہوا ہے چرخ گرچہ درپئے آزارِ جاں ہونا
نہیں آیا مگر اب تک مجھے محوِ فغاں ہونا
سمجھتا ہوں کدھر ہے رغبت اہلِ جہاں نیرنگؔ
ہے پھر بھی ناز مجھ کو شاعرِ اُردو زباں ہونا

زندگی رنج سے تہی کرلوں
اِک ذرا سی یہ دل لگی کرلوں
بے مزا زندگی سے اے نیرنگؔ
سوچتا ہوں کہ خودکشی کرلوں

صحنِ چمن میں گل کو مقامِ کہن نہ دو
بُلبل کو بھی اجازتِ سیر چمن نہ دو
نیرنگؔ کبھی کی بجھ چکی ہے شمعِ انجمن
مجھ کو خدارا دعوتِ شعر و سخن نہ دو

انقلاب آگیا ہے پل بھر میں
کوئی آتا نہیں تصوّر میں
میں ہی جاتا ہوں سب کے گھر نیرنگؔ
کون آتا ہے اب مرے گھر میں

خدمتِ خلق میں دِل رہتا ہے بیتاب ترا
دِل مرادوں سے ہمیشہ رہے شاداب ترا
کردیا دیش کو خوش حال جناب کیرون
قابلِ فخر نہ ہو کس لیے پنجاب ترا

(09-06-1961)

سرد آہوں سے تجھے دیدۂ تر سے دیکھا
ہم نے پہروں تجھے حسرت کی نظر سے دیکھا
قابلِ دید ہے نیرنگؔ مصوّر کا قلم
حُسن بڑھتا ہی گیا تجھ کو جدھر سے دیکھا

وُہ ذوقِ دید ہے کہ مَیں ضد پر اڑا رہوں
اِس آرزو میں عُمر بھر بے خُود پڑا رہوں
وہ ناز جو رقیب سے دم بھر نہ اُٹھ سکا
اِرشاد ہو تو برسوں اُٹھائے کھڑا رہوں

مجھ کو ازل نے سینے میں جو چاکِ دِل دیا
تقدیر ایسے تو کسی دشمن کو بھی نہ دے
سب کچھ کسی کو بخش دے لیکن مِرا خدا
میری سی زندگی کسی دُشمن کو بھی نہ دے

عظمتِ حسینؑ

سجدوں کا نام ہے نہ نیاز و دُعا کا نام
ہے اصل بندگی تو خُدا کی رضا کا نام
ثابت کیا ہے اہلِ جہاں پر حُسینؑ نے
نکلا بوقتِ قتل بھی لب سے خُدا کا نام

***

انقلاب زمانہ

تھی جن کی طاقتِ پرواز آسمانوں میں
گُزارا کرتے ہیں بے چارے کارخانوں میں
وہ آگئے ہیں محلاتِ شاہی میں نیرنگ
مِلی نہ جن کو جگہ بھی یتیم خانوں میں

***

کپڑے

آج کل گرمئ بازار فقط ہیں کپڑے
آدمیّت کے بھی آثار فقط ہیں کپڑے
کل تو اِنسان کا معیار تھا اخلاقِ بلند
آج انسان کا معیار فقط ہیں کپڑے

***

زمانہ

ہم زمانے کی بات کہتے ہیں
دِن اگر ہو تو رات کہتے ہیں
کوئی سیدھی سی بات ہو نیرنگ
ہم اُسے واردات کہتے ہیں

***

مجبوریاں

بیاباں کو بھی غُربت میں چمن کہنا ہی پڑتا ہے
جہاں اِک رات کٹ جائے وطن کہنا ہی پڑتا ہے
جہاں دو چار یارانِ طریقت بیٹھ جاتے ہیں
ہر ایسی انجمن کو انجمن کہنا ہی پڑتا ہے

جسے قسمت سے حاصل ہوگئی مسند وزارت کی
اسی کو آج شیدائے وطن کہنا ہی پڑتا ہے
جہاں بُلبل کی خوشِ الحانیاں بیکار ہوں نیرنگ
صدائے زاغ کو رنگِ سخن کہنا ہی پڑتا ہے

***

بارِ خاطر

کبھی کبھی جو نسیمِ بہار گُزری ہے
قسم خدا کی بہت ناگوار گُزری ہے
وہی ہے آنکھ حقیقت میں آدمی کے لیے
شبِ فراق میں جو اشک بار گُزری ہے
عزیز کیوں نہ ہوں رنج و غم و الم نیرنگؔ
انھیں میں زندگی خاکسار گُزری ہے

***

مفردات

ایسا تو کوئی دور نہیں گزرا نظر سے
تاریخ کے اوراق اُلٹ جاؤ جدھر سے

***

بزمِ جاناں میں اَمیر آئے غریب آئے ہیں
جس نے آنا تھا نہیں آیا، رقیب آئے ہیں
آج کچھ حال دگرگوں ہے مرا اے نیرنگ
کتنے اللہ مرے یاس طبیب آئے ہیں

درد منت کشِ پیمانہ ہوا جاتا ہے
مائلِ سجدۂ بُت خانہ ہوا جاتا ہے
لاکھ سمجھاتا ہوں میں اُس کو مگر اے نیرنگ
شورشِ نغمہ سے بیگانہ ہوا جاتا ہے

وید میں ڈھونڈ نہ تو، اور نہ قرآن میں دیکھ
شکلِ اللہ، جو چاہے تو، وہ انسان میں دیکھ
ناصحا رندِ خرابات کی کچھ بات نہ کر
بڑھ کہ نادان ذرا اپنے گریبان میں دیکھ

دِل تِری زلف پہ قربان ہوا جاتا ہے
خود بخود تابعِ فرمان ہوا جاتا ہے
رُخ تاباں یہ تُو کرتا ہے پریشاں جس رنگ
یہ بھی اُس طَور پریشان ہوا جاتا ہے

زندگانی میں کئی دَور بدلتے دیکھے
دیکھے بدلے ہوئے کچھ اور بدلتے دیکھے
رنگِ تقدیر بدلنے لگا جسدم نیرنگؔ
یار و احباب بھی فی الفور بدلتے دیکھے

آنے کو تم آجائیں وہ اِک رات زیادہ
بڑھ جائے گی کہنے سے مگر بات زیادہ
نیرنگؔ کہ ہے اِک شاعرِ جذبات زیادہ
سُنتے ہیں کہ ہے رندِ خرابات زیادہ

اب تو ذلیل و خُوار خُدایا نہ کر بہت
دیکھی ہے ہم نے گردشِ شام و سحر بہت
کِس بات کا اَے حضرتِ نیرنگؔ غم کریں
ہے جب ہمارے حال پہ تیری نظر بہت

کبھی بدخواہ کی تعظیم نہیں ہوسکتی
بات اُس کی کبھی تسلیم نہیں ہوسکتی
تعظیم تو ہے جاگیر فقط مخلص کی
کبھی جاگیر یہ تقسیم نہیں ہوسکتی

غیب سے تجھ پہ کرم اور بھی ہو، اور بھی ہو
جانبِ اَوج قدم اور بھی ہو، اور بھی ہو
تیرے احباب رہیں سایۂ ایمن میں سدا
تیرے دشمن پہ ستم اور بھی ہو، اور بھی ہو

***

یہ دُنیا اِک مقام خودکشی ہے
یہاں خطرے میں ہر اِک روشنی ہے
خُدا جانے ہے انجامِ گُلستاں
کہ آغازِ بہاراں میں کمی ہے

***

(19-05-1968)

مانا کہ بلندی پہ ہے بہروز محبّت
حاصل ہے مجھے آج بھی اعجاز محبّت
انداز محبت کے جنھیں مَیں نے سکھائے
دیتے بھی نہیں وہ مجھے آوازِ محبّت

(04-07-1971)

واعظ کی نظرِ تنگ میں کافر تھا اُن دنوں
کافر یہ جانتا ہے مسلماں ہوں آج کل
نیرنگؔ بدل رہا ہے زمانے کا رنگ خوب
طرزِ ادائے نو میں غزل خواں ہوں آج کل

تعلیم کی کمی ہے نہ اسباق کی کمی
ہم میں نہیں ہے شہرتِ آفاق کی کمی
یوں تو ہر اِک چیز ہے ہندوستان میں
لیکن کوئی کمی ہے تو اَخلاق کی کمی

راستی کجردی سے بہتر ہے
روشنی تیرگی سے بہتر ہے
اس بدلتے ہوئے زمانے میں
زندگی خودکشی سے بہتر ہے

ہندو نہیں سمجھے ہیں مُسلماں نہیں سمجھے
صد حیف کہ وہ مقصدِ ایماں نہیں سمجھے
کیا اہلِ زمانہ سے میں واقف نہیں نیرنگ
اب تک بھی جو انسان کو انساں نہیں سمجھے

قابل عظمتِ خود ساز خدائی تو رہے
نہ ہو گر یہ بھی تو پھر شانِ گدائی تو رہے
کام کرنے کے مری جان بہت ہیں لیکن
ہم یہ چاہیں گے محلوں میں صفائی تو رہے

ہندو ہُوں زیادہ نہ مُسلمانِ زیادہ
نے قائلِ ناقُوسِ نہ اذان زیادہ
مَیں دامِ مذاہب میں نہیں اُلجھا ہوں نیرنگ
اِنسان مجھے سمجھے ہے اِنسان زیادہ

اللہ رے یقین جو اہلِ جہاں پہ ہے
اور اعتبار اُن کی ہر اِک داستاں پہ ہے
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اِس کی حقیقتیں
دِل میں نہیں وہ بات جو اُن کی زباں پہ ہے



درد باقی ہے نہ اب اُس کی دوا باقی ہے
اِک مکُدر سی زمانے کی فضا باقی ہے
رسمِ اُلفت بھی بجز شعر میں حضرت نیرنگؔ
اہلِ عالم میں کہیں نامِ خُدا باقی ہے





الٰہی مجھ کو وہ حاصل کرام ہوجائے
چہار سمت زمانے میں نام ہوجائے
وہ ظرف جس کو اُٹھاؤں میں حضرت نیرنگؔ
شرابِ ناب سے لبریز جام ہوجائے



خدایا شیخ پہ نازل عذاب ہو جائے
عتاب ہم پہ کرے، خُود خراب ہو جائے
دہان نل سے جو آتا ہے آب اے نیرنگ
گرے سبُو میں تو فوراً شراب ہو جائے

***

عشق میں درد نہاں ہو تو فغاں کچھ بھی نہیں
بے زبانی ہی زباں ہو تو زباں کچھ بھی نہیں
یاوہ گوئی سے تو بہتر ہے خموشی نیرنگ
اِس میں گر سُود نہیں ہے تو زیاں کچھ بھی نہیں

***

نوکِ مژگاں سے ہر اِک زخم کو سی لیتا ہوں
تو جو کہتا ہے تو لے اور بھی جی لیتا ہوں
ناصحا! چھپ کے جو پی لُوں تو مَیں کافر ٹھہروں
مجلسِ عام میں ہوتا ہوں تو پی لیتا ہوں

تقاضا کیا بہار آئے نہ آئے
پلا ساقی خمار آئے نہ آئے
خدا جانے کہ اُس موسم میں تجھ کو
خیالِ خاکسار آئے نہ آئے

ذکرِ مینا و جام کرتا ہوں
حُسن کا احترام کرتا ہوں
جن کے مذہب میں یہ نہیں ہے روا
اُن کو نیرنگؔ سلام کرتا ہوں

میرے لیے یہ فخر و مباہات ہے جناب
شاہ و گدا کا ملنا کرامات ہے جناب
زائر کا عزم جانبِ کعبہ تو ہے درست
کعبہ کا چل کے آنا بڑی بات ہے جناب

منزل مجھے ملے نہ ملے اس کا غم نہیں
منزل کی جستجو میں مرا کارواں تو ہے
گو میں نہیں چمن میں اے اہلِ چمن تو کیا
اب تک بھی اُس چمن میں مرا آشیاں تو ہے

شمع سے یہ کہہ رہی ہے خاکِ پروانہ ابھی
رات آخر ہوگئی باقی ہے افسانہ ابھی
ختم ہو جائے گی اس کے بعد تفسیرِ حیات
زندگی کہنے کو ہے اِک اور افسانہ ابھی

مُدّت سے کبھی (ہولی) مَیں بُرجِ محفل نہیں کرتا
مَیں شہد میں حَل زہرِ ہلا ہل نہیں کرتا
باتیں تو بہت کرنے کی ہیں حضرتِ نیرنگؔ
لیکن کریں کس سے یہ مرا دِل نہیں کرتا

***

ایسا نہ ہو موقوف ہو رسمِ نیاز بھی
اہلِ غرض سے کچھ بھی اگر بے رُخی ہوئی
آئندہ انتخاب میں اِک بار اِس طرح
بیٹھیں گے مِل کے پھر بھی اگر زندگی ہوئی
نیرنگؔ کسی کا دِل نہ اگر تو بدل سکا
کس کام کی جناب تِری شاعری ہوئی

***

(04-04-1968)

آدمی بستۂ دستور کُہن آج بھی ہے
زِندگی سلسلۂ رنج و محن آج بھی ہے
مجھ کو قدرت نے جو بخشا تھا ازل سے نیرنگ
وہی اِک مشغلۂ شعر و سخن آج بھی ہے
ہر طرف یاس کا عالم ہے اگرچہ نیرنگ
دِل ناکام اُمیدوں کا وطن آج بھی ہے

حالِ غم کہتے ہوئے میرا بیاں چھوڑ دیا
بات جو کہنے کی تھی اُس کو وہاں چھوڑ دیا
وُہی گرداب ہی بہتر تھا مقامِ کشتی
ناخُدا تو نے مجھے لا کے کہاں چھوڑ دیا
جب سے اُردو نے ہمیں چھوڑ دیا ہے نیرنگ
ہم نے بھی تذکرۂ اُردو زباں چھوڑ دیا

کسی بزرگ کے استقبال میں

مطلعِ دِل پہ نظر ماہِ مُنیر آتا ہے
اَدب اے دِل کہ اَمیروں کا امیر آتا ہے
نَذَر کرنے کو یہ گلہائے عقیدت نیرنگ
دربار میں شاہوں کے فقیر آتا ہے

❋❋❋

❋

شبِ تاریک میں طاری ہے ہر سو نور کا عالم
نظر آتا ہے دُنیا میں قریب و دُور کا عالم
یونہی پھرتا رہا موسیٰ تلاشِ کِبریائی میں
"زمیں کے فرش پر اُترا ہوا ہے طور کا عالم"

❋❋❋

تمہارے باغِ محبّت کا ایک طائر ہوں
مزار ہائے شہیداں کا میں بھی زائر ہوں
خطا ہوں گنج معانی کے گوہر یکتا
تمہارا بندہ ہوں لیکن غریب شاعر ہوں

اِک طاہرِ گم گشتہ، راہِ آشیاں ہوں مَیں
اتنی خبر بھی مجھ کو نہیں ہے، کہاں ہوں مَیں
نیرنگؔ نہیں زمانے میں کچھ قدر و منزلت
مانا کہ ایک شاعرِ رنگیں بیاں ہوں مَیں

خودی سے باز نہ آ، خود کو ناتمام نہ کر
کسی بشر سے تمنائے احترام نہ کر
تو قدر شعر اگر چاہے حضرتِ نیرنگ
تو ناشناسِ سخن سے کبھی کلام نہ کر

موت سے زیست کے آداب میں ہونا بہتر
کج تنہائی سے احباب میں ہونا بہتر
عشق ہوتا نہ اگر بحرِ جہاں میں نیرنگ
پھر تو کشتی کا تھا غرقاب میں ہونا بہتر

تیرا رندوں پہ راج ہے ساقی
لُطف باداں کا آج ہے ساقی
نسخۂ عشق و مئے و میخانہ
ہر مرض کا علاج ہے ساقی

یوں تو ہر سال بہار آتی ہے
غنچۂ دِل کو کِھلا پاتی ہے
اَب کے کچھ حالِ دگر ہے نیرنگ
زندگی تلخ ہوئی جاتی ہے

وُہی فکر حیاتِ فانی ہے
وُہی رفتارِ زندگانی ہے
ہاں مگر ایک بات ہے نیرنگؔ
اَب نہ اگلی سی وہ جوانی ہے

***

دِل صد چاک کے ٹکڑوں کو سیئے جاتا ہوں
کام اللہ نے سونپا ہے کیے جاتا ہوں
مست آنکھوں سے پلاتا ہے جو ساقی نیرنگؔ
اُس کو خوش ہو کے بصد ناز پیئے جاتا ہوں

***

(20-09-1954)

حالِ دِل جان لیا کرتا ہوں سب سے پہلے
عہد و پیمان لیا کرتا ہوں سب سے پہلے
آبِ اَنگور سے بہتر نہیں پانی کوئی
اِس کو پہچان لیا کرتا ہوں سب سے پہلے

یہ تو اِک حُسن ادا ہے کہ جو اَڑ جاتے ہیں
بات کچھ بھی نہ ہو اِک ایک سے لڑ جاتے ہیں
اِبنِ آدم تو بھلا چیز ہی کیا ہے نیرنگؔ
حق کی خاطر تو خُدا سے بھی بگڑ جاتے ہیں

❋

دِل کہیں مُبتلا نہ ہو جائے
محوِ رنگیں اَدا نہ ہو جائے
بزمِ یاراں میں آ گیا نیرنگؔ
کوئی طوفاں بپا نہ ہو جائے

❋❋❋

❋

جبیں کو خوگرِ سجدہ بنالیا میں نے
کوئی بتائے کہ دُنیا سے کیا لیا میں نے
تلاش دونوں جہانوں میں جس کی تھی نیرنگؔ
اُسے تو دل کے وطن میں ہی پالیا میں نے

❋❋❋

کی تو نے نظر، بخش، دیا لطف زباں میں
اک سوز تڑپتا ہے شب و روز فغاں میں
یہ بھی ہے ترا فیض کہ اک بندۂ نیرنگ
اک بلبل گلزار چہکتا ہے خزاں میں

ایک بے کس پہ کئی وار ہوئے جاتے ہیں
دِل بسمل کے سبھی یار ہوئے جاتے ہیں
عمر تو یوں بھی گزر جاتی مگر اے نیرنگ
آخری وقت میں کیوں خوار ہوئے جاتے ہیں

زمانے میں شیریں بَیانی نہیں ہے
محبّت بھی اَب غیر فانی نہیں ہے
دَریغ اُس زمیں پر ہے صد بار نیرنگ
جہاں شعر کی قدر دانی نہیں ہے

دید روئے جمال ہوجاتی
زندگانی وبال ہوجاتی
تم مجھے گر گلے لگا لیتے
ایک قایم مثال ہوجاتی

بارہا میں نے حسینوں کی ادائیں دیکھیں
آ کے دُنیا میں بہت خوب فضائیں دیکھیں
اِس طرح عمر گزرتی گئی نیرنگؔ لیکن
بُھول کر نہ کبھی اپنی بھی خطائیں دیکھیں

تیری قدرت، تیری رحمت کے نثار
راز کیا ہے اس میں اے پروردگار
مبتلائے رنج و غم ہو درمیانِ جاہلاں
ایک شاعر اور وہ بھی زرِنگار

گل بے رنگ و بو و باس ہوں مَیں
زِندگی سے بہت اُداس ہوں مَیں
مجھ سے دُنیا کو کیا غرض نیرنگؔ
شاعرِ درد و غم و یاس ہوں مَیں

کِسی بھی چیز کو زاہد یہاں قیام نہیں
شرابِ ناب کے دو گھونٹ بھی حرام نہیں
یہ نُور و مستی و لُطفِ زبان کیا کہیے
ترے کلام میں نیرنگؔ کیے کلام نہیں

اَے خُدا خیر ہو دائم دِل ناداں کی طرف
خود بخود اُٹھتے ہیں کیوں پاؤں بیاباں کی طرف
غلبۂ جوشِ جنوں بڑھ گیا اِتنا شاید
ہاتھ جب اُٹھتے ہیں، اُٹھتے ہیں گریباں کی طرف

مٹا کے درد کو درماں بنالیا میں نے
یہ نسخۂ کتنا ہی آساں بنالیا میں نے
ملی ہیں عشق و محبت کی دھڑکین دِل کو
انھیں کو زیست کا ساماں بنالیا میں نے

قابلِ غور ہے اِک رِندِ خرابات کی بات
نہ ہو خُم خانہ ہستی تو ہے بے کیف حیات
یوں تو ہر روز پیا کرتا ہوں حضرت نیرنگؔ
لُطف پینے کا مگر اور ہے برسات کی رات

***

بزمِ جاناں میں کئی بار گیا دِل آگے
چشم بر راہ تھی اس کے لیے محفل آگے
ہم بھٹکتے ہی رہے راہِ طلب میں نیرنگؔ
کبھی ہم پہنچے ہیں آگے، کبھی منزل آگے!

***

علاجِ درد و غم کرنے لگا ہوں
مَرض اُن کو رقم کرنے لگا ہوں
جنونِ عشق سے تنگ آ کے نیرنگؔ
سرِ تعظیم خم کرنے لگا ہوں

***

فردیات

گو مِل چکا ہے کب کا مذلّت کی خاک میں
رہتا ہے دِل ہمیشہ حسینوں کی تاک میں

***

فہرست
سہرے

سہرا	نیرنگ سرحدی	1025
باندھنا سر پہ مُبارک ہو سمن بر سہرا		1027
واہ وا سر پہ ترے خوب سجایا سہرا		1029
چھپھا کر جو سُناتی تھیں عنادِل سہرا		1030
طلائی تار میں گوندھا گیا جب خوش نما سہرا		1032
جلوۂ حسنِ حقیقی کی کرن ہے سہرا		1034
مرحبا مرجعِ انوار سَرِ اَسر سہرا		1036
دیدۂ نرگس و رُخسارِ گُلِ تر سہرا		1038
جبینِ شوق پہ ہوتا ہے جلوہ گر سہرا		1040
لوحِ تقدیر کو جَلوت میں جو بھایا سہرا		1042
جزاک اللہ رُخِ انوَر پہ ہے گوہر فشاں سہرا		1044
آرزوئے شباب ہے سہرا		1046
فصلِ بہار جلوہ نما ہے مرے لیے		1048
وِداع کا وقت ہوتا جا رہا ہے		1050

سہرا

شاہانِ مغلیہ کے زمانے میں جب کہ شعر و سخن کا مرتبہ بام عروج پر تھا۔ شعرائے نامدار، داد بیانِ سخن پرور کی قدر دانی کسی صلے اور ستائش کی محتاج نہ تھی۔ دور دراز سے اہلِ فن دربار شاہی میں شرف یاب ہوتے۔ اور خلعت ہائے بیش بہا و انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر نہ صرف اپنی مزربوم میں بلکہ ہر اہل قدر کی نگاہ میں عزت و حرمت سے دیکھے جاتے۔ اُن دنوں زبان اُردو کا بھی خوب طوطی بولتا تھا۔ اور ہر کس و ناکس اُسے پڑھ کر اور بول کر فخر سمجھتا تھا۔ دفاتر میں بھی اِسی ملکۂ اُردو کی حکمرانی تھی۔ اِس لیے ہر بشر جو ملازمتِ شاہی کا طلب گار ہوتا اُسے مجبوراً اُردو سیکھنا پڑتی۔ ورنہ سوائے محرومی و یاس کے کچھ حاصل نہ تھا۔ اب جو مرتبہ انگریزی کو حاصل ہے ٹھیک اِسی طرح بلکہ اِس سے بھی زیادہ بلند مرتبہ اُردو کا تھا۔ غزل، مثنوی، قصیدہ وغیرہ اصنافِ سخن حلقۂ شعرا میں خوب مروّج تھے۔ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے، سہرا بادشاہ اکبر ثانی کے زمانے میں اُس کے فرزند جوان بخت کی شادی کے موقع پر لکھا گیا۔ سب سے پہلا سہرا حضرتِ غالبؔ مرحوم و مغفور نے جو دربارِ شاہی میں ایک ممتاز ترین شاعر تھے لکھا اور مقطع میں فرمایا ؎

ہم سخن فہم ہیں غالبؔ کے طرف دار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

جناب ابراہیم خان ذوقؔ خاقانی ہندؒ جو شاہِ وقت کے اُستادِ گرامی تھے۔ بادشاہ کے ایما سے پہلے سہرے کے جواب میں دوسرا سہرا لکھا اور مقطع میں جواباً فرمایا ؎

جن کو دعویٔ سخن ہو یہ سُنا دو اُن کو
دیکھو اِس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

اِس کے بعد مختلف شعرا شادی بیاہ کے مواقع پر سہرے لکھ کر دادِ سخن کے طالب ہوئے اور سہرا با قاعدہ اصنافِ سخن میں داخل ہوا اور رفتہ رفتہ یہاں تک ترقی کی کہ کوئی بیاہ شادی ہو سہرا کی تعریف میں چند اشعار زینتِ قرطاس ضرور ہوتے ہیں۔

ہندوستان جو رسوم و قیود کا گھر ہے سہرا کو بھی رسم شادی میں شامل کر لیا ہے جس طرح اِس موقع پر ڈھول بجانا۔ ناچ رنگ گھوڑی کا ہونا ایک رسم ہے اُسی طرح سہرا بھی امورِ لوازم میں سے ایک ہوتا جا رہا ہے۔ وہ دِن دور نہیں جب کہ سہرے کی عدم موجودگی شادی بیاہ کے لیے شگونِ بد متصور ہوگا۔

چوں کہ سہرا موجودہ زمانے میں با قاعدہ شاعری کی ایک صنف ہے اور اِس پر شعرائے معاصر نے خوب جی کھول کر لکھا ہے اور لکھ رہے ہیں۔ نیرنگؔ کو بھی چند ایک دوستوں کی شادیوں میں شریک ہونے کے مواقع نصیب ہوتے رہے ہیں۔ اور راقم نے بہت سے سہرا جات سپردِ قلم کیے ہیں جن میں اکثر صفتِ توشیخ میں ہیں۔ جن کا مجموعہ بغرضِ یادگار درج کیا جاتا ہے۔

احقر
نیرنگؔ۔ پشاور
(16-03-1942)

باندھنا سر پہ مُبارک ہو سمن بر سہرا
کس قدر حُسن پہ ہے حَسن کا زیور سہرا

سامنے روئے مقدس کے گلِ تر سہرا
روئے زیبا ہے اگر تو مہِ اختر سہرا

نکہتِ گل سے ہوئی بزم مُعطّر یک دم
شب کے پردے میں ہوا ایسا معطّر سہرا

تارِ اُلفت میں پرویا ہے جو مالن نے اِسے
ناز و انداز کا ہو آج نہ کیوں کر سہرا

لوں کیوں کر ترے ہاتھوں کی بلائیں مالن
اِس قدر بیش بہا لائی بنا کر سہرا

اہلِ محفل سے خوشی کی جو صدائیں آئیں
کام دے جائے گا تحسیں کا سراسر سہرا

لائقِ اَوجِ کرامت ہوا ہر فردِ بشر
مانندِ خضر ہے اِس راہ کا رہبر سہرا

ساغرِ عیش کا پینا ہو مُبارک سب کو
آفریں اور ستائش کا ہے مظہر سہرا

ہو نہ کیوں محفلِ شادی میں بھی چرچا اِس کا
رسمِ شادی میں ہے جب ایک مقرر سہرا

گلِ مضمون میں پروئے گئے ایسے گوہر
یاد ڈیرہ کو رہے گا یہ مُنوّر سہرا

لکھ کے لایا ہے ترے واسطے تیرا نیرنگؔ
غالبؔ و ذوقؔ کے سہروں کے برابر سہرا

***

(بسنت لعل سہگل.....کرشنا کماری)

واہ وا سر پہ ترے خوب سجایا سہرا
گلشنِ عیش کے پھولوں سے بنایا سہرا

اِس کی خوشبو سے معطّر ہے زمانہ سارا
مُشک و عنبر میں نہ شاید ہو بسایا سہرا

سامنے روئے مقدس کے خَجِل یہ کیوں ہے
رُخ روشن کی مگر تاب نہ لایا سہرا

دِل میں یاروں کے مُسرت کا ہے دریا اُمڈا
دیکھنے والوں کی آنکھوں میں سمایا سہرا

یہ ہے سہرا کہ ہے گلہائے بسنتی کی بہار
رنگ اِک اور نیا آج ہے لایا سہرا

واصلِ شب کا اِسے آج پیمبر کہیے
رازِ سر بستہ کو وا کرنے جو آیا سہرا

(واسدیو)

چہچہا کر جو سُناتی تھیں عنادِل سہرا
دِلِ بے تاب سُنا دے سرِ محفل سہرا

یمن و برکت کا ہے چہرے کے مقابل سہرا
نوجوانی کے سمندر کا ہے ساحل سہرا

تابشِ حُسن وہ ہے آج کہ دیکھا نہ سُنا
بزمِ عشرت میں ہوا نور کی مشعل سہرا

نکہتِ گُل سے ہوئی بزم مُعطر اتنی
اِک طرف مُشکِ ختن اُس کے مقابل سہرا

اہلِ محفل سے خوشی کی جو صدائیں آئیں
اِن کی خوشیوں میں ہُوا آن کے شامل سہرا

ناز و انداز میں دیکھو ذرا سہرے کی بہار
ایسے نوشہ کے لیے تھا یہی قابل سہرا

نیک بختی رہے جوڑے پہ سدا سایہ فگن
مطلعِ بخت پہ چمکے مہِ کامل سہرا

دیکھوں اُستاد ہیں اے حضرت نیرنگؔ اُس کو
گرچہ کہہ دے کوئی سہرے کے مقابل سہرا

***

(چیتن آنند)

طلائی تار میں گوندھا گیا جب خوش نما سہرا
کہا بے ساختہ ہر برگِ گُل نے مرحبا سہرا

وصالِ شب کا ہے یہ ارمغانِ پُر بہا سہرا
زہے قسمت کہ سر پہ آپ کے آکر چڑھا سہرا

طریقِ عینِ برکت سے شمیمِ گُلِ راحت سے
فنونِ رازِ حکمت سے ہے شاید آشنا سہرا

اِسی کے کیف زا پھولوں سے اِک عالمِ مُعطر ہے
ہے دُنیا بھر کے سہروں سے نرالا دِلکشا سہرا

رفیقِ دوستاں ہوکر، بہارِ بوستاں ہوکر
تجھی پر گُل فشاں ہو کر کہیں سے آگیا سہرا

الٰہی تا اَبد دولہا دلہن ہوں شاد دُنیا میں
میّسر کامرانی سے تجھے ہو دِل رُبا سہرا

مُبارک رام و ریمل کو مُبارک اہلِ محفل کو
نویدِ شوق سے ہے آج نیرنگؔ کی دُعا سہرا

***

(طوطارام)

جلوۂ حسنِ حقیقی کی کرن ہے سہرا
واہ جسونت ترا رشکِ چمن ہے سہرا

واہ کیا خوب تری بزمِ مُعطر رتّنی
بوفشانی میں مگر مشکِ ختن ہے سہرا

ساغرِ عیش پُر از بادہ کہن ہے سہرا
تابشِ حُسن میں یا لعلِ یمن ہے سہرا

ناز و انداز کیا چہرے پہ ہے سہرے کی بہار
شمع چہرے کو جو کہیے تو گگن ہے سہرا

تارِ اُلفت میں ہے پھولوں کو پرویا باہم
مجمعِ نرگس و گل اور سمن ہے سہرا

رونقِ بزمِ حسیناں ہے اِسی کے دم سے
دولہا دلہن کے لیے ایک رسن ہے سہرا

اِس کی تعریف کریں گے وہ جو ہیں قدرِ شناس
ایسے انداز سے لکھنے کا بھی فن ہے سہرا

مجھ کو منظور تھی نیرنگؔ جو نرنجنؔ کی خوشی
اس لیے وصفِ زباں سوئے سخن ہے سہرا

***

(جسونت رام)

مرحبا مرجعِ انوار سَراسَر سہرا
نورِ خورشید سے ہے آج منور سہرا

کس کی شادی کے ہیں اسبابِ بہشت منظر
کون ہے سر پہ جو باندھے گا مُعطر سہرا

نقرئی تار میں گلہائے بہاری کی بہار
دیکھ کر آپ ہوا آپے سے باہر سہرا

دِل رُبائی میں ہے یہ سارے جہاں سے افضل
ماہ چہرے کو جو کہیے تو ہے اختر سہرا

لالہ و گُل میں کہاں تاب کہ ہمسر ہوں ہو ترے
تانہ ہوں تار میں مل کر وہ سراسر سہرا

اَے خدا باغ محبّت ہو سدا پھولا پھلا
بخت و اقبال کا ہو تیرے پیمبر سہرا

لائے ہیں نذرِ گرامی کو یہ تحفہ نیرنگؔ
دُرِ مکنوں سے سوا آج بناکر سہرا

***

(مُکند لعل)

دیدۂ نرگس و رُخسارِ گُلِ تر سہرا
باغِ عالم کے حَسینوں سے حَسیں تر سہرا

یمن و برکت کا بندھا آج ترے سر سہرا
مایۂ ناز چمن ہے یہ مُعطر سہرا

ناز کر اپنی لطافت پہ نہ اے موجِ نسیم
تونے دیکھا ہے کہیں اِس سے بھی خوش تر سہرا

آج وہ دِن ہے گُل و گوہر و اختر از خود
پاس نوشہ کے چلے آئے ہیں بن کر سہرا

نغمۂ حُسن سے معمور ہے بزمِ عشرت
ساقیِ عیش کی محفل کا ہے ساغر سہرا

اِک طرف روئے منوّر ہے کہ اللہ اللہ
اِک طرف روئے مُنوّر سے مُنوّر سہرا

تھام لو گوشۂ دِل ہاتھ سے اہلِ محفل
کہ لیے آتا ہے فردوس سے اندر سہرا

بزمِ یاراں میں سُنا آج وہ حضرت نیرنگؔ
مُدتوں یاد رکھیں اہلِ پشاور سہرا

***

(دِینا ناتھ)

جبینِ شوق پہ ہوتا ہے جلوہ گر سہرا
ریاضِ حُسن پہ پھولا ہے کس قدر سہرا

گلوئے شوخ کی زینت ہے خاص کر سہرا
امینِ حُسن پہ رکھتا ہے کیا نظر سہرا

دِل و دماغ پہ ہیں عطر باریاں اِس کی
جلیس و ہمدم و مونس ہے کیا مگر سہرا

یہی تو مایۂ طرب و سرور ہے دِل کا
کمالِ حسن پہ ہے حسن کی خبر سہرا

شمیمِ گُل نے سر بزم یوں صدا دے دی
میانِ بزم ضیا ریز ہے قمر سہرا

چمن میں اِس لیے فصلِ بہار آئی ہے
اِسی کے پھولوں کا تحفہ ہوتا نذر سہرا

نکل رہی ہے دُعا ہر بشر کے زیرِ لبی
رہے شباب پہ دائم یہ عمر بھر سہرا

رہے گا یاد زمانے کو حضرتِ نیرنگؔ
جو لائے باغِ سخن سے ہو مختصر سہرا

***

(جگدیش چندر.....راج کماری)

لوحِ تقدیر کو جَلوت میں جو بھایا سہرا
دستِ قدرت نے بصد شان سجایا سہرا

چھپ کے قرطاس کی زینت میں جو آیا سہرا
دیکھا آنکھوں سے تو چھاتی سے لگایا سہرا

مقتدا عیش سراسر جوبن آیا سہرا
ہر گُلِ نو بھی یہاں دیکھنے آیا سہرا

یہ ترا روئے مُنوّر ہے کہ اللہ اللہ
بن کے پردہ رُخِ انور پہ ہے چھایا سہرا

ناز ہے گُل کو چمن میں بھی خُدا کی قدرت
اِس سے بڑھ کر نہ کسی نے ہے بنایا سہرا

راحتِ جاں ہے پھبن جلوہ فروغ دیدہ
ہے اداؤں نے تری دِل کو لبھایا سہرا

اِس کی خوشبو سے معطر ہیں گلی کوچے سب
مُشک و عنبر میں نہ شاید ہو بسایا سہرا

عیش و راحت کی گھڑی تجھ کو مُبارک لچھمن
ٹیک چند اور منوہر کو سنایا سہرا

نکہتِ گُل جو بہن پھولی سماتی گُل میں
اِس طرح جامے میں پھولا نہ سمایا سہرا

***

(لچھمن نرائن)

(جناب نصیر احمد صاحب صدیقی ایڈیٹر اخبار ''انجام''
روزانہ پشاور کی فرمایش پر جناب مسعود انور شفیق صاحب کی شادی پر
10/جولائی 1958ء کو پشاور ارسال کیا گیا۔)

جزاک اللہ رُخِ انور پہ ہے گوہر فشاں سہرا
اُمڈتا آرہا ہے دیکھنے کو اِک جہاں سہرا

ملا ہے خوبیِ قسمت سے تجھ کو ارمغاں سہرا
تِری بیتابی و فرقت کی ہے اِک داستاں سہرا

ہوئے احباب تیرے دیکھ کر سب شادماں سہرا
کہ گاتا ہے گلی کوچے میں ہر پیر و جواں سہرا

جوانی کے سمندر میں یہ موجوں کا تلاطم ہے
جسے کہتی ہے دُنیا آرزوں کا نشاں سہرا

خُدا محفوظ رکھے تجھ کو نظرِ بد سے اے اَنور
رُخ روشن کو کہیے ماہ تو ہے کہکشاں سہرا

رُخِ تاباں کے آگے ماند ہے سہرے کی تابانی
لہٰذا بن گیا چہرے کے آگے سائباں سہرا

مجھے ڈر ہے کہیں تری کمر ٹیڑھی نہ ہو جائے
اِدھر ہے بار زلفوں کا اُدھر بارِ گراں سہرا

مَیں لکھتا ہوں کبھی خوشنودیٔ احباب کی خاطر
جہاں رہتا ہوں میں کوئی نہیں ہے قدرداں سہرا

بحمد اللہ شفیقیؔ نے بھی شفقت کی نظر کی ہے
وگرنہ جانتے ہیں سب کہاں میں ہوں کہاں سہرا

بلاتا کاش کوئی مجھ کو پاکستان میں نیرنگؔ
سناتا محفلِ شادی میں خُود جاکر وہاں سہرا

***

آرزوئے شباب ہے سہرا
حُسن میں انتخاب ہے سہرا

رُوئے انور ہے چاند کا ٹکڑا
رُخ سے بڑھ کر جناب ہے سہرا

ہلکا ہلکا سرور ہے اِس میں
گویا جامِ شراب ہے سہرا

دیکھنے سے تمیز ہو نہ سکی
رُخ ترا یا گلاب ہے سہرا

ماہ چہرے کو گر کہے کوئی
ماہ پر اِک سحاب ہے سہرا

چشمِ بد سے تجھے بچانے کو
رُخ پہ تیرے نقاب ہے سہرا

نظر آیا نشاط کا عالم
صحنِ عشرت کا باب ہے سہرا

باغِ عالم میں ویدیوں پُھولے
جیسے سر پر جناب ہے سہرا

جلوہ افگن ہے وید کے سر پر
کتنا عزتِ مآب ہے سہرا

محوِ حیرت ہوں آج میں نیرنگؔ
کس قدر لاجواب ہے سہرا

***

(برموقعِ شادی خانہ آبادی
مسٹر ستیش سُنیجہ فرزند شری رام رنگ صاحب سنیجہ وصلی)

بزمِ نشاط

فصلِ بہار جلوہ نما ہے مرے لیے
عیش و نشاط آج سجا ہے مرے لیے

یارانِ دِل رُبا کی ادا ہے مرے لیے
کیسی نظر فریب فضا ہے مرے لیے

کانوں میں گونجتی ہے محبّت بھری صدا
ہر سو محیطِ فضل خُدا ہے مرے لیے

لائی ہے میرے واسطے پیغامِ آرزو
مقبول آج کتنی صبا ہے مرے لیے

کتنی ہیں اَوج پر مرے دل کی مسرتیں
گویا معیارِ عیش خُدا ہے مرے لیے

نیرنگؔ جو دِل سے میری مُبارک قبول ہو
اِس سے زیادہ فخر بھی کیا ہے مرے لیے

***

(13-02-1969)
(وپن سنیجہ)

پندِ دادنِ پدر بہ دُختر نیک اختر بوقت وداع از خانۂ پدر

وداع کا وقت ہوتا جارہا ہے
کلیجہ ہے کہ مُنہ کو آرہا ہے

وِداع کیوں کر کہوں اپنی زباں سے
میں بُلبُل کو نکالوں آشیاں سے

پرانا ہے مگر دستورِ دُنیا
وہ لازم ہے جو ہو منظورِ دُنیا

خوشی سے اپنے گھر کو ہو روانہ
رہے آباد تیرا آشیانہ

رہے گی فکر دائم تم کو گھر کی
رَضا مطلوب ہو ساس و سُسر کی

پتی کے حُکم کی تعمیل کرنا
یونہی تم عُمر کی تکمیل کرنا

نہیں کچھ خدمتِ شوہر سے بہتر
نصیحت ہے یہی زیور سے بہتر

نہ چھوڑو تم کبھی شرم و حیا کو
نہ بھولے سے کبھی بھولو خُدا کو

نصیحت کیا کروں میں جانِ مادر
ہیں پیدا تم میں جب کہ لاکھ جوہر

***

(02-09-1957)

فہرست

فارسی غزل

فارسی خط — نیرنگ سرحدی — 1055
نہ تحریرے پسند آید، نہ تقریرے پسند آید — 1059
بہر تیرے کہ بر قلبم بیاید مہماں دانم — 1062
شکوہِ گردشِ ایام کنم یا نہ کنم — 1065
چشم ہائے را آشکبار کنم — 1067
جانِ ضعیف را بتو شاہ درآورم — 1069

قطعاتِ فارسی

دانم متاعِ شعر و سخن ہم فضول نیست — 1072
نہ گنجِ مال و زر خواہم نہ شانِ قیصری خواہم — 1073
من بجامے شراب کردہ ام — 1074

بگرامی خدمت

التجائے مود بآنہ دارم کہ من از پشاور (شمال مغربی سرحدی صوبہ) نقلِ مکانی کردہ در ۱۹۴۷ء ہندوستان رسیدم وبہ پنجاب در قصبۂ ریواڑی (گوڑ گانوہ) قیام نمودم۔

در پشاور در محکمیئے کہ بزرگ ترین ادارۂ علمی وادبی بودہ معلم اُردو و فارسی بودم۔ من از گروہِ سُرخ پوشان کہ بانی ایں جماعت خان عبدالغفار خان معروف بہ جان بادشاہ اَست علاقہ داشتم۔ وتا ہنوز اعتقادِ تام از آں مردِ بزرگ ہم بدارم۔ زبانِ عجمی را خوب مے دانم۔ چنانچہ در امتحانِ منشی فاضل کہ بزرگ ترین امتحانِ فارسی بہ دارالفنون پنجاب اَست کامیاب شدہ ام۔ و ادیب عالم در زبان اُردو ازیں دارالفنون ہم کامیاب شدُم پیش ازیں در امتحان میٹرک از ہماں دارالفنون کامیاب گشتم ازیں نسبت دارائے نُہ زبان ہستم، زبانِ انگلیسی ہم خوب مے دانم۔

اولین در ریواڑی معلم فارسی واُردو بودم۔ ولے بعد از مدتے ایں ہر دو مضمون در مکاتبِ ایں جا خارج شدہ بہ تحصیلِ زبان پنجابی مجبور گشتم وامتحانِ را دادن برائے ایں مقصد کامیاب کردم۔ حالا بہ درس وتدرس پنجابی مشغولم۔

اکنوں بہ قیام ہریانہ می منبیم کہ پنجابی ہم در معرض خطر اَست ودور نیست کہ ایں ہم ازیں سرزمیں خارج بشود۔

یکے از دوستان و خیر اندیشانِ من مشورہ دادہ کہ رجوع بشما کنم و اہلیت و اِستحقاق خود را اظہار دادہ کہ خُدا بمن بخشیدہ اَست بوسیلہ آن در دولتِ ہند فارسی بکار

آید خدمتی جوئم وخدمتِ مُلکی وملّی را بجا آرم۔

توضیحی دارم کہ من آن را بخوبی سرانجام خواہم داد۔ بہتر شود کہ من کابل یا بہ ایران ہمراہ سفارت فرستادہ بشوم وازیں طور خدمتِ مادرِ وطن خود دولتِ عزیز ہند را موقع بیائیم۔

درقیام پشاور من دومرتبہ در ۱۹۴۱ء و۱۹۴۲ء با گروہ سیاحان ترجمان شدہ بکابل رفتہ واَں جائی رادیدہ وازمردمان آں جا گفتگو کردہ وتہذیب وتمدن انجارا آگاہ شدُم۔

علاوہ ازین من شاعر فارسی واُردوام۔ ودارائ مجموعہ تخلیقات ضخیم از دست نوشتہ ام کہ بوقتِ ضرورت آں نشان می دھم۔ بدبختانہ آں طبع نشدہ وحسرتِ این دردلم باقی اَست۔

ایں سطور راہمی نویسم واندیشہ می کنم کہ شفاعتی بجز خدا کہ وسیلۂ من بشود ندارم۔ نیز توضیحی دارم کہ مرا نزدِ خدمتِ عالیہ واَقدس خواندہ موقعی ملاقات خواہد شد داد۔

اگرچہ درعمرم نوجواں نیتم ولے صحت وتندرستی خوب بدارام۔ وایں پختہ سالگی من برائے کاری کہ درسفارت می جوئم مانع نباشد۔ البتہ فہم وفراست من سفارش گشتہ خُوبی تصور خواہد شد۔

عرض: خادمِ مُلک وملت
نیرنگ سرحدی
مرقومہ: 7/اکتبر 1967ء

نوٹ:- یہ معلوم نہ ہوسکا یہ خط کس کو لکھا تھا۔

(فارسی خط کا ترجمہ)

(نیرنگ سرحدی کا یہ خط فارسی میں ہے ہمیں معلوم نہیں
یہ کس کے نام لکھا گیا اور آیا یہ روانہ بھی کیا گیا؟)
(سید تقی عابدی)

جناب گرامی خدمت میں۔

آپ سے یہ مودبانہ عرض ہے کہ فدوی پشارو سے (شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے) 1947ء میں ہندوستان پہنچا اور پھر پنجاب کے قصبۂ ریواڑی (گوڑگانوہ) میں مقیم رہا۔ میں پشاور میں ایک بڑے محکمہ علمی اور ادبی میں اُردو اور فارسی کا معلّم تھا۔ میرا تعلق سُرخ پوشان گروہ سے تھا جس کے بانی خان عبدالغفار خان المعروف خان بادشاہ تھے جن کو میں پسند کرتا ہوں اور ابھی تک اُن پر اعتماد کامل رکھتا ہوں وہ بڑے عظیم انسان ہیں۔ میں فارسی زبان سے اچھی طرح واقف ہوں چناں چہ منشی فاضل امتحان میں، میں نے کامیابی حاصل کی، جو پنجاب حکومت کا معتبر فارسی امتحان تصوّر کیا جاتا ہے۔ میں نے اُردو میں بھی پنجاب سے، ادیب عالم، میں کامیابی حاصل کی اور ان امتحانات سے قبل پنجاب ہی سے میں نے میٹرک امتحان بھی پاس کیا۔ اس طرح سے میں (نو) زبانوں سے واقف ہوں، انگلش زبان سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔ پہلے ریواڑی میں فارسی اور اُردو کا ٹیچر تھا پھر جب یہ دونوں زبانیں نصاب سے خارج ہوئیں تو مجبور ہوکر پنجابی میں تحصیل کی اور پنجابی کے امتحان میں کامیاب ہوا اور آج کل پنجابی کی تدریس میں مشغول ہوں۔ آج کل میرا قیام ہریانہ میں ہے اور یہاں پنجابی کو بھی خطرہ ہے اور شاید یہ بھی نصاب سے خارج کردی جائے۔

میرے ایک دوست نے مشورہ دیا کہ آپ کی خدمت میں مراجعہ کروں اور اپنی جواہلیت اور استطاعت ہے اس کو آپ کے سامنے پیش کروں جس کو خدا نے مجھے نوازا ہے اور اس طرح سے فارسی کی مدد سے ہندوستان کی حکومت کی خدمت کروں۔ میں مطمئن ہوں اس وظیفہ کو اچھی طرح سے انجام دے سکوں گا۔ یہ بہتر ہوگا کہ مجھے کابل یا ایران میں سفارت کے کارکنوں کے ساتھ بھیجا جائے اور مجھے عزیز وطن کی خدمت کا موقع فراہم کیا جائے۔

جب میں پشاور میں تھا دو مرتبہ 1941ء اور 1942ء میں گائیڈ بن کر مسافروں کے ساتھ کابل گیا تھا۔ وہاں کے بہت مقامات کو میں نے دیکھا ہے لوگوں سے بات چیت کی ہے اور ان کے کلچر سے اچھی طرح واقف ہوں۔

اس کے علاوہ میں فارسی اور اُردو کا شاعر بھی ہوں اور بڑے شاعری کے دفتر جو خود میں نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں آپ اگر چاہیں تو دکھا سکتا ہوں ابھی تک یہ میری بدبختی ہے کہ وہ زیور طباعت سے مزین نہیں ہوئے اور اس کی حسرت میرے دل میں باقی ہے۔

ان سطور کو یونہی لکھ رہا ہوں اور میں جانتا ہوں خدا کے علاوہ کوئی نہیں ہے جو میری سفارش کر سکے۔ اگر موقع فراہم ہو تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر ملاقات کا شرف حاصل کروں۔ اگر چہ میں جوان نہیں ہوں مگر میری صحت اچھی ہے اور یہ عمر کی پختگی میرے سفارت کے کاموں میں مانع نہیں ہوگی بلکہ میری سوچ تجربہ اور عملی کار کردگی میرے کام کرنے کی اچھی سفارش اور دلیل بھی بن سکتی ہے۔

درخواست گزار

خادم ملک اور ملّت

نیرنگ سرحدی

(7/اکتوبر 1967ء)

نہ تحریرے پسند آید، نہ تقریرے پسند آید
کہ دُنیا را بہ از تقدیر، تدبیرے پسند آید

ترجمہ : نہ کوئی تحریر پسند آئی اور نہ کوئی تقریر پسند آئی
دُنیا والوں کو تقدیر سے بہتر تدبیر پسند آئی

من آنم اِشتیاق دِیدنِ زلفت ہمی دارم
اَسیرے را درایں زندان زنجیرے پسند آید

ترجمہ : میں تری زلف کو دیکھنے کا صرف شوق رکھتا ہوں
اس قیدی کو زندان میں صرف زنجیر پسند ہے

شوم چُوں قتل اَز دستت مریزی آب در حلقم
شہیدے را بہ مقتل آبِ شمشیرے پسند آید

ترجمہ : جب ترے ہاتھ سے قتل ہوں تو پھر میرے حلق میں پانی نہ ڈال
تیرے شہید کو قتل گاہ میں تلوار کا پانی پسند ہے

مرا پند و نصیحت را نشاید حضرتِ ناصح
گناہگارم، گُنہ گارے را تقصیرے پسند آید

ترجمہ : حضرت ناصح مجھے واعظ اور نصیحت مت کرو
میں گناہ گارہوں اور گناہ گار کو غلط کام کرنا پسندہے

اگر خواہی بد امت مرغِ دل را مُبتلا سازم
شنیدہ ام کہ صیادے را نخچیرے پسند آید

ترجمہ : اگرتو چاہےتو اپنے مرغِ دل کو تیرے پھندے میں گرفتار کردوں
میں نے سنا ہے شکاری کو شکار پسند ہوتا ہے

بجویَم محفلے درآں فراوانیٔ غم باشد
بوقتِ رنج دِلگیرے بہ دِلگیرے پسند آید

ترجمہ : میں ایسی محفل کی تلاش میں ہوں جہاں غم کی شدت ہو
کیوں کہ رنج وغم میں ایک غمگین کو دوسرا غمگین پسند آتا ہے

بخواہم در بیا بانے برفتہ مسکنے سازم
نباشد کز در و دیوار تعمیرے پسند آید

ترجمہ : چاہتا ہوں کہ صحرا کو اپنا گھر بنالوں
مجھے دیوار اور دروازے والی عمارت نہیں پسند

دِل نیرنگؔ نگشتہ مائلِ رنگینیِ عالم
نہ دارد احتیاجِ رنگ، تصویرے پسند آید

ترجمہ : نیرنگؔ کا دل دُنیا کی رنگینی کی طرف مایل نہیں
اگر تصویر پسند ہو تو پھر اس میں رنگ بھرنے کی ضرورت نہیں

***

بہر تیرے کہ بَرقلبم بیاید مہماں دانم
وہر دردی کہ پیدا می شود آں ارمغاں دانم

ترجمہ : ہر تیر جو میرے دل پر لگے میں اُسے مہمان سمجھتا ہوں
ہر درد جو مجھے ملتا ہے اُس کو تحفہ سمجھتا ہوں

مرا حاجت نبا شد ایں کہ طرح آشیاں ریزم
بہر جائے کہ شب گُزرد ہماں را آشیاں دانم

ترجمہ : مجھے آشیاں بنانے کی ضرورت نہیں ہے
ہر جگہ جہاں رات بسر ہو جائے وہی میرا گھر ہے

گُمانم ہست در صحنِ چمن فصلِ بہار آمد
بہارے را کہ ہم دل خُوش نمے باشد خزاں دانم

ترجمہ : یہ وہم ہے کہ چمن میں بہار آئی ہے
وہ بہار جس میں دل خوش نہیں میں خزاں سمجھتا ہوں

مرا حاصل شُدہ آں غم کہ چیزے خُوش نمی آید
تعجب اینکہ ہم صوتِ مغنی را فغاں دانم

ترجمہ : مجھے وہ غم ملا ہے کہ کوئی خوشی نہیں رہی
تعجب یہ ہے کہ موسیقار کے نغمے کو بھی غم کی چیخ سمجھتا ہوں

زمینِ وسعتِ عالم بہ سینہ ام نمے گُنجد
بہر خاکے نگاھی می کُنم ہندوستاں دانم

ترجمہ : تمام دُنیا کی زمین سینے میں نہیں سمائیں
میں جس زمین کو بھی دیکھتا ہوں مجھے ہندوستاں نظر آتا ہے

غُلامش می شوم ہر کہ مرا لُطفِ زباں آرد
چُنیں دُشمن اگر پیشم بیاید مہرباں دانم

ترجمہ : میں ہر اُس شخص کا غلام ہوں جو مجھے زبان کا لطف دکھائے
اگر وہ دشمن بھی ہے سامنے آئے تو میں اُس سے مہربانی کروں گا

شوم خوشنود از آں کارے کہ از دستم بانجامد
و احسانے اگر ہم اَند کے باشد گراں دانم

ترجمہ : میں جو کام اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں اس سے خوش رہتا ہوں
اور اگر کوئی دوسرے احسان بھی کرے تو میرے لیے وہ گراں ہے

چرا در محفل اہلِ زباں نآلم کہ من نیرنگؔ
زباں دانم، سخن دانم و اندازِ بیاں دانم

ترجمہ : کیوں اہل زبان کی محفلوں میں نیرنگؔ فریاد کرتا رہتا ہے کہ میں زبان داں ہوں، سخن داں ہوں اور میں طرز بیان جانتا ہوں

***

(25-05-1968)

شکوہِ گردشِ ایّام کُنم یا نہ کُنم
ساقیا! ذِکرِ مَے و جام کُنم یا نہ کُنم

ترجمہ : گردشِ ایام کی شکایت کروں یا نہ کروں
ساقی ساغر اور شراب کا تذکرہ کروں یا نہ کروں

دام گیسوئے سیہ فام نگارے بینم
خواہشِ رُستن زیں دام کُنم یا نہ کُنم

ترجمہ : کالے کاکل کے جال کو پھیلا ہوا دیکھ رہا ہوں
اس پھندے میں پھنسے کی خواہش کروں یا نہ کروں

زخم تازہ برسد از غمِ جاناں بردِل
سجدۂ شکر بہرگام کُنم یا نہ کُنم

ترجمہ : میرے دل پر معشوق کے غم سے تازہ زخم لگا ہے
اس کا ہر قدم پر شکر کا سجدہ کروں یا نہ کروں

گر کسے حال ز آزردگی من پُرسد
تذکرۂ دلِ ناکام کُنم یا نہ کُنم

ترجمہ : اگر کوئی میری رنجیدگی کا حال پوچھے
ناکام دل کا ذکر کروں یا نہ کروں

مے بُرندم سوئے تربُت کہ بیابم تسکین
خبرنے آنجاہم آرام کُنم یا نہ کُنم

ترجمہ : قبر میں شراب لے جارہا ہوں تاکہ تسکین ہو
لیکن اس کی اطلاع نہیں ہے کہ وہ آرام دے یا نہیں

من کہ ہر کار بہ تقدیر سپردم لیکن
تکیہ برکارِ صُبح و شام کُنم یا نہ کُنم

ترجمہ : میں تو اپنے ہر کام کو تقدیر کے حوالے کرچکا ہوں
اب بھروسا صبح اور شام پر کروں یا نہ کروں

بگذشتم زکوئے یار قضا را نیرنگؔ
نگہ ھی سوئے در و بام کُنم یا نہ کُنم

ترجمہ : یار کے کوچے کو نیرنگؔ قسمت پر چھوڑا ہے
کیا اب اس کے در اور چھت پر نگاہ کروں یا نہ کروں

(06-06-1968) ***

چشم ہائے را آشکبار کُنم
دردِ دِل را ہم آشکار کُنم
ترجمہ : آنکھوں کو آنسوؤں سے بھرلوں گا
دل کے درد کو ظاہر کردوں گا

جامۂ زیست تار تار کُنم
تا بہ کے اِنتظارِ یار کُنم
ترجمہ : اپنی زندگی کے پرہن کو تار تار کرلوں گا
کب تک یار کا انتظار کروں گا

ہر گناہی را اشتہار کُنم
حُسنِ رحمت را شرمسار کُنم
ترجمہ : ہر گناہ کو زیادہ کرکے
رحمت کے حُسن کو شرمندہ کروں گا

یافتم لذّتے از آں عشقت
ایں گناہی را بار بار کُنم

ترجمہ : میں نے تیرے عشق سے لذت لی ہے
اس لیے یہ گناہ بار بار کررہا ہوں

زخم ہائے دِلم شگفتہ اَست
مَن چرا خواہشِ بہار کُنم

ترجمہ : میرے دل کے زخم تازہ ہیں
پھر کیوں بہار کی خواہش کروں

مَن ندانم چرا کُنم سجدہ
جان و دِل را بتو نِثار کُنم

ترجمہ : مجھے نہیں معلوم کیوں سجدہ کروں
میں تو اپنی جان اور دل تجھ پر قربان کرتا ہوں

دوستاں راچہ ذِکر اے نیرنگؔ
برعدُوے ہم اعتبار کُنم

ترجمہ : دوستوں کا نیرنگؔ کیا ذکر ہے
میں تو دشمنوں پر بھی اعتبار کرتا ہوں

(10-06-1968) ***

جانِ ضعیف را بتو شاہ در آورم
اَز ہستی ات سوغاتِ گناہ در آورم

ترجمہ : اے شاہ میری کمزور جان تجھ پر نثار
میں نے تری ہستی کے سامنے گناہ کے تحفے لائے

اے دوستاں ز روئے من چادر مبر کشید
دَر دامن اِیں روئے سیاہ در آورم

ترجمہ : میرے دوستو میرے چہرے سے چادر مت کھینچو
کیوں کہ میرا سیاہ چہرہ نمایاں ہو جائے گا

باشد کہ آں بہشت را ہم آتشے زند
پوشیدہ در دلم چنیں آہ در آورم

ترجمہ : اُس جنت کو بھی آگ لگادوں
اس طرح سے درد سے بھری آہ اگر کھینچوں

برحالِ ایں غریب نگاہِ کرم بکُن
نیک و بدِ خُودم بہ نگاہ در آورم

ترجمہ : اس غریب پر کرم کی نظر ڈال
میں نے نیکی اور بدی نظروں کے سامنے رکھ دی

بادہ را ایں قدر نگو بد شیخ محترم
باشد کہ مے کدہ ترا گاہ در آورم

ترجمہ : اے شیخ محترم شراب کو اس قدر خراب نہ کہہ
مے خانے میں تمہارا گاہی گزر رہتا ہے

از بے رُخی گُل رخاں غمگیں چرا شوم
شاید کہ در دِل شاں راہ در آورم

ترجمہ : پھولوں جیسے چہروں کی بے رخی سے کیوں غم زدہ رہوں
شاید ان کے دل میں میرے لیے راستہ ہو

از تشنگی بہ چاہ زنخداں ہمے روم
دیوانہ ام کہ خود را بہ چاہ در آورم

ترجمہ : پیاس کی شدت سے چاہ زنخداں کی طرف جارہا ہوں
میں دیوانہ ہوں شاید خود کو کنویں میں ڈال دوں

از ذوقِ دِل کلام بگویم بفارسی
ورنہ کیم کہ خود را بجاہ در آورم

ترجمہ : میں دل کے ذوق سے فارسی شعر کہتا ہوں
ورنہ میری کیا حیثیت کہ میں یہ عظیم کام کروں

چوں من شوم بہ محفلے نیرنگؔ سخن طراز
ہم از دہانِ مُردگان واہ در آورم

ترجمہ : نیرنگؔ جب کسی محفل میں شعر سناتا ہے تو
قدیم اساتذہ یعنی مردوں کے منہ سے تحسین و آفرین
حاصل کرلیتا ہوں اور واہ واہ کروا لیتا ہوں

***

(18-06-1968)

قطعاتِ فارسی

دانم مَتاعِ شعر و سخن ہم فضول نیست
در مجلس، ناقدرداں، رفتن اُصول نیست
خواہی زباں دراز ہم آنچہ مرا بگو
توہینِ شاعری مرا ہرگز قبول نیست

ترجمہ : میں جانتا ہوں شعر و سخن کی دولت معمولی چیز نہیں۔ اسی لیے ناقدروں کی محفل میں ہمارے جانے کا قاعدہ نہیں۔ آپ جو چاہیں زبان درازی مجھے کہیں لیکن شاعری کی توہین میں برداشت نہیں کر سکتا۔

(25-05-1968)

نہ گنجِ مال و زر خواہم نہ شانِ قیصری خواہم
نہ جاہ و حشمتِ دُنیا نہ برکس برتری خواہم
بفضل خویش اَز لطفِ وکرم برمن نگاہی کُن
الٰہی! اَز درت نقدِ مَتاعِ شاعری خواہم

ترجمہ : نہ تو مجھے سونے اور گراں اشیا کا خزانہ چاہیے اور نہ روم کی بادشاہیت۔ نہ مجھے دُنیا کی عزت اور فخر اور نہ کسی پر برتری چاہیے۔ تو مجھ پر اپنے فضل و کرم کی نظر عنایت کردے۔ میرے مالک تیرے در واے سے سچی شاعری کی دولت چاہتا ہوں۔

***

(26-06-1968)

من بجا مے شراب کردہ اَم
اِحترامِ شباب کردہ اَم
دوستانم اَما ہمیں دانند
زِندگی را خراب کردہ اَم

ترجمہ : میں نے شراب سے ساغر بھرلیا اس طرح جوانی کا بھرم رکھ لیا لیکن میرے دوستوں کو یہی معلوم ہے کہ میں نے زندگی خراب کرلی ہے۔

(10-06-1968)

فہرست

نثری کلام

مکان	1077
ڈاک خانہ	1082
کانٹا	1088
دیوان ساون مل کا دربار (ڈرامہ)	1092

مکان

میرے آبا و اجداد کا اپنا کوئی مکان نہیں تھا۔ سیکڑوں برسوں سے ہم کرائے کے مکان میں گزارہ کرتے چلے آرہے تھے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کوئی مکان خرید نہیں سکتے تھے۔ بلکہ اِس لیے کہ کرایہ کا مکان اپنی مرضی سے تبدیل کیا جاسکتا ہے اور نئے مکان میں نیا لطف حاصل ہوتا ہے۔ سابقہ زمانے میں مکانوں کی کوئی قلت نہیں تھی۔ سستے کرائے پر اچھے سے اچھا مکان بآسانی مِل جاتا تھا۔ جب چاہا چھوڑ دیا جہاں چاہا اُور لے لیا اور اگر پڑوسیوں سے گزارہ نہ ہوسکا تو پہلے مکان کو خیر باد کہہ کر دوسرے مکان میں رہائش پذیر ہوگئے۔

جُوں جُوں زمانہ گزرتا گیا۔ مکانوں کی قلت ہوتی گئی۔ چار و ناچار اُس پرانے مکان میں زندگی بسر کرنا پڑتی۔ بلکہ بعض اوقات تو مالک مکان اپنی ضروریات کے لیے بھی خالی کروانا چاہتا تو کرائے دار اُٹھنے کا نام نہ لیتے۔ یہاں تک کہ سرکارِ انگلشیہ نے مکانوں سے متعلق ایک قانون بنادیا کہ کوئی بھی مالک مکان جب تک اُسے کرایہ باقاعدہ وصول ہورہا ہے۔ اپنی ضروریات کا بہانہ کرکے کرایہ دار سے مکان خالی کرانے کا مجاز نہیں۔

ہم مدت سے ایک مکان میں رہ رہے تھے۔ مکان ایک تنگ و تاریک کونے میں آباد تھا۔ صرف دو کمرے اور ایک چھوٹی سی بیٹھک۔ مجھ پر کچھ نئے زمانے کا رنگ چڑھ چکا تھا۔ سوچتا تھا کہ مکان میں کم از کم تین سجے ہوئے کمرے، ایک باورچی خانہ، اور ایک غسل خانہ الگ اور ساتھ ہی ایک ڈارئینگ جس میں احباب اور اقارب کے

ساتھ بیٹھ کر حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کیا جا سکے یا کچھ سیاست کے متعلق سوچا جا سکے۔ اور چائے وغیرہ بھی وہیں پینے کو ملے۔ کمرے میں تین چار کرسیاں اور دو میزیں ضرور موجود ہوں۔ اِس لیے موجودہ مکان ہماری ضروریات کے لیے کافی نہیں تھا۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ گھر میں ملنے کے لیے درچار مستورات تشریف لاتیں تو بندہ کو گھنٹوں گھر سے باہر رہنا پڑتا۔ کئی بار آ کر پوچھتا کیوں جی! ابھی تک صاحبزادیاں ہیں یا واپس چلی گئی ہیں۔ اِسی کش مکش میں کئی بار تو پورا پورا دِن ضائع ہو جاتا اور اتوار کی چھٹی میں جو لطف ہونا چاہیے تھا۔ سارا مفقود ہو جاتا۔

آخر تنگ آ کر اپنا ذاتی مکان خریدنے کا ارادہ کر لیا۔ جس میں ضروریات کے مطابق کمرے ہوں۔ پانی اور ہوا کا بھی خاصہِ انتظام ہو۔ کئی دلالوں سے بات چیت کی متعدد مکان دیکھے گئے مگر کوئی پسند نہ آیا۔ اگر مجھے پسند آتا تو بیگم صاحبہ اُس میں کوئی نہ کوئی رخنہ نکال دیتیں کہ حضرت! محلّہ کے لوگ خراب ہیں۔ اِس کا صدر دروازہ مغرب کی جانب ہے۔ پانی بہت دور ہے، ہوا کم ہے وغیرہ وغیرہ۔

بہت جستجو کے بعد ایک نہایت صاف ستھرا مکان دیکھنے کو مِلا۔ جس میں متعدد کمرے ایک بالا خانہ اور اُس کے آگے چھجہ، چھجے کا رُخ بازار کی جانب، چھت پر کھڑا ہونے سے گھنٹہ گھر اور جامع مسجد صاف دِکھائی دیتے۔ تمام مکان شیشے کی طرح صاف، کمروں میں نئی نئی سفیدی اور سفیدی پر دلکش قسم کے کلینڈر اور بزرگانِ دین کی تصاویر آویزاں تھیں۔

بیگم صاحبہ جہاں پہلے مکانوں میں نُقص نکالنے کی عادی تھیں۔ اِس مکان کی خوبیوں پر ایک پر ایک مدلل اور بامعنی لیکچر دیا۔ غرضیکہ ہم دونوں نے مکان کو ہر لحاظ سے موزوں اور قابلِ رہائش پایا اور فیصلہ کیا کہ جلدی ہی اِسے خرید لیا جائے ورنہ کوئی اور لے لیگا۔

صاحبِ خانہ ایک نہایت سنجیدہ اور معقول بزرگ تھے۔ اُن سے مکان فروخت کرنے کی وجہ پوچھی۔ اُنھوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ ہم دونو

میاں بیوی خانۂ کعبہ کا حج کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اوّل تو کہ وہاں عرب میں ہی رہ جانے کا خیال ہے اور اگر واپس آ بھی گئے تو اپنے چھوٹے بھائی صاحب کے ساتھ اُن کے مکان میں رہ جائیں گے۔ سرِ دست رقم کی ضرورت ہے۔ ہم نے سوچا کہ مکان بِک جائے تو زندگی کا مقصد پورا ہو جائے۔

میں اُن کی یہ وجہ معقول جان کر خاموش ہو رہا۔ اور دِل میں خیال کیا کہ اگر ہم نے مکان کے خریدنے میں کچھ دیر کر دی تو دلال لوگ جو صرف پیسے کو دیکھتے ہیں کسی اور غرض مند کو دلا دیں گے اور ایسا اچھا مکان زندگی بھر ہاتھ نہ آئے گا۔

دوسرے روز مکان کی قیمت کا فیصلہ ہو گیا۔ بیع نامہ لِکھ لکھا کر تین چار روز میں رجسٹری بھی کرا لیا۔ صاحبِ خانہ نے نہایت دردمندانہ لہجے میں دُعا فرمائی اور مکان کا قبضہ ہمارے حوالے کر دیا۔ ہم نے اپنا سامان لا کر اُس میں سجا دیا۔ رشتہ داروں اور دوستوں کو بُلایا اور مکان دکھانے کی غرض سے ایک اچھی خاصی دعوت بھی دِی۔ یار لوگوں نے بھی مکان کی دِل کھول کر تعریف کی۔ ایک شاعر دوست نے تو اِس مکان کی توصیف میں ایک طویل قصیدہ فرمایا۔

ہم نے بھی دِل میں سوچا کہ مکان جہاں اتنی خوبیوں کا حامِل ہے وہاں سستا بھی ہے۔ اگر مولانا عنایت اللہ مدظلہ حج کو تشریف نہ لے جاتے، تو یہ مکان کا ہے کو ملنا تھا۔ سچ ہے خدا جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔ خدا ان کا حج قُبول فرمائے۔ کچھ دِنوں تک دیکھنے والوں کا تانا بانا بندھا رہا۔ اور سب نے اپنے فہم اور مذاق کے مطابق مکان کی تعریف کی اور کسی ایک نے بھی نہ کہا کہ مکان میں کوئی کمی ہے، ہم اپنی قسمت پر شاداں تھے۔ اب میں گھر میں اکثر موجود رہتا اور باہر کم نکلتا۔ دوستوں کو شکایت کا موقع مِلا۔ کسی نے طعنہ دیا کہ مکان کیا لیا۔ اِس کی محبّت میں قید ہو گئے۔

(۲)

سردیاں آرام سے گزر گئیں۔ گرمی کا آغاز ہوا۔ بادِ بہاری کے جھونکے عجب لُطف پیدا کرنے لگے۔ جس کمرے میں چاہتے، بیٹھتے لُطف ہرگز کم نہ ہوتا۔ کہاں

پہلے مکان میں کہ پنکھا ہاتھ سے چھوٹتا نہ تھا کہاں اب کہ پنکھا خریدنے کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوئی۔

جون کے مہینے میں برسات کا آغاز ہوا۔ پہلے ہی روز معلوم ہوگیا کہ اِس کی چھتیں کمزور ہیں۔ تمام اطراف سے پانی بہنے لگا۔ ہم دونو میاں بیوی بالٹیاں ہاتھ میں لے کر پانی باہر نکالتے۔ مگر جتنا باہر نکالتے اُس سے کئی گُنا اور زیادہ بھر جاتا۔ یہاں تک کہ ایک رات ایسی زور کی بارش ہوئی کہ ہم کھانا بھی نہ کھا سکے۔ بالٹیوں سے پانی بھر بھر کر باہر نکالنے میں مشغول رہے۔ جب دیکھا کہ اِسی آفتِ آسمانی کا مقابلہ کرنا ایک معمول اِنسان کا کام نہیں تو برضا و رغبت دبک کر ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ بیگم صاحبہ تو میاں عنایت اللہ خان صاحب کو گالیاں دینے اور کوسنے لگیں۔ میں نے کہا محترمہ! ایک حاجی کے لیے تو دُعائے خیر کرنا چاہیے۔ اِن گالیوں کا گناہ تو ہم کو ہوگا۔ فرمانے لگیں کہ اِس مردود نے جان بوجھ کر مکان ہمارے گلے ڈالا ہے ورنہ حج تو ایک بہانہ تھا۔ اب بھی کہیں نہ کہیں آوارہ گھومتا ہوگا۔ اور ہمارے کو حالات کو جان کر خوش ہوتا ہوگا۔

میں نے دِل ہی دِل میں تو بیگم صاحبہ کی باتوں کی تصدیق کی مگر اوپری زبان سے کہا کہ اُس نے کوئی زبردستی ہم کو تھوڑا دیا ہے۔ ہم نے خود پسند کیا ہے ہم بھی برسات ختم ہوتے ہی اِس کو فروخت کر دیں گے۔ اور پہلے کی طرح کرائے کے مکان کا مزا لیں گے۔ خُدا خُدا کر کے برسات ختم ہوئی۔ یہ نہ پوچھئے کہ کیوں کر بسر ہوئی اور ہمیں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

بہرحال برسات ختم ہوتے ہی نئے سر سے مکان کے تمام کمروں کو سفیدی کرائی۔ دیواروں سے پانی کی لکریں مٹائیں۔ کلینڈر اور بزرگانِ دین کی تصاویر آویزاں کیں سامان کو نئے طریقے سے سجایا۔ اور دلالوں سے مکان کے فروخت کرنے کی بات چیت شروع کر دی۔

(۳)

ایک دن ایک خوش پوش نوجوان اپنے دو بچوں اور بیگم کو ہمراہ لے کر آیا۔ اور

سہمی ہوئی آواز میں بولا سُنا ہے کہ آپ اِس مکان کو بیچنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے جواب دیا، دل تو نہیں کرتا۔ مگر مجبوری ہے حج کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ اوّل تو وہیں عرب میں ہی رہائش پذیر ہو جائیں گے اور اگر واپس آئے بھی تو اپنے چھوٹے بھائی صاحب کے مکان میں قیام کرلیں گے۔

نوجوان کو ہماری مجبوریوں کا پورا پورا اِحساس ہوگیا۔ مکان کا سودا بنانے کے لیے ہم نے رقم بھی زیادہ نہ مانگی۔ ہماری بتائی ہوئی قیمت نوجوان کو پسند آگئی۔ بیع نامہ لکھا گیا اور تیں چار روز میں رجسٹری بھی ہوگیا۔

میں نے دردمندانہ لہجے میں نووارد صاحبِ خانہ کے حق میں دُعا کی اور قبضہ میاں ظہیر حسن کے حوالے کیا۔ اور آپ شہر سے دور ایک مکان کرایہ کا لے کر جا ٹھہرے۔ اور خُدا کا شکر کیا۔ بیگم صاحبہ نے پوچھا کہ وہ بیچارے برسات میں کیسے گزارہ کریں گے۔ میں نے چھوٹتے ہی جواب دیا۔ کہ وہ بھی برسات ختم ہوتے ہی ہماری طرح حج کو چلے جائیں گے۔

ڈاک خانہ

میں اپنی پاس بک ہاتھ میں لیے دلّی کے سب سے بڑے ڈاک خانے میں پہنچا۔ ایک اجنبی صورت مفلوک الحال، غریب الوطن جس کی نہ کوئی جان نہ پہچان۔ اتنے بڑے ڈاک خانے کو دیکھ کر جس میں سیکڑوں بابو کام کر رہے تھے۔ حیران و ششدر رہ گیا۔ میرے لیے یہ اندازہ کرنا کہ اِس دفتر کا سب سے اعلیٰ افسر کون ہے۔ جس کے روبرو جا کر سلام کر کے مدعا بیان کیا جائے۔ مشکل تھا تقریباً دس منٹ تک دروازے پر کھڑا رہنے کے بعد اچانک ایک عمر رسیدہ، نورانی چہرہ، گورا رنگ اکیلا سامنے کی میز پر نظر آیا۔ میز پر کئی رجسٹر اور کاغذات قرینے سے رکھے تھے اور صاحبِ موصوف عینک کو ناک کے سرے پر رکھے انگریزی کا اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔ دماغ میں آیا۔ کہ ہو نہ ہو اِس دفتر کا مالک اور دفتر کا سب سے بڑا افسر یہی ہے۔ کیوں کہ کام کے اوقات میں کوئی ماتحت افسر اِس طرح اخبار پڑھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میرا خیال درست تھا۔ میں کانپتا ہوا میز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آنجناب نے اخبار کو ذرا آنکھ سے نیچے کیا اور مجھے کو دیکھ کر نہایت آہستہ اور نرم لہجے میں بولا: ''پوچھا! کیا چاہتے ہو؟''

میں نے بھی اُسی طرح آہستہ مگر ڈرتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''کہ یہ میری پاس بک ہے اور میں اِس کا مالک۔ میں اِس کا تمام روپیہ لینا چاہتا ہوں، کیوں کہ مجھے اِس وقت رقم کی اشد ضرورت ہے اگر آپ کی عنایت سے یہ رقم مجھے مل جائے تو میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔'' اُس مجسمۂ شرافت، فرشتہ سیرتِ انسان نے میری پاس بک اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور اُسے بغور دیکھا۔ اور پھر اُس کی

اوراق گردانی کے بعد مجھے واپس کردی۔ اور نہایت شیریں کلامی سے فرمایا کہ ''اِس کا روپیہ آپ کو مل سکتا ہے بشرطیکہ کوئی صاحب اور وہ بھی اِسی دفتر کا اِس بات کی تصدیق کردے کہ یہ پاس بک واقعی آپ کی ہے۔''

میں نے عرض کی، ''حضور! مجھے یہاں کون پہچانتا ہے، میں بہت دور کا رہنے والا، مصیبت کا مارا، غریب الوطن ہوں۔ البتہ اگر آپ چاہیں تو میں کسی اپنی جان پہچان کے آدمی سے اِس کی تصدیق کرا کر لادوں۔'' وہ شاید میرے اِس جواب سے مطمئن نہ ہوا۔ بلکہ ذرا ترش ہوکر کہ ''آپ کی جان پہچان نہیں چاہیے، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرے دفتر کا کوئی آدمی تصدیق کردے تاکہ بعد میں غلط ثابت ہونے پر میں اُس سے جواب طلب کرسکوں۔'' اب میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ تصدیق کا اصلی مقصد کیا ہے۔ مگر ابھی تک مسئلہ حل نہ ہوا کہ تصدیق کرے گا کون؟

میں خاموش کھڑا اُس کی طرف دیکھا کیا۔ جو بدستور اخبار کی باریک سطور پر نظر جمائے کسی ضروری کھوج اور گہری سوچ میں مُنہمک تھا۔ کچھ دیر کے بعد پھر اُس نے اخبار کو گھٹنے پر رکھ کر میری جانب دیکھ کر کہا۔ ''صاحبزادے! اِس دفتر میں چل پھر کر دیکھئے کوئی نہ کوئی ضرور آپ کا واقف مِل جائے گا۔ کیوں کہ تقریباً تمام آدمی اُسی سرزمین سے متعلق ہیں جہاں سے آپ تشریف لائے ہیں۔''

میں اُس کی اِس ہمدردانہ بات سے بہت متاثر ہوا۔ اور اپنے ذاتی بلکہ خاندانی اخلاق کا جائز استعمال کرتے ہوئے دِل ہی دِل میں اُس کا شکریہ ادا کیا۔ اور سوچنے لگا کہ یہاں کے لوگ کس قدر خلیق اور باشعور ہیں۔ جو ادنےٰ غرض مندوں سے بھی نہایت ہمدردی سے بات کرتے ہیں۔ اِس سے پہلے تو مَیں یہ جانتا تھا کہ جو شخص بید کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اُس کا دماغ عرشِ بریں پر پہنچ جاتا ہے۔ اور کسی سے بات کرنا اپنے پیشے کی توہین سمجھتا ہے۔ مگر یہاں یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے۔ اِس سے پہلے میرا سابقہ ایسے حلیم الطبع اور نیک سیرت انسان سے کبھی نہ پڑا تھا۔

میں اُس کے فرمانِ واجب الاحترام کے مطابق دفتر کے اندر داخل ہوگیا۔ اور

کمروں میں قطاروں میں بیٹھے ہوئے بابوؤں سے ہوتا ہوا چلا جارہا تھا۔ کئی نئے چہرے نظر کے سامنے تھے مگر مجھے یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ اُن میں سے ایک نے بھی میری جانب آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ میں اُن کو اِس سے تاک رہا تھا۔ جس طرح کوئی ایک بڑی نمائش میں رکھی ہوئی چیزوں کو مُتجسسانہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اچانک میری نظر ایک چھوٹے سے کمرے کے دروازے پر جا کر رُک گئی جس میں چند نوعمر دوشیزائیں مصروفِ کار تھیں۔ مَیں اُن کے پاس جانے کی جرأت نہ کرسکا۔ کیوں کہ میں جانتا تھا کہ اِس کمرے کے اندر داخل ہونا یقیناً اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ میں اُلٹے پاؤں واپس آ گیا۔ اور جھٹ اُسی راستے سے گُزرتا ہوا پھر اُسی پیر مرد کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور دست بستہ عرض کی۔ کہ میرا اِس دفتر میں کوئی واقف نہیں۔

اُس نے میری طرف دیکھا اور مُسکرا کر کہا کہ آپ بہت جلد واپس آ گئے۔ شاید آپ تمام کمروں میں نہیں گئے۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ ایک بار پھر کوششیں کیجیے شاید کام بن جائے۔ میں دِل ہی دِل میں سوچنے لگا کہ عجیب مسخرے سے پالا پڑا ہے مجھے کوئی دیکھتا تک نہیں۔ بھلا دیکھے بھی کیوں، نہ اچھی صورت، نہ وضع، نہ صاف ستھرا موجودہ فیشن کا لباس۔ بلکہ سر سے لے کر پاؤں تک ایک اچھا خاصہ درویش نظر آتا ہوں۔ ایسے آدمی کو دیکھ کر تو کوئی واقف بھی ناواقفیت کا اظہار کرے گا۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ یہاں میرا کام ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ لیکن میں نے ہمت نہ ہاری اور دوسری بار اپنی قسمت آزمائی کے لیے اِس مہم پر جانے کے لیے کمر بستہ ہو گیا۔ اور پہلے کی طرح مایوسانہ انداز سے چلتا گیا۔ یہاں تک کہ پھر اُسی کمرے کے دروازے پر جا ٹھہرا۔ جہاں پہلے میری ہمت نے اندر جانے سے انکار کر دیا تھا۔ دِل میں سوچا کہ جب اجازت مل چکی ہے تو یہاں بھی جانے میں کیا ہرج ہے۔ میرا دِل صاف ہے اور ویسے میرے وطن کی دوشیزائیں کی طرح یہاں پردے کا رواج بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں تو مرد عورت ایک دفتر میں بلکہ شانہ بشانہ کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کیا

خراب زمانہ آ گیا ہے، شرم وحیا کا نام تک نہیں۔ سر پر دوپٹہ ندارد، کھلا مُنہ، برہنہ سر کس انداز سے مصروفِ کار ہیں۔

انھیں خیالات میں کہیں کمرے کے اندر داخل ہوا۔ کمرہ خوشبو سے مہک رہا تھا مشامِ جان میں تازگی آئی۔ حُورانِ جنّت کا سامنا تھا۔ اپنی خوش نصیبی پر اِترا رہا تھا کہ خُدا نے اچھی جگہ لا کھڑا کیا ہے۔ ایسے عالم میں مجھے اپنے کام کا بھی خیال نہ رہا۔ اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ مَیں یہاں کس لیے لایا گیا ہوں۔

خُدا خُدا کر کے قدم آگے بڑھایا۔ ایک موزوں قد، کتابی چہرہ، خوبصورت آنکھیں۔ سڈول بازو، دراز گردن، غنچہ ذہن نے باریک آواز میں پوچھا۔ ''آپ کس کو دیکھتے ہیں؟''

شاید میں اُس کا جواب کچھ نہ دے سکتا۔ مگر اپنے آپ کو سنبھال کر اور مزید تمنائے گفتگو کے خیال سے کہا: ''میں کسی کو نہیں دیکھتا۔ میں چاہتا ہوں مجھے کوئی دیکھے۔''

میرے اِس جواب نے اُس کے لہجے کو اور بھی نرم کر دیا۔ اور فرمانے لگیں۔ ''شاید آپ کسی کام کے لیے تشریف لائے ہیں۔'' میں نے اپنی شوخ مزاجی اور خود داری کو برقرار رکھتے ہوئے کہا کہ ''آپ کا خیال ہے کہ مَیں یہاں سیر کی غرض سے وارد ہوا ہوں۔'' اُس نے ذرا آنکھیں نیچے کرتے ہوئے کہا: ''فرمایئے کیا کام ہے؟''

(۲)

اب مَیں اپنی پاس بک کو نہایت ادب سے اُس کے آگے سرکا دیا اور کہا: ''لیجیے یہ میری پاس بک اور یہ ناچیز اُس کا مالک۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی بندۂ خُدا اِس بات کی تصدیق کر دے تا کہ میں اپنی رقم آپ کے اِس دفتر سے وصول کر سکوں۔''

اُس نے پہلی بار مجھ پر مُتجسسانہ نگاہ ڈالی۔ اور مُسکرا کر کہا: ''آپ کو کون نہیں جانتا۔'' مَیں سن کر بہت خوش ہوا اور شاید میرے لبوں پر کچھ نہ کچھ مُسکراہٹ بھی نمودار ہوئی اور غرض مندانہ انداز سے دریافت کیا۔ ''کیا آپ بھی پہنچانتے ہیں۔'' جواب ملا:

''کیوں نہیں؟''

اب میں سمجھا کہ ہو نہ ہو میرے کسی دوست یا رشتہ دار کی بہن یا دخترِ نیک اختر ہے جس نے مجھے اِس پریشان حالی میں بھی پہچان لیا ہے جس کو میں ابھی تک نہیں پہچان سکا۔ میں نے اپنے خاندانی اخلاق کی بنا پر دِل ہی دِل میں شکریہ ادا کیا اور کہا: ''کرم کیجیے اور یہاں اِس فارم پر جو میرے ہاتھ میں تھا دستخط فرما کر تصدیق کر دیجیے۔''

اِس پر اُس نے آنکھیں نیچی کر کے کہا کہ میرا مطلب ہے پانچ روپے میں آپ کو کون نہیں پہچانتا۔ میری تمام خیالی عمارت ایک دم گر کر چکنا چور ہوگئی۔ میری طلسم خواب یک قلم ٹوٹ گیا۔ مَیں اپنی جیب سے خوب واقف تھا کہ اِس میں صرف میرے پاس واپسی کرائے کے پیسے تھے۔ مجھے یہ سوچ کر افسوس ہوا کہ اگر میرے پاس کچھ زیادہ رقم ہوتی تو مُنہ مانگی اُجرت دینے کو تیار ہو جاتا۔ کیوں کہ مَیں جانتا تھا کہ کسی محنت کی کمائی میں اُجرت کم کرنا اُس کی ایمانداری پر شک کرنا ہے۔ میں نے ڈرتے ہوئے کہا: ''اچھا چار روپے لے لیں۔''

اَب اُس کے پاس بُک میرے ہاتھ سے لے لی۔ اور آخری صفحہ پر نگاہ ڈالنے کے بعد کہا: ''نوسو بَہتّر روپے ساڑھے چھ آنے۔ (972-6½)'' بھائی صاحب دس روپے لگیں گے۔

میرے دِل میں ایک سنسناہٹ پیدا ہوگئی کہ اب تو پانچ روپے سے کام نکلتا ہے۔ اگر زیادہ بات کی تو شاید دس روپے سے بھی مشکل ہو جائے گا۔ میں نے جھٹ پانچ روپے کا ایک نیلا سا نوٹ نکال کر اُس کے اُجلے ہاتھ پر رکھ دیا۔ پھر کیا تھا فونٹین پن کو جنبش دیتے ہوئے دو تین انگریزی سطور جو میرے کام کے لیے کافی تھیں لکھ کر فارم میرے ہاتھ میں دیدیا۔ میں دِل ہی دِل میں سوچ کر نادم ہو رہا تھا۔ کہ اگر اِس طرح کام ہونا تھا تو میں سب سے پہلے آدمی سے آن کی آن میں کرا سکتا تھا۔ اِس قدر وقت ضائع کرنے اور پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے اپنی سادہ لوحی پر افسوس

ہو رہا تھا کہ لوگوں کو کس طرح لینا آتا ہے مجھے دِینا بھی نہیں آتا۔

مَیں اپنی بے وقوفی اور نادانی پر جھلاتا ہوا واپس اُسی پُرانی میز کے سامنے کھڑا ہو کر آداب بجالایا۔ مجھے دیکھ کر میرے کرم فرما فرشتہ خصایل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''کیوں صاحب! میں نے کہا تھا نا کہ کوئی نہ کوئی آدمی آپ کا ضرور واقف ہوگا۔''

مَیں فاتحانہ انداز میں جواب دیا۔ ''صاحب! آپ کی مہربانی اور نوازش کا صدقہ اِس دفتر کا ہر آدمی میرا واقف ہے۔''

(روانہ ''ملاپ'' دہلی، 17-06-1970)

کانٹا

طبیعت علیل ہونے کے باوجود بھی میں شرکتِ مشاعرہ کا اِنکار نہ کر سکا۔ سرِ شام ہی مشاعرہ گاہ میں پہنچنے کی تیاری شروع کر دی۔ گرم پانی سے ہاتھ مُنھ دھو کر کپڑے بدلے۔ بالوں میں کنگھی کی، آنکھوں میں سُرمہ ڈالا، بیاض نکالی اور معمولی سی چائے پی کر احباب کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

ٹھیک سات بجے جناب اختؔر اور انورؔ تشریف لائے۔ اُن کی آمد پر شیروانی زیبِ تن کی اور چھڑی ہاتھ میں لے کر اپنے مخصوص انداز سے بغیر گھر والوں کو بتائے ہم دروازے سے باہر ہو گئے۔ بیگم صاحبہ کو میرے اِس طرح جانے سے کچھ شک ہوا اور سمجھ لیا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ شاید اُس وقت میرے احباب کی موجودگی میں دریافت کرنا گستاخی سمجھا ہو۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ہمارے جانے کے تھوڑی دیر بعد اُنھوں نے بھی مشاعرہ سُننے کی غرض سے تیاری شروع کر دی۔ گھر میں دو بچوں کو ہمراہ لے جانے کے لیے انتخاب کیا گیا اور جلدی ہی کپڑے بدل کر مشاعرہ گاہ کی جانب روانہ ہو گئیں۔

ہم آہستہ آہستہ بازار سے پان چباتے ہوئے وہاں پہنچے تو بیگم صاحبہ کو بمع بچوں کے اپنے سے پہلے موجود پایا۔ اُنھوں نے مجھے دیکھ مُنہ پھر لیا۔ شاید اِس لیے کہ دوست میرے ہمراہ تھے۔

مَیں اُن کی اِس ہوشیاری کی دِل ہی دِل میں تعریف کرنے لگا۔ اور اُن کے اِس ذوق کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا کہ اِس قدر سردی بھی اُن کے ذوق میں مانع نہ ہو سکی۔

مَیں نے بھی اُنھیں دیکھ اِس طرح ظاہر کیا کہ مجھے اُن کے اِس طرح تشریف لانے سے کوئی اعتراض نہیں بلکہ خُوشی ہوئی ہے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جناب صدرِ مشاعرہ کے تشریف لانے میں ہنوز نصف ساعت کی دیر ہے۔ ہم اسٹیج پر تکیوں کے سہارے بیٹھ گئے۔ دوستوں نے سگریٹ سلگا کر اپنے شاعر ہونے کا ثبوت دیا۔

کچھ دیر بعد نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوا کہ وہ کرسیاں جہاں پہلے بیگم صاحبہ، بچوں کے ساتھ تشریف فرما تھیں وہاں اب دو اور صاحبزادیاں رونق افروز تھیں۔ میں نے کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی مگر کہیں بھی اُنھیں دیکھ نہ سکا۔ خیال آیا کہ شاید باغ میں پھولوں کے منظر کا لُطف اُٹھا رہی ہوں گی۔

لوگ آنے شروع ہو گئے۔ مشاعرہ گاہ میں خاصی رونق اور چہل پہل نظر آنے لگی مگر میرا دِل پریشان تھا اور آنکھیں بچوں کو دیکھنے کی متمنی تھیں۔ اِس قدر وقت گزر جانے پر بھی جب وہ دکھائی نہ دئے تو رہا نہ گیا کھڑا ہو کر مائیک کے پاس پہنچا اور اپنے لڑکے کو نام سے آواز دی کہ وہ میرے پاس اسٹیج پر آجائے۔ خاکسار زادہ کے اسٹیج پر نہ آنے سے میری پریشانی اور بھی بڑھ گئی اور دِل کئی قسم کے وسوسے سے پیدا ہو گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد صدرِ محترم تشریف لائے۔ رسمی بات چیت کے بعد باقاعدہ آغازِ مشاعرہ کا اِعلان ہوا۔ شعرا کے پرزور کلام سے سامعین پر وِجدانی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ سامعین اُنھیں دِل کھول کر داد دئے جا رہے تھے اور ہر اچھے شعر کو کئی بار پڑھنے کے لیے اُنھیں برابر زحمت دی جا رہی تھیں۔ مگر میرے دِل میں وہی ایک خیال کہ آخر بیگم صاحبہ نے ایسے اچھے مشاعرے کو کیوں کر نظر انداز کر دیا جب کہ وہ اِسی غرض سے یہاں تک تشریف لائی تھیں۔ اُن کے اِس طرح سے نظر نہ آنے سے میرے دِل کا اضطراب بڑھ رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد فقیر زادہ اسٹیج پر آیا۔ اور میرے نزدیک آ کر آہستہ اور سہمی آواز میں کہنے لگا۔ کہ اِیں جانب آتے ہوئے راستے میں امّی جان کے ایک کان کا کانٹا کہیں اُتر گیا ہے۔ ہم سب واپس اُسے تلاش کرنے چلے گئے تھے مگر وہ نہیں ملا۔

اِس لیے ہم ناکام لوٹ آئے ہیں۔ یہ سن کر میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ مگر ذرا سنبھل کر بولا: ''کوئی بات نہیں چیزیں گم ہوتی رہتی ہیں۔ امّی جان سے کہو فکر نہ کریں۔ اگر خُدا نے توفیق دی تو اور بن جائے گا۔ آپ گھبرایئے نہیں اور اطمینان سے مشاعرہ کا حظ اُٹھایئے۔''

اگرچہ میرے کان شعراء کے کلام سُننے پر لگے ہوئے تھے اور میں ہمہ تن گوش کلام کو سُننے میں منہمک تھا مگر میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ دِل میں اضطراب نہیں تھا۔

میں ہر اچھے شعر ہر داد دینے میں اہلِ قلم کے ساتھ برابر شریک تھا۔ کیوں کہ میں ایک معمولی کانٹے کے گم ہو جانے پر کلام کو زیادہ ترجیح کے قابل سمجھتا تھا۔

خُدا خُدا کر کے مشاعرہ ایک بجے ختم ہو گیا۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے۔

میرا خیال تھا کہ اہلیہ محترمہ میرے پاس تشریف لا کر تمام سرگزشت سُنائیں گی مگر وہ مجھ سے پہلے ہی اپنے بچوں سمیت گھر کی جانب روانہ ہو گئیں۔ میرے گھر پہنچے پر تمام واقعات بیان کیے۔ میں نے مُسکرا کر کہا: ''کوئی بات نہیں۔ آرام سے سو جایئے۔ اور اِس خیال کو دِل سے دور کرنے کی کوشش کیجیے۔''

یہ کہہ کر میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ہر چند کوشش کی کہ نیند آ جائے مگر نیند نہ آئی بلکہ بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا۔ کبھی لیٹ جاتا کہ شاید نیند آ جائے مگر جب دیکھتا کہ نیند آنی مشکل ہے تو اُٹھ بیٹھا اور اپنے عقائد کے مطابق خُدا کو یاد کرتا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتا کہ اے پروردگارِ عالم، عالم الغیب، دانائے راز، حاجت مندوں کے حاجت روا تیرا رحم و کرم شریک حال ہو تو کانٹا مل سکتا ہے۔ اِنھیں دُعاؤں میں تمام رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ اُدھر بیگم صاحبہ بھی اپنے عقیدے کے مطابق سر بسجود رہیں۔ کئی منتیں مانگلیں کہ کانٹا مل جائے اور سب منتیں سب پوری کر دی جائیں گے۔

اِسی بے چینی کی حالت میں، مَیں بیوی کے کمرے میں گیا دیکھا تو وہ تکیے کے سہارے بیٹھی ہیں۔ میں نے سیر کے بہانے اُسی راہ پر جائیں کے لیے کہا۔ اُن کی

آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اُنھیں تسلی دی کہ فکر لا حاصل ہے۔ خُدا جو کرتا ہے اچھا کرتا ہے۔

غرض ہم اُسی راہ پر ہو لیے جس راہ سے بیگم صاحبہ مشاعرہ گاہ تک تشریف لے گئی تھیں۔ دونو خاموش چلتے گئے۔ میری آنکھیں سڑک کو چاروں طرف سے بغور دیکھ رہی تھیں کہ شاید کہیں کانٹا پڑا ہوا مل جائے۔

تھوڑی دور جانے کے بعد سڑک پر کوئی چیز چمکتی ہوئی نظر آئی۔ نزدیک پہنچا تو وہی کانٹا تھا ہم دونو فرطِ مسرت سے اُچھل پڑے اور خُدا کا شکر بجالائے۔ کانٹا مل گیا مگر ہم ابھی تک یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ اِس کے ملنے میں کس کی دُعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا گیا۔

(ڈرامہ)

دیوان ساون مل کا دربار

مقام: مُلتان　　گرمی کا موسم　　صبح: 8 بجے

دیوان ساون مَل کا شاہانہ دربار۔

دربار میں نواب ڈیرہ غازی خان، نواب مظفر خان کے دو لڑکے، دو وکیل، شہر کے چند روساء

دو اخبار نویس، ایک میر منشی، ایک پنڈت، ایک گرنتھی سِکھ، ایک مولوی۔ بیٹھے ہوئے ہیں۔ درمیان میں ایک بڑا تکیہ اور دیوان صاحب کی جگہ خالی ہے۔

چوبدار (سنکھ بجنے کے بعد اُونچی آواز میں) حضور دیوان ساون مَل کا اقبال سدا قائم رہے۔ سرکارِ دولت کی رعیت سدا سُکھی رہے۔

دیوان صاحب دربار میں داخل ہوتے ہیں۔ تمام درباری اور حاضرین بغرض تعظیم کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دیوان صاحب اپنی محفوظ جگہ پر جلوہ افروز ہو جاتے ہیں۔ اُن کے بیٹھتے ہی تمام اہل دربار بیٹھ جاتے ہیں مگر سپاہی اور اہل کار کھڑے رہتے ہیں۔

ایک پنڈت گایتری منتر پڑھتا ہے۔ گرنتھی گورو بانی کا شبد پڑھتا ہے۔ مولوی عربی میں ایک آیت پڑھتا ہے۔

نواب ڈیرہ غازی خان اٹھ کر دیوان صاحب سے دونو ہاتھوں سے ہاتھ ملاتا ہے اور کہتا ہے حضور کا اقبال قائم رہے آنجناب کے مزاج تو اچھے ہیں۔

دیوان صاحب : خدا کا شکر ہے۔ اُس کا فضل و کرم۔

ایک اور نواب : (دیوان صاحب سے ہاتھ مِلا کر) حضور کا سایہ ہم پر ہمیشہ قائم رہے۔ آنجناب کی مزاج شریف؟

دیوان صاحب : خدا کی رحمت ہے۔ آپ نے یہاں تک آنے میں بہت تکلیف کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کی پہلی ملاقات ہے؟

نواب صاحب : جی ہاں! (سلام کر کے بیٹھ جاتا ہے)

نواب مظفر خان کا لڑکا : بزرگوار قدم بوسی (پاؤں کو ہاتھ لگاتا ہے)

دیوان صاحب : آؤ برخوردار.....

لڑکا : آپ کی بندہ پروری اور ذرّہ نوازی۔

دیوان صاحب : (اپنے میر منشی کی طرف رُخ کر کے) جو ٹوپی کل ڈیرہ اسماعیل خان سے آئی تھی اِس برخوردار کو دی جائے تا کہ دربار میں پہن کر آیا کرے۔

لڑکا (پہن کر) : یہ تو بہت خوب صورت ہے۔ اِس عنایت اور سرفراری کا شکریہ۔

دیوان صاحب : گھر میں تو سب خیریت ہے؟

لڑکا : آپ کی نوازش۔

(اب میر منشی سب حاضرین کے نام کا تعارف کراتا ہے۔ سب سامنے آ کر آداب بجا لاتے ہیں اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔)

میر منشی : حضور دو تین درخواستیں ہیں۔ جن کو مَیں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اِن کے بعد دیگر کاغذات اور دربار کی عرضیات پیش کروں گا۔

دیوان صاحب : بہتر.....!

میر منشی : پہلی عرض خوشت ہے، حشمت خاں، افغان چھوٹے فوجی افسر کی۔

(حشمت خان اپنی جگہ سے اُٹھا کر سر جھکا کر
آداب بجالاتا ہے اور سر جھکا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔)

حشمت خان : میرا چھوٹا بھائی گُل باز خان ہاٹ سے آیا ہے۔ وہ آپ کی رعیت بن کر یہاں رہنا چاہتا ہے۔ اُس کو یہاں رہنے کی اجازت بخشی جائے۔

دیوان صاحب : گُل باز خان کو پیش کرو۔

(گُل باز خان سامنے آکر جھک کر سلام کرتا ہے۔)

دیوان صاحب : کیوں گُل باز خان! وہاں کے کوئی جرم کر کے تو نہیں آیا۔ مفرور تو نہیں ہے؟

گُل باز خان : اللہ پاک کی قسم.....نہیں.....!

دیوان صاحب : منظور۔

حشمت خان : حضور اِک عرض ہے اگر اُس کو فوج میں نوکری مل جائے تو اپنا گزارہ کر سکے گا۔

دیوان صاحب : اِس وقت فوج میں کوئی اچھی اَسامی خالی نہیں۔ فی الحال زمینداری کرے تو زمین مِل جائے گی۔

حشمت خان : بہت اچھا حضور.....!

دیوان صاحب : کیوں گُل باز خان؟ سرکار کا نمک حلال اور وفادار رہے گا؟

گُل باز خاں : جی خصور!.....قرآن مجید کی قسم۔

دیوان صاحب : میر منشی.....!

میر منشی : جی حضور.....!

دیوان صاحب : گُل باز خان کو نہر کے قریب چالیس بیگھہ زمین سرکار کی جانب سے بخشی جائے۔

میر منشی : بہت اچھا حضور!

دیوان صاحب : دوسری عرضی پیش کرو۔

میر منشی : دوسری عرضی ملک اشرف خان ولد کریم داد خان ساکن لیہ کی ہے۔

دیوان صاحب : اُسے پیش کرو۔

(اشرف خان آگے بڑھ کر جھک کر سلام کرتا ہے۔
اور سر جھکا کھڑا ہو جاتا ہے۔)

میر منشی : حضور دس سال پہلے یہ لیہ کا زمیندار تھا۔ 60 بیگھہ زمین اِس کی ملکیت تھی۔ اِس کی حالت خراب ہوگئی تو یہ علی پور تحصیل میں چلا گیا۔ اِس کی زمین پر مِلک رام چند قابض ہوگیا ہے۔ اب یہ واپس آ گیا ہے۔ اور اپنی زمین چاہتا ہے۔

دیوان صاحب : اشرف خان! زمین آپ کو واپس مل جائے گی۔ مگر اِس شرط پر کہ اِس کی پیداوار پہلے سے بڑھانے کی کوشش کرے گا۔ اور اُس کے لیے بہت محنت کرے گا۔

اشرف خاں : بسر وچشم.....

میر منشی : اشرف خان! سرکار کی وفاداری کی قسم کھا۔

اشرف خان : (قرآن شریف مولوی سے لے کر) مَیں قرآن کی قسم کھاتا ہوں کہ تاعُمر سرکار کا وفادار رہوں گا۔

میر منشی : حضور ایک عرض اور ہے۔ نواب صاحب! ڈیری غازی خان اور نواب مظفر گڑھ کہتے ہیں کہ اِس سال اُن کے ہاں آم اور کھجور کی فصل بہت زیادہ ہوئی ہے مگر وہاں کے لوگ اِنھیں کم کھاتے ہیں۔ اس لیے ساری فصل باغوں میں ہی گل سڑ رہے۔ حضور اِس کا کوئی علاج کیا جائے۔

دیوان صاحب : اچھا! آپ نے یہ بات مجھے پہلے ہی کیوں نہیں بتائی۔ اچھا اگلے

سال کے شروع میں اچھے سے اچھا پھل سرکارِ عالی مہاراجہ صاحب کو لاہور میں تحفے کے طور پر بھیجا جائے گا، اگر سرکار کو پسند آ گئے۔ میرا خیال ہے، پسند آ جائیں گے تو دوسرے لوگوں میں بھی کھانے کا شوق پیدا ہو جائے گا۔ اِس سے لاہور کے ساتھ کھجور اور آم کا بیوپار کھل جائے گا۔

سارے درباری : واہ! مہاراجہ رنجیت سنگھ کی جے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی جے۔ دیوان ساون مل کی جے۔

میر منشی : بس! حضور اور کوئی عرضی نہیں۔

دیوان صاحب : چوبدار کو کہو کہ اونچی آواز سے کہے کہ کسی کو اگر کوئی شکایت ہو تو حاضر ہو جائے۔

چوبدار : حسب الحکم پُکارتا ہے۔

دیوان صاحب : ایک بار اور۔

چوبدار پھر پُکارتا ہے۔

دیوان صاحب : ایک بار اور

چوبدار پھر پُکارتا ہے۔

(اتنے میں ایک زمیندار دروازے سے
حاضر ہو کر ڈرتا ڈرتا اندر آتا ہے۔ اُس کی ٹانگیں کانپتی ہیں۔)

زمیندار : حضور آپ میرے مائی باپ ہو، اِک عرض ہے۔

دیوان صاحب : آگے آ جا..... ڈرو نہیں..... تیرا کیا نام ہے؟

زمیندار : (کانپتے ہوئے) سوما ولد حَسنا..... ذات تیلی۔

دیوان صاحب : کیا تکلیف ہے؟

زمیندار : حضور کے راج میں مجھے کوئی تکلیف نہیں مگر.....

دیوان صاحب : مگر کیا..... صاف صاف کہو..... کیا کسی افسر نے تنگ کیا ہے۔

سوما : جی نہیں.....!

دیوان صاحب : پھر.....!

سوما : کل اِک سفید پوش نے اپنے دو گھوڑے میرے کھیت میں چھوڑ دئے۔ کوئی پہر دن تک وہ کھیت میں رہے۔ میرا کھیت برباد کر دیا ہے۔ حضور.....

دیوان صاحب : کیا تو جانتا ہے کہ وہ گھوڑے کس کے تھے؟

سوما : حضور میں اناں دے ناں تاں نہیں جاندا! نر دوائے رئیس بڑا تیز مجاج ہے منوں کہ اُس دا گلدا سی۔

دیوان صاحب : کوئی نشانی بتا سکتا ہے۔

سوما : اُس دے.....

میر منشی : اِس طرح کے تو بہت آدمی ہوتے ہیں۔

سوما : کوئی سیٹھ جاہن سی، کوئی وڈھے گھر سے گھبروسی

دیوان صاحب : اگر کہیں مل جائے تو پہچان لے گا۔

سوما : جی حضور! اُس دا سائیس بابر کھڑا سی مینوں دیکھ۔ اِدھر اُدھر ہو گیا ہے۔

دیوان صاحب : اچھا تو پھر دیکھ لے کہ وہ سیٹھ اِس وقت اِس دربار میں تو موجود نہیں۔

سوما زمیندار : دربار کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہے اور پھر مرعوب ہو کر آنکھیں نیچی کر لیتا ہے۔

سوما : ایتھے ہُن ہتھ نہیں لگدا۔

دیوان صاحب : ایک بار پھر اچھی طرح دیکھ لے، میرے ہوتے ہوئے تجھے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

سوما : پھر دربار میں نظر ڈالتا ہے۔ اور دیوان صاحب کے لڑکے رام

داس کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔

اُدہ نوجوان جاندا ہے۔

دیوان صاحب : کون! اُنگلی کر کے بتا۔

سوما : رام داس کی طرف اُنگلی کرتا ہے اور سارے درباری رام داس کی طرف دیکھتے ہیں۔

دیوان صاحب : کیوں رام داس۔

میر منشی : نہیں حضور اسے دھوکا ہوا ہے

دیوان صاحب : کیوں اُسے اچھی طرح دیکھ لے۔

سوما : جی حضور! بالکل اُمی ہے۔

میر منشی : وہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ پھر دیکھ لے۔

دیوان صاحب : کڑک کر..... میر منشی..... خاموش..... کیوں رام داس.....

رام داس : کھڑا ہو کر ہاتھ جوڑ کر۔

دیوان صاحب : رام داس۔

رام داس : جی حضور!

دیوان صاحب : شکایت تیرے برخلاف ہے!

رام داس : جی حضور!

دیوان صاحب : یہ کارستانی تیری ہے؟ فوراً جواب دے۔

رام داس : نہیں حضور یہ سائیس کی غلطی ہے۔

دیوان صاحب : اُس وقت کہاں تھا؟

رام داس : تو میں اُس وقت ساتھ کے باغ میں آرام کر رہا تھا۔

دیوان صاحب : ٹھیک..... تو اُس وقت آرام کر رہا تھا اور تیرے گھوڑے اِس غریب کا کھیت اُجاڑ رہے تھے۔

رام داس : جی مجھے خیال نہیں رہا۔

دیوان صاحب : تجھے خیال کس طرح آسکتا تھا۔ تجھ کو اپنا آرام چاہیے۔ دوسروں کی تکلیف کا تجھے کیا احساس ہوسکتا ہے؟

رام داس : مَیں نے سائیس کو کہا تھا کہ گھوڑے کھیت مالک سے پوچھ کر بتائے۔

دیوان صاحب : پوچھنا بھی تو ناجائز تھا۔ بڑے آدمی ہمیشہ اپنی بڑائی کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور غریب کمزور ہونے کی وجہ سے بول نہیں سکتے۔ کیوں رام داس۔ تیرا وہاں گھوڑے لے جانے کا کیا حق تھا۔ شاید تو سمجھتا ہوگا تو دیوان صاحب کا بیٹا ہے اِس طرح تو، تُو سارے ملتان کو لوٹ کر کھا سکتا ہے۔

دیوان صاحب : (سوما کی طرف مُنہ کر کے) کیوں سومے کیا سائیس نے تجھ سے گھوڑے چھوڑنے سے پہلے پوچھ لیا تھا۔

سوما : جی بالکل نہیں..... اللہ جانتا ہے.....

دیوان . نہ پوچھنا ایک بہت بڑا جرم ہے۔ یہ مداخلتِ بے جا ہے۔ اِس فوج داری جرم کی پہلی سزا گرفتاری ہے۔ اِس لیے تو اپنے آپ کو اِس وقت گرفتار سمجھ۔

میر منشی : اِن کا قصور نہیں اصلی مجرم سائیس ہے۔

دیوان صاحب : یہ ٹھیک ہے مگر جرم پر چشم پوشی کرنا بھی تو جرم ہے۔

میر منشی : حضور قانونی نکتہ نگاہ سے یہ جرم کے ارتکاب سے بے بہرہ ہے۔ کیوں یہ اُس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔

دیوان صاحب : کیا ایک انجان شخص اگر جرم کرے تو اُس کو مجرم نہیں کہتے؟

میر منشی : ضرور ہوگا مگر.....

دیوان صاحب : مگر کیا کہ یہ دیوان کا لڑکا ہے۔

دیوان صاحب : (اپنے بیٹے کی طرف مُنہ کر کے) اچھا جب تو واپسی کے لیے

گھوڑے پر سوار ہوا تو، تُو نے کھیت کا مالک کو کوئی انعام یا معاوضہ دیا تھا۔

رام داس : جی نہیں.....!

دیوان صاحب : میر منشی! آپ ہی کہیے کہ یہ مجرم واقعی ہے یا نہیں۔

میر منشی : چپ رہتا ہے؟

نواب ڈیرہ غازی خان : حضور اِس پر جرمانہ کر دینا چاہیے۔ گرفتار کر کے جیل میں بھیج دینا چاہیے۔

دیوان صاحب : نواب صاحب! مَیں کوئی بنیا نہیں کہ انصاف یا قانون کو روپے کے بدلے بیچ دوں۔ ایک کھتری ور وہ بھی مہاراجہ رنجیت سنگھ کا گماشتہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ قانون میں اِس کی سزا جیل ہے۔

(نواب صاحب اور دوسرے درباری ایک زبان حضور یہ سزا بہت سخت ہے۔)

دیوان صاحب : کیوں کہ رام داس میرا بیٹا ہے!

میر منشی : حضور سزا دیتے وقت اِس بات کا خیال تو رکھا جاتا ہے کہ مجرم کا سماج میں کیا مقام ہے۔

دیوان صاحب : اگر ایسا خیال رکھا جائے تو امیروں اور اُن کی صاحبزادوں کو کبھی سزا ملے ہی نہیں۔

نواب ڈیرہ غازی خان : حضور انصاف اور قانون کے ساتھ رحم اور خدا ترس بھی تو حاکم کے دِل میں ہونی چاہیے۔

دیوان صاحب : آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن آپ بتائیں کہ مَیں اپنے لڑکے پر رحم کروں یا سوما زمیندار پر۔ میرے خیال میں سوما زیادہ رحم کا مستحق ہے۔ یہ شکایت صرف اسی کی نہیں بلکہ ہر ایک کسان کی ہے۔ فریاد آج کی نہیں بلکہ کئی نسلوں سے چل آ رہی ہے۔ زمیندار،

امیر، حاکم اور بنئے لوگ کسانوں پر ظلم کرتے آرہے ہیں۔ خدا ترس کا حقدار وہ ہے یا دیوان صاحب کا لڑکا۔

نواب ڈیرہ غازی خاں : میری عرض ہے کہ عزیز رام داس کو سزا تو ملے مگر جیل کی نہیں سزا کی نوعیت بدل دی جائے۔

اِس سے دو سو روپیہ لے کر سوما کو دئے جائیں۔ تا کہ اُس کا نقصان کی تلافی ہو سکے۔

دیوان صاحب : صلاح تو آپ کی ٹھیک سہی گر یہ ایک غلط مثال قائم ہو جایئے گی۔ اِس سے جرم بڑھیں گے۔ امیر لوگ پیسہ دے کر بچ جائے گے اور غریب ہمیشہ کے لیے تباہ برباد ہوتے رہیں گے۔

سوما زمیندار : (ہاتھ جوڑ کر) حضور، کرتاں اِس گل نوں ایدا سخت نہیں سجھیا سی۔

دیوان صاحب : تو پھر.....!

سوما : مَیں اپنی شکایت واپس لیندا ہاں حضور مائی باپ ہو۔ میں راضی نواں کردا ہاں۔

دیوان صاحب : نہیں اب راضی نامہ نہیں ہوسکتا۔ تیری فریاد یہاں سے نکل کر لاہور کے دربار میں اور اُس سے آگے خدا کے دربار میں پہنچ چکی ہے۔ یہ بات میرے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ اب میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔

سوما : میرے منانوں بڑا دکھ ہروگے، منیوں لوگ برا اَکھتر گے۔

دیوان صاحب : کوئی بات نہیں۔ تیری اور میری قربانی سے ہر ایک غریب کا بھلا ہوگا۔ آئندہ تم پر کوئی ظلم نہیں کر سکے گا۔

سوما : روتا ہے اور اُونچی آواز میں کہتا ہے تسی معاف کر دیوں کے.....

....

دیوان صاحب : کبھی نہیں ہوگا۔ کسانوں کو بدنام نہیں کرنا چاہتا۔

میر منشی! فوراً تحریر کرو۔ کہ رام داس ولد دیوان ساون مل قوم کھتری بجرم مداخلتِ بے جا در کشتِ سوما ولد حنا برائے یک ہفتہ زندانی قرار داہ می شود

تمام دربار میں سناٹا چھا جاتا ہے۔

(پردہ گر جاتا ہے)



تندلال نیرنگ سرحدی

TAMEER-E-BAQA

By : Dr. Syed Taqi Abedi

EDUCATIONAL
PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA

ISBN 978-93-92496-93-6

978-93-92496-93-6

www.ephbooks.com